اور عزت دے جس کو چاہے اور ذلیل کرے جس کو چاہے۔

(پارہ ۳، سورۃ ال عمران، آیت ۲۶)

تاریخ الاسلام

(کامل تین حصے)

از مولانا محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابتداء سے
مکی اور مدنی زندگی اور آپ ﷺ کا حلیہ مبارک، اخلاق وآداب
اور پاکیزہ ترین تہذیب کا جامع اور دلکش انداز میں تذکرہ ہے



الطاف اینڈ سنز
پوسٹ بکس نمبر: 5882، کراچی-74000، پاکستان
فیکس نمبر: 2512774 - 21 (92)
E-mail : altaf123@hotmail.com

تاریخ الاسلام

(حصہ اوّل)

جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابتداء سے
مکی زندگی تک کے حالات طیبات دلکش انداز میں
تحریر کئے گئے ہیں

از

مولانا محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ

فہرست مضامین





تاریخ الاسلام کے متعلق اکابرِ امت کی آراء

تاریخ الاسلام کے متعلق اکابر امت و اخبارات کی شاندار آراء جو ہمیں موصول ہوئی ہیں وہ اگر سب مفصل لکھی جائیں تو اس کے لئے یہ مختصر سی جگہ بالکل ناکافی ہے۔ اس لئے بعض اکابر و اخبارات کے چیدہ چیدہ کلمات اُن کی آراء میں سے درج کئے جاتے ہیں۔ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ (صدر المدرسلین دارالعلوم دیوبند) کی پسندیدگی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ بہت سے مدارس میں اس کو داخل درس کرا چکے ہیں اور کرا رہے ہیں۔

حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحبؒ (صدر جمعیۃ العلماء) تحریر فرماتے ہیں

کہ تاریخ الاسلام کو میں نے پڑھا۔ یہ کتاب یقیناً اس کا حق رکھتی ہے کہ اسکولوں، انجمنوں، مکاتیب وغیرہ میں اس کو داخل درس کیا جائے۔

حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحبؒ (پروفیسر دارلعلوم دیوبند)

جن کے امر و ارشاد کی بناء پر اور جن کے زیرِ ہدایت یہ سلسلہ تالیف ہوا ہے۔ ایک بطور تقریظ بسیط ملفوظ عالیہ کے تحت میں ارشاد فرماتے ہیں۔ اس رسالہ میں نہ تو مغلق الفاظ ہیں نہ عقول سافلہ سے بالا مضامین، سلاست مضامین کا یہ حال ہے کہ متوسط درجہ کا ذہین بچہ بھی بآسانی

سمجھ سکتا ہے۔ الفاظ میں اختصار ملحوظ رکھا ہے۔ جس قدر حالات ہیں اور جو بات لکھی ہے وہ مستحکم۔ میری رائے ہے کہ اس رسالہ کی ترویج مسلمانانِ ہند کا اوّلین فریضہ ہے۔ تبلیغی انجمنیں ان کے ذریعہ اپنے تبلیغی مقاصد میں باحسن وجوہ کامیاب ہوسکتی ہیں۔ اسلامی مدارس کو تو اس میں بہت زیادہ سرگرمی سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

نذر از مصنف

مشہور ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی فروخت کے وقت جبکہ بڑے بڑے سرمایہ دار زر و جواہر کے خزانوں کا جائزہ لے رہے تھے تو ایک بڑھیا سوت کی کتنی اور پونی لے کر حاضر ہوئی تھی کہ بازار محشر میں اس کا نام بھی یوسف علیہ السلام کے خریداروں کی فہرست میں درج ہو۔

ایک ناہنجار جس کو محمد میاں کہا جاتا ہے شاہ دو عالم سرور کائنات رحمۃ اللعالمین افضل المرسلین خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار اقدس میں ایک ناچیز ہدیہ لے کر حاضر ہوا ہے اور بہزار احترام و بصد ادب عرض رساں ہے :

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند

خسرداں چہ عجب اربنو از ند گدارا

اُمید ہے کہ حلقہ بگوشانِ توحید اور امت کے نونہال آپؐ کی سوانح حیات سے بہرہ اندوز ہوکر سعادت دارین حاصل کریں اور اس سیاہ کار کے لئے بموجب فلاح دارین ہو۔

عرض والتماس

قرآن حکیم خدائے لم یزل کا ازلی اور ابدی کلام ہے جو صرف ایک معجزہ نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ ہزاروں لاکھوں معجزوں کا مجموعہ ہے۔ اس مختصر سی کتاب نے ساڑھے تیرہ سو برس کے عرصہ میں دنیا پر پوری طرح واضح کر دیا کہ اگر کسی نبی کی تصدیق کے لئے زندہ معجزہ دیکھنا ہو تو وہ یہی قرآن کریم ہے جس کا ہر ہر شوشہ سینکڑوں برس گزر جانے کے بعد بھی اسی طرح محفوظ ہے جیسے

خدا کے آسمان کا سورج اور چاند، نوعِ انسان کی عام نظریں اگر اپنے اندر متانت، سنجیدگی اور انصاف پسندی کی روشنی رکھتی ہیں تو بیان کردہ حقائق سے سرمو بھی اختلاف نہ کریں گی، لیکن حقیقت یہ ہے قرآن حکیم کی طرح دائرۂ رسالت کے اس مرکز وحید کی زندگی بھی ہزاروں معجزوں کا خزانہ ہے جس پر یہ مقدس کتاب نازل ہوئی تھی۔ اگر کتاب اللہ ﷻ کی ہر ہر آیت مستقل معجزہ ہے تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مقدس کا ہر کارنامہ بھی مستقل آیت ہے جس کی نظیر سے دنیا سراسر قاصر ہے۔

اگر اللہ ﷻ کی کتاب کا ہر ہر نقشہ اور شوشہ آج تک دنیا والوں کی دستبرد اور ترمیم و تنسیخ سے بالکل محفوظ ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ پاکیزہ کا ہر ہر سانحہ اور واقعہ بھی دنیا کے سامنے آئینہ بنا ہوا ہے۔

قرآن پاک کی آیات پر غور و فکر کے بعد اگر کوئی مبصر آخری فیصلہ کرتا ہے کہ **لاتنقضی عجائبہ** ''اس کے عجائبات ختم نہیں ہوسکتے'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معصوم زندگی اور معجزانہ اخلاق کا مطالعہ کرنے والا بھی انتہائی فیصلہ یہ ہی صادر کرتا ہے کہ **لاتنتھی غرائبہ** ''اس کے غرائبات کی کوئی انتہا نہیں۔''

حق تو یہ ہے کہ حیاتِ مقدس کی مکمل سوانح کا فرض نہ تو آج تک کسی سے ادا ہوسکا اور نہ بشری طاقت کے امکان میں ہے کہ قیامت تک اس فریضہ کی تکمیل سے سبکدوشی حاصل کرسکے۔ البتہ تفسیر القرآن کی طرح شیدایانِ جمال اقدس نے بھی گاہ بگاہ قلم اُٹھایا اور اپنے طبعی مذاق یا فطری اُفتاد کے بموجب مختصر یا ضخیم ضخیم جلدیں لکھ ڈالیں۔ مگر واقعہ یہ تھا :

دریں ورطہ کشتی فروشد ہزار　　　که پیدا نہ شد تختہ بر کنار
دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر　　　ہمچنا در اول و صف تو ماندہ ایم

شکوہ شکایت

سیرت نگاروں کی حالت پھر بھی غنیمت ہے کہ اُنہوں نے جادہ پیمائی کا قصد تو کیا، یہ

دوسری بات ہے کہ منزل بعید تھی اور آخری مرحلہ پر رسائی ناممکن۔

مگر عام مسلمانوں کے مذاق کی حالت بہت زیادہ قابل افسوس ہے۔ دنیا اپنے مقتدا اور پیشوا کے حالات اُجڑے ہوئے شہروں سے، برباد شدہ آثار قدیمہ سے تلاش کر رہی ہے مگر تار یخیت کی کوتاہی کے باعث وہ سراب ہی پر تھک کر رہ جاتی ہے جہاں چشمہ کا کہیں پتہ نہیں ہوتا، لیکن اس کے برعکس یہاں چشمہ ان کے لبوں کے پاس خود آرہا ہے وہ تشنہ بھی ہیں مگر افسوس وہ آبِ حیات کی شناخت سے بالکل ناواقف، اُن کے ہاتھوں کے سامنے حیاتِ مقدس کے عربی و فارسی، اُردو مختصر مطول مختلف موضوع پر سینکڑوں رسالے موجود ہیں مگر گویا وہ رسائل کیا ہیں آفتاب ہیں جن کو چشم شپر دیکھ نہیں سکتی۔

سیہ بختان قسمت راچہ سود از رہبر کامل　　　که خضر از آب حیواں تشنہ لب آرد سکندر را

میلاد شریف کے ایجاد کی غرض و غایت یا وجوہ و اسباب کیا تھے۔ اُن سے بحث کرنا میرے فرائض میں داخل نہیں، لیکن رفتار زمانہ اور اختلاف طبائع نے جو شکل پیدا کر دی ہے اس کی مثال بعینہٖ یہ ہے کہ کتاب سعادت کے صرف خوبصورت ٹائٹل پر ایک سطحی نظر ڈال کر خوش ہو لیا جائے اور اس کے کیمیاوی اکسیر نسخوں کی طرف مطلقاً توجہ نہ کی جائے۔

ضرورت محسوس کی گئی کہ بچوں کو ابتدائی تعلیم کے سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سوانح پر ایک نظر ڈلوا دی جائے تا کہ آغازِ زندگی کا یہ چسکا ممکن ہے کہ کسی مفید نتیجہ تک ان کو پہنچا سکے۔ اس مبارک مقصد کی تکمیل کی طرف بھی مصنفین کے قلموں نے روانی اختیار کی۔ مگر افسوس کہ لوگوں نے ان وسائل میں مشکلات کا بہانا لینا شروع کیا۔

نہ معلوم یہ واقعہ تھا یا بہانہ جو طبیعتوں کی جلد بازی۔ بہرحال ضرورت محسوس ہوئی کہ اس آخری عذر کا بھی ازالہ کیا جائے اور ضروری معلوم ہوا کہ سوال و جواب کی شکل میں ایک مختصر رسالہ کا اور اضافہ کیا جائے جو زبان اور مضامین کے لحاظ سے دقتوں سے بالکل مبرا ہو۔

مگر یہ مقصد جس قدر آسان تھا اُسی قدر اس کی تکمیل کے لئے اُردو زبان دانی اور محاورات سے واقفیت کی بھی ضرورت تھی تا کہ عبارت کی سلاست، الفاظ کی موزونیت کے ساتھ

دلچسپی بھی حاصل ہو سکے۔

یہ ناکارہ کسی طرح بھی اس مقصد کا اہل نہ تھا مگر حضرت قبلہ سیدی وسندی اُستاذ العلماء جناب مولانا الحاج مولوی حافظ محمد اعزاز علی صاحب مدظلہٗ العالی اُستاذ فقہ وادب وصدر دارالافتاء دارالعلوم دیوبند، ادام اللہ شرفہا نے مجبور فرمایا کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس کی تکمیل کی کوشش کی جائے۔

واجب الاحترام مشفق بزرگ کا ارشاد گرامی واجب التعمیل تھا۔ اگرچہ تعمیل کا زمانہ ٹھیک وہی تھا کہ جب ناکارہ کے ہوش وحواس اندرونی خانگی اور بیرونی سیاسی ملکی اور تعلیمی مشکلات کے آماجگاہ بنے ہوئے تھے۔ ایک گھنٹہ کا کام دو روز میں بھی ہونا مشکل تھا، لیکن تاہم جس قدر ممکن ہوا مشکلات پر غالب آنے کی کوشش کی مگر ایک آخری مشکل کو کسی طرح حل نہ کر سکا۔ وہ سیرت کی مطول کتابوں تک رسائی تھی۔

بہرحال جس قدر ممکن ہوا متداولہ کتب مثلاً ''صحاح ستہ''، ''شمائل ترمذی''، ''جمع الوسائل''، ''شرح شمائل''، ''زاد المعاد''، ''دروس التاریخ''، ''دول العبر و الاسلام''، ''سرور المحزون'' وغیرہ سے ضروری ضروری اقتباس لے کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔ باقی یہ کہ ان پریشانیوں کے جھمگٹے میں خاکسار کی کوشش کہاں تک کامیاب رہی اس کا فیصلہ حضرات ناظرین کے سپرد ہے۔



بندۂ ناچیز

محمد میاں عفی عنہ

عرضِ ناشر

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

امابعد ! جس طرح تفسیر واحادیث اور فقہ وادب، علوم دینیہ کے اہم اجزاء ہیں اسی طرح تاریخ بھی علوم دینیہ کا اہم ترین جز ہے اور اگر تاریخ کا موضوع سیرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتو اس کے اہم ترین ہونے سے شاید کسی کو بھی انکار نہ ہو۔

زیرِنظر کتاب ''تاریخ الاسلام'' سوال و جواب کی شکل میں مؤرخ اسلام مولانا سید محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی انتہائی عام فہم اور خاص طور پر بچوں کے لئے نہایت مفید کتاب ہے۔

اس کی اہمیت وافادیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اس کتاب کے معرض وجود میں آنے کے وقت سے ہی یہ کتاب ہندوستان کے دینی مدارس کے نصاب میں داخل کی گئی ہے اور کافی عرصہ ہوا کہ پاکستان کے دینی مدارس اور کافی حد تک اسکولوں کے نصاب میں بھی داخل کرلی گئی ہے۔

ادارۂ اللہ بخش برخورداریہ ٹرسٹ کراچی نے نئی کمپوزنگ کے ساتھ اِسے عمدہ کاغذ پر طبع کروایا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ کتاب آپ حضرات تک پہنچ گئی۔

اس میں بشری طاقت کے مطابق پوری کوشش کی گئی ہے کہ یہ نسخہ اغلاط سے مبرا ہو، پھر بھی تمام قارئین سے گزارش ہے کہ پوری کتاب میں کسی جگہ غلطی پائیں تو اوّلین فرصت میں ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ غلطی کو درست کیا جاسکے۔ شکریہ



اللہ بخش برخورداریہ ٹرسٹ کراچی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ○ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○ مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ ○ اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ ○ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ ○

ترجمہ : ''سب تعریفیں اللہ ﷻ ہی کے لئے ہیں جو پالنے والا ہے تمام جہانوں کا بڑا مہربان اور نہایت رحم فرمانے والا ہے مالک ہے قیامت کے دن کا ہم آپ کی ہی عبادت کرتے ہیں اور آپ سے ہی مدد چاہتے ہیں بتلا دیجئے ہم کو سیدھا راستہ، راستہ اُن لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے نہ اُن لوگوں کا جن پر آپ کا غضب نازل کیا گیا ہے اور نہ جو گمراہ ہوئے۔''

فن تاریخ

سوال : یہ کتاب جو تم پڑھ رہے ہو کس فن میں ہے؟

جواب: فن تاریخ میں۔

سوال : تاریخ کس کو کہتے ہیں؟

جواب: تاریخ اُس علم کا نام ہے جو گزرے ہوئے اور موجودہ لوگوں کے حالات بتائے۔

سوال : علم تاریخ کس کے لئے مفید ہے؟

جواب: ہر سمجھدار کے لئے۔

سوال : تاریخ کا مقصد اور فائدہ کیا ہے؟

جواب: جو حالات موجودہ زمانہ میں پیش آرہے ہیں اُن کو گزرے ہوئے زمانے کی حالتوں سے ملا کر نتیجہ نکالنا اور اُس پر عمل کرنا۔

سوال : اس کی مثال پیش کرو؟

جواب: مثلاً کسی زمانے میں رعیت بادشاہ کے مخالف ہے اور فرض کرو کہ مخالفت کی وجہ یہ ہے کہ بادشاہ ظلم کرتا ہے تو یہ دیکھنا کہ جب کبھی بادشاہ نے ظلم کیا تو رعیت نے کس طرح مقابلہ کیا اور پھر نتیجہ کیا ہوا۔

سوال: اس غور سے بادشاہ اور رعیت کو کیا فائدہ حاصل ہوگا؟

جواب: بادشاہ کو یہ فائدہ ہوگا کہ وہ سمجھ جائے گا کہ ظلم کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اگر وہ نتیجہ بادشاہت کی تباہی ہے تو وہ ظلم چھوڑ کر رعیت کو خوش کرنے کی کوشش کرے گا اور رعیت کے لئے یہ فائدہ ہوگا کہ وہ گزشتہ حالات سے اپنے لئے جنگ کا راستہ معلوم کر لے گی اور مصائب پر صابر اور مستقل رہے گی جو اس کے لئے کامیابی کی کنجی ہوگی۔

خلاصہ

یہ کتاب فن تاریخ میں ہے اور جو فن گزرے ہوئے اور موجودہ لوگوں کے حالات بتائے اُس کو فن تاریخ کہتے ہیں اور اِس کا فائدہ یہ ہے کہ گزرے ہوئے حالات سے موجودہ حالات کو ملا کر سبق حاصل کیا جائے۔

سوال: اس کتاب میں جس کو تم پڑھ رہے ہو کس کے حالات بیان کئے جائیں گے؟

جواب: اُس پاک نبی اور بزرگ پیشوا کے جن کا نام نامی ''محمدؐ'' صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے۔ قربان ہوں آپؐ پر ہمارے ماں باپ اور ہماری جانیں۔

سوال: آپؐ کہاں پیدا ہوئے تھے اور کہاں کے رہنے والے تھے؟

جواب: مکہ معظمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پیدا ہوئے اور یہی شہر آپؐ کا وطن تھا۔

سوال: مکہ کہاں ہے؟

جواب: ملک عرب میں۔

سوال: عرب کہاں ہے اس کی سمت اور کچھ خصوصیتیں بیان کرو؟

جواب: عرب ایک ملک ہے۔ ہم سے بہت دور پچھم کی طرف جہاں حاجی حج کرنے جایا

کرتے ہیں۔ اس ملک میں ریتیلے میدان بہت زیادہ ہیں، کہیں کہیں چشمے بھی ہیں، کھجور، انجیر وغیرہ بہت زیادہ پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح بکریاں اور اونٹ بہت ہوتے ہیں۔ پہلے زمانہ میں اُن کی اون سے کپڑے اور کمبل بنایا کرتے تھے اور اُنھی کے اون یا چمڑے کے خیمے بنالیتے تھے۔

سوال : مکہ اور کعبہ میں کیا فرق ہے اور مسجد حرام کس کو کہتے ہیں؟

جواب: مکہ تو شہر کا نام ہے اور اس شہر میں ایک جگہ ہے جس کو کعبہ کہتے ہیں۔ وہ مکان کی طرح بنی ہوئی ہے، تقریباً بارہ پندرہ گز لمبی چوڑی۔ اسی کو ''بیت اللہ'' کہتے ہیں اور اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور اسی کے ارد گرد سات مرتبہ گھومنے کا نام طواف ہے۔ اس کے گرداگرد چہار دیواری میں گھرا ہوا بہت بڑا صحن ہے اس کو ''مسجد حرام'' کہتے ہیں۔

سوال : مکہ کو کس نے آباد کیا اور اس میں کون لوگ رہتے ہیں؟

جواب: مکہ کی سرزمین میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی ہاجرہ اور بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بسایا پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد وہیں رہ پڑی اور حضرت ہاجرہ کے زمانہ ہی میں قبیلہ ''بنو جرہم'' کے کچھ آدمی بھی آکر اس سرزمین میں رہنے لگے تھے۔ غرضیکہ زیادہ تر رہنے والے ان ہی کی اولاد میں سے تھے۔

سوال : بنو جرہم کہاں رہا کرتے تھے؟

جواب: اسی علاقہ کے قریب جہاں آج کل مکہ شریف آباد ہے۔

سوال : کعبہ کس نے بنایا تھا؟

جواب: سب سے پہلے تو حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا تھا مگر وہ منہدم ہوگیا تھا۔ اس کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا تھا پھر خاص اسی جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کے حکم سے خدا کی عبادت کرنے کے لئے بنایا تھا۔

خلاصہ

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کے حالات اس کتاب میں بیان کئے جائیں گے مکہ کے رہنے والے تھے قریشی خاندان حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے اور مکہ ایک شہر ہے عرب میں۔ اسی جگہ وہ مشہور مقام ہے جس کو خانہ کعبہ کہتے ہیں۔ مکہ میں سب سے پہلے بسنے والے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور اُن کی والدہ ماجدہ ہیں، قبیلہ بنو جرہم کے کچھ لوگ بھی اسی زمانہ میں آبسے۔ اُن ہی کی اولاد مکہ میں رہتی ہے، اُن ہی کی اولاد فہر یا نضر بن کنانہ ہیں جن کی اولاد کو قریش کہتے ہیں۔

مکہ اور کعبہ اور مسجد حرام میں فرق یہ ہے کہ مکہ شہر کا نام ہے۔ کعبہ اس میں ایک عمارت ہے اور اُس کے گرداگرد صحن کا نام مسجد حرام ہے۔ کعبہ کی تعمیر کرنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

پیدائش مبارک

سوال : حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کا دن اور تاریخ و مہینہ بتاؤ؟

جواب: ۹ ماہِ ربیع الاوّل، یوم دوشنبہ، مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء (۱)
مطابق یکم جیٹھ ۶۲۸ بکرمی۔ (۲)(۳)

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کا وقت کیا تھا؟

جواب: صبح کی نماز کے وقت یعنی صبح صادق کے بعد اور آفتاب نکلنے سے پہلے۔

۱۔ تاریخ و دل عرب و اسلام ۲۔ رحمۃ اللعالمین۔ ج ۱۲، ص ۲۱

۳۔ اور مشہور یہ بھی ہے کہ آپؐ کی پیدائش کی تاریخ ۱۲ ربیع الاوّل اور بعض ۸ ربیع الاوّل اور بعض ۲ ربیع الاوّل بھی کہتے ہیں باقی اس میں اتفاق ہے کہ پیر کا دن تھا۔

سوال : حضرتؐ کی پیدائش کون سے سال میں ہوئی ؟

جواب: حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے ۵۷۰ برس گزرنے کے بعد ۵۷۱ء برس میں جس سال ''اصحابِ فیل'' کا واقعہ ہوا تھا۔

سوال : ''اصحابِ فیل'' کون تھے اور اُن کا واقعہ کیا تھا ؟

جواب: حبشہ کے بادشاہ کی طرف سے ابرہہ نامی یمن کا گورنر تھا اُس نے یہ سوچا کہ خانہ کعبہ کو معاذ اللہ منہدم کر دے تاکہ اُس کے یہاں کا نقلی کعبہ آباد ہو جو اُس نے صنعاء یمن میں بنایا تھا۔ چنانچہ بہت سا لشکر جس میں سینکڑوں ہاتھی تھے لے کر مکہ پر چڑھائی کر دی۔ جب خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لئے مکہ میں داخل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے چڑیوں کے ذریعہ اُس کے سارے لشکر کو ہلاک کر دیا۔ اصحابِ فیل کے معنیٰ ہیں ''ہاتھیوں والے'' اُن سے یہی لوگ مراد ہیں۔

سوال : ابورغال کون ہے اور اُس کی قبر پر لوگ پتھر کیوں پھینکتے ہیں ؟

جواب: ابورغال قریش ہی کا ایک آدمی تھا۔ اُس نے اپنی برادری سے خیانت اور دغا کر کے ''ابرہہ'' کو راستہ بتایا تھا۔ خدا نے اصحابِ فیل کے ساتھ سب سے پہلے اُسے مار ڈالا۔ اب اُس کی قبر پر پتھر پھینکتے ہیں تاکہ یاد رہے کہ قومی غدار کی یہ سزا ہے۔

سوال : چڑیوں نے اُن کو کیسے تباہ کر دیا ؟

جواب: چڑیاں اپنی چونچوں سے چھوٹی چھوٹی کنکریاں پھینکتی تھیں جو چھروں کی طرح اُن کے سروں میں گھس کر تمام بدن کو چیرتی ہوئی پار ہو جاتی تھیں اور جس کے لگتی تھیں اُس کو ہلاک کر دیتی تھیں۔

سوال : تعجب ہے کہ چڑیوں کی چونچوں میں اتنی طاقت کیسے آ گئی ؟

جواب: جیسے بندوق کے گھوڑے میں جب ہم چھوٹے سے بے جان لوہے سے اتنا زور کا کام لے سکتے ہیں تو کیا تعجب ہے کہ خدا ایک جانور کی چونچ سے اتنا کام لے لے۔

سوال : ان مرنے والوں میں ''ابرہہ'' گورنر یمن بھی تھا یا اُس کو کچھ اور سزا دی گئی ؟

جواب: "ابرھہ" فوراً نہیں مر گیا بلکہ اُس کا بدن گل کر اُنگلی اُنگلی گر گئی۔ اس کو صنعاء لے گئے اور بُری طرح وہیں ہلاک ہوا۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیدائش کے وقت کیا ہوا؟

جواب: آپؐ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ نے ایک نور دیکھا جس سے مغرب اور مشرق روشن ہوگئے تھے۔ فارس کی آگ بجھ گئی جو ایک ہزار برس سے ایک "آتش کدہ" میں برابر جل رہی تھی جس کی وہ لوگ پوجا کیا کرتے تھے۔ فارس کے بادشاہ "کسریٰ" کے محل میں زلزلہ آگیا جس سے چودہ کنگرے گر پڑے اور اس قسم کے اور بھی واقعات ہیں جو بڑی کتابوں میں درج ہیں۔

سوال: یہ کیسے ہوا؟

جواب: خدا تعالیٰ کے حکم سے۔ جس کے حکم سے آگ جلتی ہے اور پانی بہتا ہے، نظر دیکھتی ہے اور جس کے حکم سے دنیا کی تمام چیزیں قائم ہیں۔

خلاصہ

۲۲ اپریل ۵۷۱ھ یعنی جس سال اصحابِ فیل کا واقعہ ہوا۔ اسی سال ۹ ربیع الاوّل کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پیدا ہوئے۔ خدا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیدائش کے وقت عجیب عجیب واقعات دکھا کر اپنی شان دکھائی۔ واقعہ اصحابِ فیل کے سلسلے میں ابو رغال نے اپنی قوم سے دغا کر کے یمن کے گورنر کی مدد کی تھی خدا نے سب سے پہلے اس کو ہلاک کر دیا۔ لوگوں نے اس کی قبر پر پتھر برسانے شروع کر دیئے تا کہ یاد رہے کہ جو شخص اپنی قوم سے غداری کرتا ہے اس پر خدا کی لعنت برسا کرتی ہے۔

سلسلہ نسب شریف

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والد ماجد اور والدہ ماجدہ کے نام نامی کیا تھے؟

جواب: والد ماجد کا نام ''عبداللہ'' تھا اور والدہ محترمہ کا نام ''آمنہ'' تھا۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ددھیالی سلسلہ نسب کیا تھا؟ (۱)

جواب: محمد بن (۲) عبداللہ، عبدالمطلب، بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی، بن کلاب، بن مرہ، بن کعب بن لوی، بن غالب، بن فہر، بن مالک، بن نضر، بن کنانہ، بن خزیمہ، بن مدرکہ، بن الیاس، بن مُضر، بن نزار بن معد بن عدنان۔

سوال : آپؐ کا ننھیالی سلسلہ نسب کیا تھا؟ (۳)

جواب: محمد بن آمنہ بنت (۴) وہب، بن عبد مناف، بن زہرہ بن کلاب، کلاب پر پہنچ کر آپ کا مادری اور پدری سلسلہ نسب ایک ہو جاتا ہے۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دادی اور نانی کے نام کیا تھے اور کس خاندان کی تھیں؟

جواب: دادی کا نام فاطمہ اور نانی کا نام برہ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تمام دادیاں اور نانیاں خاندانِ قریش کی شریف اور معزز گھرانوں کی صاحبزادیاں تھیں۔

سوال : آپؐ کے گھرانے ''کنبہ'' کو کیا کہا جاتا تھا؟

جواب: بنو ہاشم یعنی ہاشم کی اولاد۔

سوال : آپؐ کے قبیلہ ''برادری'' کا نام کیا تھا؟

جواب: قریش۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کوئی بھائی بہن تھا یا نہیں اور چچا تائے پھوپھیاں کتنی تھیں؟

۱۔ باپ کی طرف سے ۲۔ بن کے معنیٰ بیٹے کے ہیں
۳۔ ماں کی طرف سے ۴۔ بنت کے معنیٰ بیٹی

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم گویا ''دُرِ یتیم'' ماں باپ کے اکلوتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نو یا بارہ چچا تھے اور چھ پھوپھیاں۔ (۱)

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام کس نے رکھا تھا اور یہ نام پہلے بھی ہوا کرتا تھا یا نہیں؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دادا عبدالمطلب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ نام رکھا تھا۔ پہلے یہ نام کسی کا نہیں ہوا تھا۔

خلاصہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والد ماجد کا نام عبداللہ تھا۔ والدہ کا نام آمنہ۔ دونوں کا سلسلہ نسب کلاب پر جا کر مل جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بنو ہاشم میں سے تھے، قبیلہ قریش سے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نو یا بارہ چچا تھے اور چھ پھوپھیاں۔

رسول اللہ ﷺ کی پرورش

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والد ماجد نے کتنی عمر پائی اور اُن کی وفات کب ہوئی؟

جواب: مشہور یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والد ماجد کی عمر کُل ۲۴ برس ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیدائش سے دو ماہ پہلے وفات پا چکے تھے۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والد ماجد کی وفات کہاں ہوئی؟

جواب: مدینہ منورہ میں۔

سوال: مدینہ میں وفات کیوں ہوئی؟

جواب: حضرتؐ کے والد ماجد کی ننھیال مدینہ میں تھی۔ بنی نجار کے خاندان میں حضرتؐ کے والد تجارت کی غرض سے شام تشریف لے گئے تھے۔ راستہ میں مدینہ میں ٹھہر گئے۔ اتفاق

۱۔ زاد المعاد ۱۲

سے بیمار پڑ گئے اور وہیں وفات ہوگئی۔

سوال : حضرتؐ کے والد نے کیا ترکہ چھوڑا؟

جواب: پانچ اونٹ، ایک باندی جن کا نام "اُمِ ایمن" تھا۔

سوال : آپؐ کی والدہ ماجدہ نے کب تک آپؐ کی پرورش کی؟

جواب: حضرتؐ کی عمر کے چوتھے یا چھٹے سال تک پھر اُن کی وفات ہوگئی۔

سوال : حضرتؐ کی والدہ ماجدہ کی وفات کہاں ہوئی؟

جواب: ابواء گاؤں میں۔ (۱)

سوال : ابواء کہاں ہے؟

جواب: مکہ اور مدینہ کے درمیان میں۔ (۲)

سوال : ابواء کیوں گئی تھیں؟

جواب: مدینہ طیبہ میں بنی نجار کے خاندان میں اپنے رشتہ داروں سے ملنے گئی تھیں۔

سوال : والدہ کی وفات کے بعد آپؐ کی پرورش کا ذمہ دار کون ہوا؟

جواب: حضرت "اُمِ ایمن" نے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باندی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت شروع کی اور حضرتؐ کے دادا عبدالمطلب آپؐ کے ولی اور ذمہ دار تھے۔

سوال : عبدالمطلب کی پرورش میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کتنے عرصہ رہے؟

جواب: تقریباً دو سال۔ پھر عبدالمطلب کی بھی وفات ہوگئی۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر اس وقت کیا تھی اور عبدالمطلب کی کتنی؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک آٹھ سال دو ماہ دس دن تھی (۳) اور عبدالمطلب کی عمر ۱۴۰ سال۔ (۴)

۱۔ ابواء امی داء ۲۔ دروس التاریخ الاسلامی ۳۔ سرور المحزون ۴۔ دروس التاریخ الاسلامی

سوال : عبدالمطلب کی حیثیت مکہ میں کیا تھی؟

جواب: روپیہ پیسہ تو کچھ زیادہ نہ تھا، لیکن مکہ معظمہ کے بڑے سرداروں میں سے بہت بڑے معزز آدمی تھے۔

سوال : عبدالمطلب کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذمہ دار کون ہوا؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب، یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد ماجد۔

سوال : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُمی کیوں کہتے ہیں؟

جواب: اُمی ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو لکھنے پڑھنے سے واقف نہ ہو چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہ بات تھی اس وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لقب اُمی بھی ہوگیا۔

سوال : آپؐ اُمی کیوں رہے اور بظاہر اس میں خدا کی کیا حکمت تھی؟

جواب: اوّل تو عرب میں لکھنے پڑھنے کا چرچا ہی نہ تھا۔ مکہ کے اتنے بڑے شہر میں بھی کُل پانچ سات آدمی ہی لکھنا پڑنا جانتے تھے۔ اس کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت کرنے والے وفات پاتے رہے۔ آپؐ نے یتیمانہ پرورش پائی۔ اس وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُمی رہے اور صحیح علم تو خدا کو ہے آپؐ کے اُمی رکھنے میں بظاہر چند فائدے معلوم ہوتے ہیں۔ تمام دنیا کو ادب اور تہذیب سکھانے والے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُستاذ صرف خدا ہو کوئی انسان نہ ہو کہ وہ یہ کہہ سکے کہ میرا سکھایا ہوا ہے۔ جس طرح پرورش کے سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ماں باپ کے احسان سے آزاد رکھا گیا اسی طرح تعلیم اور روحانی تربیت کے سلسلہ میں بھی کسی کا احسان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نہ ہو۔ یہ بھی خیال نہ کیا جاسکے کہ فلاں شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُستاذ تھا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ عالم ہوگا۔ (معاذ اللہ) جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن پاک نازل ہو تو کوئی یہ وہم بھی نہ کرسکے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بنایا ہوا ہوگا، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا کو عقلمندی اور دانائی، تہذیب اور ادب کی تعلیم فرمائیں تو

کوئی یہ خیال نہ کر سکے کہ پہلی کتابیں دیکھ کر آپؐ اس قسم کی تعلیمات دے رہے ہیں۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مصیبتوں میں کیوں مبتلا کیا گیا؟

جواب: قاعدہ ہے کہ اللہ ﷻ کے خاص بندوں پر زیادہ سختیاں کی جاتی ہیں تاکہ اُن کو آزمایا جائے کہ وہ ان مصائب میں خدا کی رضا مندی کا کہاں تک خیال رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ سب سے زیادہ بزرگ اور خاص بندے تھے اس وجہ سے آپؐ پر زیادہ سختیاں اور مصیبتیں نازل ہوئیں اور گویا آپؐ نے بہت سے امتحانات میں بہت سی سندیں حاصل کیں اور قاعدہ ہے کہ جس کے پاس بہت سی سندیں ہوتی ہیں اُس کی قدر بہت زیادہ ہوا کرتی ہے۔

خلاصہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے پہلے مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد کی وفات ہو چکی تھی۔ پھر جب چار یا چھ سال عمر ہوئی تو والدہ نے انتقال فرمایا اور پرورش اُمِ ایمن اور عبدالمطلب کے سپرد ہوئی مگر جب عمر مبارک آٹھ برس دو ماہ دس دن کی ہوئی تو ایک سو چالیس برس کی عمر پا کر عبدالمطلب کا بھی انتقال ہو گیا اور پرورش ابو طالب کے سپرد ہوئی۔

حضور ﷺ کے دودھ پینے کا زمانہ

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے کس کا دودھ پیا اور پھر کس کس کا؟ تفصیل وار بیان کرو۔

جواب: سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی والدہ ماجدہ نے اور پھر چند دن بعد ابولہب کی باندی ثوبیہ نے دودھ پلایا۔ اس کے بعد یہ دولت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا

کے حصہ میں آئی۔

سوال : ثوبیہ اس وقت آزاد تھیں یا باندی؟

جواب: آزاد تھیں۔

سوال : کب آزاد ہوئی اور کس طرح؟

جواب: جب ثوبیہ نے اپنے آقا ابولہب کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیدا ہونے کی خبر دی تو ابولہب نے بھتیجے کے پیدا ہونے کی خوشی میں ثوبیہ کو آزاد کر دیا تھا۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوسری عورتوں کا دودھ کیوں پلایا گیا؟

جواب: عرب کے بڑے لوگوں کا عام قائدہ تھا کہ بچوں کو دودھ پلانے کے لئے قرب و جوار کے دیہات میں بھیج دیا کرتے تھے تاکہ جسمانی صحت میں ترقی ہو اور زبان بھی صاف ہو جائے۔ کیونکہ شہروں کی زبان باہر کے آدمیوں کے ملنے جلنے سے صاف نہیں رہا کرتی۔

سوال : حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کیسے پہنچیں؟

جواب: چونکہ اس قبیلہ کی عورتیں عام طور سے قریش کے بچوں کو دودھ پلایا کرتی تھیں اور سال میں دو مرتبہ اسی غرض سے مکہ آیا کرتی تھیں کہ جو بچے پیدا ہوئے ہوں اُن کو دودھ پلانے کے لئے لے آئیں۔ اسی وجہ سے اپنے قبیلہ کی عورتوں کے ساتھ حلیمہ رضی اللہ عنہا بھی طائف سے چل کر مکہ آئی تھیں پھر چونکہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کے دودھ کم تھا لہٰذا خوشحال لوگوں کے بچوں کو تو نہ لے سکیں۔ حضرتؐ کی خدمت کی سعادت اُن کے ہاتھ لگ گئی کیونکہ حضرتؐ بھی یتیم تھے۔ زیادہ انعام واکرام کی توقع نہ تھی۔

سوال : اس یتیم موتی یعنی "حضرتؐ" کے قدموں کی بدولت کیا کیا برکتیں حلیمہ رضی اللہ عنہا پر اور اُن کے قبیلہ والوں پر ظاہر ہوئیں؟

جواب: بہت کچھ چند یہاں درج کی جاتی ہیں۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کا دودھ اتنا بڑھ گیا کہ اُن کا بچہ جو پہلے بھوکا رہا کرتا تھا۔

اب حضرتؐ کے ساتھ وہ بھی شکم سیر ہونے لگا۔ اونٹنی جس کا دودھ خشک ہو چکا تھا خدا کے حکم سے اتنا دودھ دینے لگی کہ سب کو کافی ہوتا تھا۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا ایک خچر پر سوار ہو کر آئی تھیں جو بہت کمزور اور دبلا تھا اور سب سے پیچھے چلتا تھا، لیکن واپسی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کی بدولت خدا کے حکم سے ایسا چست اور تیز ہو گیا کہ سب کے آگے چلنے لگا۔ جب مکان پر پہنچے تو دیکھا کہ قحط کے باعث بکریاں بالکل سوکھ گئی تھیں، دودھ خشک ہو گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت اُن میں برکت ہوگئی اور پورا دودھ دینے لگیں۔

سوال : اس عرصہ میں کیا کوئی عجیب واقعہ بھی پیش آیا؟

جواب: دو سال بعد جب دودھ چھڑا دیا گیا تو حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ لے گئیں کہ آپؐ کی والدہ ماجدہ کے سپرد کر دیں مگر وہاں طاعون پھیلا ہوا تھا۔ حلیمہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکتوں کا لطف پہلے اٹھا چکیں تھیں۔ آب و ہوا کی خرابی کے بہانہ سے واپس لے آئیں کچھ زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ عجیب واقعہ یہ دیکھا گیا کہ دو فرشتے انسان کی شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ننھا سا سینہ اور شکم مبارک چاک کیا۔ قلب مبارک کو نکالا اور نور سے بھر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت دودھ شریک بھائی کے ساتھ بکریاں چرانے جنگل تشریف لے گئے تھے۔ آپؐ کے بھائی نے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کو اس واقعہ کی خبر دی اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام قصہ بیان کیا۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کو خوف پیدا ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکان پر پہنچا گئیں۔

خلاصہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چند دن آپؐ کی والدہ ماجدہ نے دودھ پلایا

پھر ثوبیہ نے اور پھر مستقل طور سے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو یہ خدمت سپرد ہوئی۔ دو سال پلایا گیا اور اس عرصہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بدولت بہت کچھ برکتیں ظاہر ہوئیں جن میں سے تین چار کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

نبوت سے پہلے حضرت ﷺ کی زندگی

سوال : لڑکپن میں آپؐ کے اخلاق کیا تھے؟

جواب: آپؐ ذہین، سمجھدار، نیک طبیعت، صابر اور خوددار تھے، سنجیدگی اور متانت کے گویا پتلے تھے۔ کھیل کود کی طرف بالکل توجہ نہ تھی۔ حیا کی یہ حالت تھی کہ کبھی آپؐ کا ستر نہیں کھل سکتا تھا بلکہ ایک مرتبہ جب اتفاقاً ستر کھل گیا تو آپؐ بے ہوش ہو گئے کھانا کھانے کے وقت بچے شور وشغب کیا کرتے تھے مگر آپؐ خاموشی سے بیٹھے رہتے جب آپؐ کے چچا ابو طالب بلاتے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دستر خوان پر تشریف لا کر کھانا کھاتے جیسا کھانا ہوتا اس پر کبھی ناک نہ چڑھاتے۔ سچائی، امانت داری، ادب تعظیم، تہذیب، گویا آپ کی گھٹی میں پڑی تھیں یا یہ کہو کہ قدرت کے ہاتھوں نے تمام اچھی باتوں کی گویا ایک تصویر بنائی تھی جب سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سمجھدار ہوئے اسی وقت سے قوتِ بازو سے کما کر بسر کرنے کا شوق تھا کسی دوسرے پر اپنا بوجھ ڈالنا ہرگز گوارا نہ ہوتا تھا۔

سوال : سمجھدار ہونے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بسر کی کیا صورت تھی؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مزدوری پر بکریاں چرا کر بھی بسر کی ہے اور تجارت بھی کی ہے۔

سوال : کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نبوت سے پہلے کوئی سفر بھی کیا؟

جواب: دو سفروں کا تذکرہ عام طور سے کیا جاتا ہے۔

سوال : آپؐ کہاں تشریف لے گئے تھے اور کیوں؟

جواب: دونوں سفر شام کے ہوئے اور تجارت کے سلسلہ میں۔

سوال : شام کا پہلا سفر کب ہوا اور کیا شکل ہوئی؟

جواب: جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک بارہ سال دو ماہ دس دن کی ہوئی تو آپؐ کے چچا ابو طالب تجارت کی غرض سے شام جانے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اپنے ہمراہ لے لیا۔

سوال : اس سفر کا خاص واقعہ کیا ہے؟ بیان کرو۔

جواب: ''بصریٰ'' ایک مقام کا نام ہے۔ جب قافلہ وہاں پہنچا تو ایک راہب (یعنی عیسائی سادھو) قافلہ میں آیا اور جب پرانی کتابوں کے موافق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے سے نبی آخرالزماں کی علامتیں ہو بہو ٹھیک پائیں تو ابو طالب سے کہا تمہارے بھتیجے وہی آخری نبی ہیں جن کا تذکرہ تورات اور انجیل وغیرہ آسمانی کتابوں میں ہے اور جن کا مذہب تمام دینوں کو منسوخ کر دے گا۔ خدا ان کو سارے جہان کے لئے ''رحمت'' بنائے گا۔ تم ان کا پورا خیال رکھو اور ان کو شام ہرگز مت لے جاؤ کیونکہ خطرہ ہے کہ وہاں کے یہودی آپؐ کو پہچان کر (نصیب اعدا) شہید کر ڈالیں۔

سوال : راہب کے مشورے کے بعد ابو طالب نے کیا کیا؟

جواب: حضرتؐ کو مکہ معظّمہ واپس بھیج دیا۔

خلاصہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لڑکپن میں بہترین اخلاق کا مجسمہ تھے۔ اپنی کمائی سے بسر کرنے کا شوق شروع ہی سے تھا۔ بارہ سال کی عمر میں چچا ابو طالب شام کی طرف لے گئے راستہ میں بحیرہ راہب سے ملاقات ہوئی۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچان لیا اور واپس کرا دیا۔

شام کا دوسرا سفر

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شام کا دوسرا سفر کب کیا؟

جواب: جب عمر شریف حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تقریباً پچیس سال کی ہوئی۔

سوال : اس سفر کی کیا وجہ تھی؟

جواب: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے تجارتی قافلہ کا منیجر بنا کر بھیجا تھا۔

سوال : حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کون تھیں اور اُنہوں نے آپؐ کو کیوں منتخب کیا؟

جواب: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا مکہ کی ایک دولت مند اور امیر عورت تھیں۔ اُن کی بہت بڑی تجارت عرب میں اور عرب سے باہر ہوا کرتی تھی اُن کے شوہر وفات پا چکے تھے۔ ضرورت تھی کہ کوئی امانتدار، سچا اور سمجھدار شخص مل جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریفیں بہت کچھ سنی تھیں۔ اُنہوں نے اپنی تجارت کے لئے آپؐ سے بہتر کوئی شخص نہیں سمجھا لہٰذا نفع میں ایک خاص حصہ مقرر کر کے آپؐ کو اپنے مال کا ذمہ دار بنا کر شام روانہ کر دیا اور اپنے خاص غلام کو جن کا نام ''میسرہ'' تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ کر دیا کہ کسی قسم کی تکلیف نہ ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت کرتے رہیں۔

سوال : اس سفر کا مشہور اور بڑا واقعہ کیا ہے؟ بیان کرو۔

جواب: جب حضرتؐ شام پہنچے تو ایک درخت کے نیچے ٹھہر گئے۔ ایک راہب جس کا نام ''نسطورا'' تھا حاضر ہوا اور بحیرہ راہب کی طرح اُس نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نبوت کی بشارت دی اور کہا کہ میں نے آپؐ کو اس وجہ سے پہچان لیا کہ اس درخت کے نیچے آج تک نبی ہی ٹھہرے ہیں۔

سوال : اس سفر میں خدا کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو آرام پہنچانے کا کیا انتظام ہوا تھا؟

جواب: آپؐ کے ساتھی میسرہ کا بیان ہے کہ جب دوپہر کی گرمی اور دھوپ تیز ہوتی تو دو فرشتے آتے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر سایہ کرتے۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس تجارت میں کیا حاصل کیا؟

جواب: آپؐ نے نہایت سمجھداری اور خوبصورتی کے ساتھ تمام مال بہت بڑے نفع کے ساتھ جلد فروخت کر دیا اور پھر دوسرا مال شام سے بھروا کر مکہ تشریف لے آئے۔ جب یہ مال مکہ میں فروخت ہوا تو دوگنے کے قریب نفع ہوا۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ان کارناموں سے کیا معلوم ہوا؟

جواب: معلوم ہوا کہ تجارت یا مزدوری کرنا اور قوتِ بازو سے کما کر بسر کرنا ضروری ہے اور ثواب کی چیز ہے۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے توکل کیوں نہیں کیا؟

جواب: آپؐ نے توکل کبھی نہیں چھوڑا مگر توکل کا مطلب یہ نہیں کہ بیوی اور بچوں سے بے پرواہ ہو کر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں یا باپ دادا کی چیز ہو تو اس پر بھروسہ کر کے اپنے آپ کو اپاہج بنالیں بلکہ توکل کا مطلب یہ ہے کہ کمائی اور ترقی میں پوری تدبیر اور پوری کوشش سے کام لیں۔ البتہ اس کا یقین رکھیں کہ نتیجہ اور انجام اللہ ﷻ کے قبضہ میں ہے یہ غرور ہرگز نہ کریں کہ ہم نے ایسا کیا اور ہمارے کئے کا یہ نتیجہ ہوگا بلکہ یہ عقیدہ رکھیں کہ پھل دینا صرف اللہ ﷻ کا کام ہے۔ البتہ کوشش کرنا اپنا کام ہے مگر یہ بھی سمجھتے رہیں کہ کوشش بھی صرف اللہ ﷻ ہی کی مدد سے ہوسکتی ہے۔

خلاصہ

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عمر شریف تقریباً پچیس سال کی ہوئی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے اُن کی تجارت کے وکیل ہو کر شام تشریف لے گئے جہاں ''نسطورا'' راہب سے ملاقات ہوئی جس نے

حضور کو نبوت کی بشارت دی۔ اس سفر میں خدا کے حکم سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گرمی کے وقت برابر سایہ ہوتا تھا اور پھر بہت جلد تمام مال فروخت کر کے دوسرا مال لے کر واپس مکہ تشریف لائے۔ جب یہ مال مکہ شریف میں فروخت کیا گیا تو دوگنا نفع ہوا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ اس سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔

حضور ﷺ کی ازدواجی زندگی

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلا نکاح کس سے کیا؟

جواب: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے جو بیوہ عورت تھیں۔

سوال : شام کے سفر سے واپس آ کر کتنے عرصہ بعد یہ نکاح ہوا؟

جواب: دو ماہ بعد۔ (۱)

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر اس وقت کیا تھی؟

جواب: پچیس سال دو ماہ دس دن۔ (۲)

سوال : حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت کیا تھی؟

جواب: چالیس سال۔

سوال : حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد اور والدہ کا نام کیا تھا اور سلسلہ نسب کیا تھا؟

جواب: والد کا نام ''خُوَیلِدْ'' تھا اور والدہ کا نام ''فاطمہ'' سلسلہ نسب یہ ہے کہ دادا کا نام ''اسد'' اُن کے والد کا نام ''عبدالعزیٰ'' اور عبدالعزی قصی کے بیٹے تھے۔ جن کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلہ نسب شریف میں آ چکا۔ (۳)

سوال : اس نکاح کی کیا صورت ہوئی؟

۱۔ دروس التاریخ الاسلامی ۱۲ ۲۔ سرور المحزون ۱۲ ۳۔ اکمال فی اسماء الرجال ۱۲

جواب: جیسا کہ مذہب اسلام میں بیوہ عورت کا دوبارہ شادی کرنا کچھ معیوب نہیں اسی طرح عرب میں پہلے بھی بیوہ عورتیں شادی کرلیا کرتی تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اخلاق اور پاکیزہ عادتوں کی تعریفیں پہلے بھی سنی تھیں اور اپنے خاص غلام ''میسرہ'' سے جب سفر کے عجیب عجیب حالات معلوم ہوئے تو اور بھی زیادہ اعتقاد ہوگیا اور یقین ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اقبال ہمایوں بہت جلد چودہویں رات کا چاند ہوکر ہمیشہ ہمیشہ چمکے گا۔ چنانچہ ایک ذریعہ سے اس عقد کی سلسلہ جنبانی شروع کی جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے منظور فرمالیا اور پھر ایک بڑے مجمع میں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سارے چچا اور دوسرے رشتہ دار بھی تھے نکاح ہوگیا۔

سوال : حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپؐ کے نکاح میں کتنے عرصہ رہیں اور کُل عمر کس قدر ہوئی ؟

جواب: تقریباً پچیس سال پونے دس ماہ۔ چودہ سال نبوت سے پہلے اور دس سال نبوت کے بعد اور کُل عمر چونسٹھ اور پینسٹھ سال کے درمیان ہوئی۔

سوال : حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کوئی دوسرا نکاح کیا یا نہیں ؟

جواب: اس زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا باوجودیکہ نکاح کرنے کی ضرورت موجود تھی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا زمانہ شروع عمر کا تھا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا چالیس سال سے زیادہ عمر کی بوڑھی ہوچکی تھیں۔

سوال : حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کتنی اولاد ہوئی ؟

جواب: دو فرزند اور چار صاحبزادیاں۔

سوال : اُن کے نام کیا کیا تھے اور اُن کی وفات کب ہوئی ؟

جواب: ''قاسم'' اور ''طاہر'' صاحبزادوں کے نام تھے اور حضرت طاہر کا نام عبداللہ بھی بتایا جاتا ہے۔ ان دونوں کی وفات بچپن میں ہوئی۔ زینب ، اُمِ کلثوم ، رقیہ ، فاطمہ صاحبزادیوں

کے نام تھے۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیوں کا نکاح کس کس سے ہوا اور کس کس کے اولاد ہوئی ؟

جواب: حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ ایک لڑکا ''علی'' نام اور ایک لڑکی ''امامہ'' پیدا ہوئیں۔ لڑکا لڑکپن میں وفات پاچکا تھا۔ لڑکی بڑی ہوئیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بعد خالو یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا۔ مگر کچھ اولاد نہیں ہوئی۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا پھر اُن کی وفات کے بعد حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ اسی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ذی النورین کہتے ہیں یعنی دو نور والا۔ مگر سلسلہ اُن سے بھی نہ چل سکا۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ اُن کے اولاد پیدا ہوئی اور اُن سے سلسلہ نسب چلا۔

سوال : کیا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی اور سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اولاد ہوئی ؟

جواب: صرف ایک صاحبزادے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے ہوئے۔

سوال : اُن کا نام کیا تھا اور کتنی عمر پائی ؟

جواب: ''ابراہیم'' نام تھا اور لڑکپن ہی میں اُن کی وفات ہوگئی۔

خلاصہ

سفرِ شام سے واپس آنے کے دو ماہ بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا جن کی عمر چالیس سال تھی اور بیوہ تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر پچیس سال دو ماہ دس دن تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تقریباً پچیس برس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے نکاح کے بعد زندہ رہیں۔ چھ بچے ہوئے جن میں سے صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نسب چلا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتویں صاحبزادے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے۔

نبوت سے پہلے حضور ﷺ کے اخلاق اور تعلقات

سوال : نبوت سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اخلاق کی کیا کیفیت تھی اور کسب معاش کی کیا صورت تھی؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ساری زندگی بہترین اخلاق کا خزانہ تھی۔ سچائی ، دیانتداری ، رحم ، سخاوت ، وفاداری ، وعدہ کی پابندی ، بزرگوں کی عظمت ، چھوٹوں پر شفقت ، رشتہ داروں سے محبت ، دوستوں کی ہمدردی ، اعزاء کی غم خواری ، مخلوقِ خدا کی خیر خواہی غرض تمام اچھی باتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو وہ مرتبہ عطا کیا گیا تھا کہ ناممکن ہے کوئی اس کی گرد کو بھی پہنچ سکے۔ بہترین اخلاق ہی کا اثر تھا کہ لوگ ادب کے باعث نام نہیں لیتے تھے ''صادق'' اور ''امین'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا لقب مقرر کر رکھا تھا۔ متانت ، سنجیدگی ، کم بولنا ، بے فائدہ بات سے نفرت کرنا ، خندہ پیشانی اور ہنسی خوشی لوگوں سے ملنا ، سادگی اور صفائی سے بات کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خاص شیوہ تھا۔

خداوند عالم نے آپؐ کو لڑکپن ہی میں تمام بُری باتوں سے محفوظ رکھا جو اس زمانہ میں رواج پائی ہوئی تھیں۔ حرص ، طمع ، دغا ، فریب ، جھوٹ ، شراب ، زنا ، ناچ گانا ، لوٹ ، چوری ، بت پرستی ، بتوں کے نام کی چیز کھانا ، بتوں پر چڑھاوا ، شعر گوئی ، عشق بازی ، یہ تمام باتیں جو اس زمانہ میں گویا ہر ایک کے جنم میں ہوتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات گرامی اُن سب سے بالکل پاک اور صاف رہی۔ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو معصوم کہتے ہیں (یعنی گناہوں سے بچے ہوئے) اور لطف یہ

ہے کہ نہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی کتاب پڑھی نہ کسی کے مرید ہوئے نہ کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باقاعدہ تربیت کی۔ یہ تمام خوبیاں خداداد تھیں۔ ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ قوتِ بازو سے کما کر زندگی بسر کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہلیہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس بہت کچھ دولت تھی۔ اُنہوں نے اس تمام دولت کو اسلام اور مسلمانوں کی امداد میں لٹا دیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی اپنے خرچ و اخراجات میں بیوی کا احسان سر پر نہیں لیا۔ لکڑیاں چن کر، پھاوڑا چلا کر، بکریاں چرا کر بسر اوقات کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آسان تھا۔ مگر کسی کا احسان سر پر لینا مشکل۔ اگر خدانخواستہ بیوی کا مال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صَرف میں لائے ہوتے تو قریش کے کافر آسمان سر پر اُٹھا لیتے۔ وہ تو رات دن اسی تلاش میں رہا کرتے تھے کہ بدنام کرنے کی کوئی چیز ہمارے ہاتھ لگ جائے اور بیوی کے مال سے خرچ کرنا عرب کے خیال میں بہت بڑا عیب تھا۔ خلق خدا کی خیر خواہی اور قوم کی خدمت اور ہمدردی کی فکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمیشہ رہا کرتی تھی۔ اپنے زمانہ والوں کی حالت پر پوری دردمندی کے ساتھ اکثر غور فرمایا کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشورہ کے بموجب اس ہی زمانہ میں ایک انجمن قائم کی گئی جس میں بنو ہاشم، بنو المطلب، بنو اسد، بنو زہرہ، بنو تمیم شامل تھے۔ اس انجمن کے ممبر آپس میں معاہدہ کیا کرتے تھے۔ ''ہم ملک سے بے امنی دور کریں گے، ہم مسافروں کی حفاظت کیا کریں گے، ہم غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے، ہم بڑوں کو چھوٹوں پر ظلم کرنے سے روکا کریں گے۔''

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قریش کے اعتبار اور تعلقات کی کیا کیفیت تھی؟

جواب: قریش کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس قدر اعتبار اور بھروسہ تھا کہ نبوت کے بعد جب مکہ کے کافر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانی دشمن بن رہے تھے اس وقت بھی اپنی امانتیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہی رکھوا کر مطمئن ہوتے تھے۔ ایک

عجیب واقعہ ہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اور قریش کے تعلقات کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ مکہ میں سیلاب آیا جس کے سبب سے خانہ کعبہ منہدم ہوگیا۔ قریش نے دوبارہ تعمیر کا ارادہ کیا چونکہ یہ چیز شہرت اور ناموری کی تھی، تمام قبیلوں نے اس میں حصہ لیا جب حجر اسود کو دیوار میں چننے کی نوبت آئی اور یہ کام بہت بڑی عزت کا تھا۔ اس وجہ سے ہر قبیلہ والے دعویٰ کرنے لگے کہ یہ عزت ہم کو ملنی چاہئے۔ اس کے مستحق ہم ہیں اور یہ معاملہ اتنا بڑھا کہ باقاعدہ جنگ کے لئے آمادگی ہونے لگی۔ قریش کے نیک دل اور سنجیدہ آدمیوں نے (خصوصاً ابو امیہ بن مغیرہ نے جو سب میں بوڑھا تھا) چاہا کہ یہ معاملہ نرمی سے طے ہو جائے اور آپس میں خون بہنے کی نوبت نہ آئے۔ چنانچہ مشورہ کے لئے خانہ کعبہ کے احاطہ میں (جس کو آج کل مسجد حرام کہتے ہیں) جمع ہوئے اور غور وفکر کے بعد یہ طے ہوا کہ جو شخص سب سے پہلے مسجد کے اس دروازہ میں داخل ہو، وہ اس معاملہ کا فیصلہ کرے گا۔ حسن اتفاق سے مجمع کی نظر سب سے پہلے جس پر پڑی وہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا چہرۂ انور تھا۔ سب خوش ہو کر بول اُٹھے "یہ امین ہیں، صادق ہیں، عرب کے بہترین شخص ہیں، خوب تشریف لائے، بہترین فیصلہ یہی فرماسکتے ہیں۔"

چنانچہ ایسا ہی ہوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے معاملہ پیش کیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چادر پھیلا کر حجر اسود کو اپنے دست مبارک سے چادر میں رکھ دیا اور فرمایا ہر قبیلہ کے منتخب آدمی چادر کو اُٹھائیں۔ جب حجر اسود بنیاد تک پہنچ گیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اس کو اُٹھا کر دیوار میں نصب فرمادیا۔

سوال : جب یہ واقعہ ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عمر کیا تھی؟

جواب: ۳۵ سال۔

رسالت، نبوت، رسول کی تعریف اور ضرورت

سوال : رسالت اور نبوت کے کیا معنیٰ ہیں؟

جواب: رسالت کے معنیٰ رسول ہونا اور نبوت کے معنیٰ نبی ہونا۔

سوال : رسول یا نبی کس کو کہتے ہیں؟

جواب: رسول اور نبی خدا کے بندے اور انسان ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اُنہیں اپنے بندوں تک احکام پہنچانے کے لئے مقرر فرماتا ہے۔ وہ سچے ہوتے ہیں، کبھی جھوٹ نہیں بولتے، گناہوں سے پاک ہوتے ہیں، خدا کے حکم سے معجزہ دکھاتے ہیں، خدا کے پیغام پورے پورے پہنچا دیتے ہیں، اُن میں کمی زیادتی نہیں کرتے نہ کسی پیغام کو چھپاتے ہیں۔

سوال : نبی اور رسول میں کیا فرق ہے؟

جواب: نبی اور رسول میں تھوڑا سا فرق ہے۔ وہ یہ کہ رسول تو اس پیغمبر کو کہتے ہیں جس کو نئی شریعت اور کتاب دی گئی ہو اور نبی ایسے پیغمبر کو بھی کہتے ہیں جس کو نئی شریعت دی گئی ہو اور ایسے پیغمبر کو بھی کہتے ہیں کہ اُسے نئی شریعت اور کتاب نہ دی گئی ہو بلکہ وہ پہلی شریعت اور کتاب کا تابع ہو۔

سوال : کیا کوئی آدمی اپنی کوشش اور عبادت سے نبی بن سکتا ہے؟

جواب: نہیں۔ بلکہ جسے خدا تعالیٰ بنائے وہی نبی اور رسول بنتا ہے۔ مطلب یہ کہ نبی اور رسول بننے میں آدمی کی کوشش اور ارادے کو دخل نہیں۔ خدا کی طرف سے یہ مرتبہ عطا کیا جاتا ہے۔

سوال : رسول اور نبی کتنے ہیں اور اُن میں سب سے افضل رسول کون ہیں؟

جواب: دنیا میں بہت سے رسول اور نبی آئے۔ اُن کی ٹھیک تعداد خدا کو معلوم ہے۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ جتنے رسول اور نبی خدا نے بھیجے ہیں اُن سب کو برحق جانیں۔ البتہ ہمارے

پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل اور بزرگ ہیں۔ خدا تعالیٰ کے تو آپؐ بھی بندے اور تابعدار ہیں۔ خدا تعالیٰ کے بعد آپؐ کا مرتبہ سب سے بڑھا ہوا ہے۔

سوال : رسول اور نبی کیوں آتے ہیں؟

جواب: طریقہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کی مرضی کو اس وقت تک نہیں پاسکتا جب تک وہ خود نہ بتائے یا اس کا طریقہ یا عادت اور مزاج نہ معلوم ہو۔ انسان پر واجب ہے کہ وہ خدا کی مرضی کے تابع رہے کیونکہ وہ خدا کا بندہ ہے خدا نے اس کو پیدا کیا، ہوش و حواس دیئے، وہی اس کو رزق دیتا ہے، وہی اس کی تمام ضرورتیں پوری کرتا ہے، لیکن انسان کی عقل اتنی نہیں کہ خدا کی مرضی کو معلوم کر سکے نہ اُس کی آنکھوں میں اتنی طاقت کہ خدا کے نور کو دیکھ سکے اور اس کے جلال والے نور کو برداشت کر سکے (۱) نہ اُس کے کانوں میں اتنی طاقت کہ خدا کی سَنسنا (۲) دینے والی آواز سن سکے اور اس کا وہ کلام سمجھ سکے جو تمام انسانی لگاوٹوں (۳) سے اونچا اور بہت اونچا ہے عقل کی کوتاہی کا یہ اثر ہے کہ کبھی وہ بُری چیز کو اچھی سمجھ کر سیدھی راہ سے بھٹک جاتا ہے اور کبھی شیطانی کاموں میں دل لگا کر برباد ہونے لگتا ہے اور بڑھتے بڑھتے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام عالم میں ظلم اور بدکاری پھیل جاتی ہے۔ خدا کی تعلیم بھلا دی جاتی ہے، ظلم و فساد کی اندھیری سب طرف سے گھیر لیتی ہے اور آدم علیہ السلام کی اولاد تباہ اور برباد ہونے لگتی ہے تو خدا کی رحمت اُن کی امداد فرماتی ہے اور کسی ایسے شخص کو پیدا کرتی ہے جس کو لڑکپن ہی سے گناہوں کے جھمگٹوں سے بچایا جائے، اُس کے دامن کو گناہ کی تمام ملاوٹوں سے پاک رکھا جائے اور رفتہ رفتہ اس کو اتنی قوت دیدی جائے کہ وہ خدا کے احکام کو سمجھ سکے اور لوگوں تک پہنچا سکے تاکہ یہ خدا کی مخلوق خدا کے عذاب سے بچ جائے اور دین دنیا کی ترقی اور بھلائی حاصل کر لے۔

۱۔ تجلی کی تاب لا سکے ۱۲ ۲۔ پُر ہیبت آواز سن سکے ۳۔ بندشوں سے بالا اور اعلیٰ ہے ۱۲

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تشریف لانے کے وقت عرب کے لوگوں کا کیا مذہب تھا اور تمام دنیا کی مذہبی حالت کیا تھی؟

جواب: اس زمانہ میں عرب کسی ایک مذہب کے پابند نہیں تھے بلکہ مجوسیت، زرتشی، دہریت، عیسائیت، یہودیت، شرک وغیرہ وغیرہ تمام جھوٹے مذہبوں کا عرب میں رواج تھا۔ ایک خدا کو چھوڑ کر سینکڑوں چیزوں کی پوجا کرتے تھے۔ قدرت کی ہر ایک چیز کو خدا بنالیا تھا۔ حد ہوگئی مٹھائی کا بت بنایا جاتا اور پوجا کرنے کے بعد اسی خدا کو توڑ کر کھایا جاتا۔ ماں اور بہنوں تک سے شادی وغیرہ کی جاتی تھی۔ زندہ بیٹیوں کو زمین میں دفن کر دیا جاتا تھا۔ عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مان لیا تھا۔ یہودیوں میں رشوت، سود، ظلم، حرص، طمع عام تھی وہ اپنے آپ کو خدا کی اولاد کہا کرتے تھے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانتے تھے۔ ہندوستان میں کروڑوں بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ کس قدر شرم کی بات ہے کہ بدن کے ناپاک حصوں کو بھی پوجا جاتا تھا۔ ہر ہر شہر میں الگ الگ حکومت قائم تھی۔ لوٹ مار، جھگڑا فساد عام تھا۔ یورپ میں خانہ جنگی اور بت پرستی کی حکومت تھی۔ غرض تمام دنیا کی یہی حالت تھی۔ گمراہی کی گھٹا ٹوپ اندھیری تھی جو تمام دنیا پر چھائی ہوئی تھی اور دنیا کو اس وقت کسی سچے رہبر کی ایسی ہی ضرورت تھی جیسے ماہی بے آب کو پانی کی۔ واللہ اعلم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی بنایا جانا

سوال : باطنی طور پر تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سب نبیوں سے پہلے نبوت دیدی گئی تھی مگر ظاہری طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نبوت کب عطا ہوئی؟

جواب: جب عمر شریف چاند کے حساب سے چالیس سال ایک دن ہوئی۔

سوال : کون سا دن تھا اور تاریخ کیا تھی؟

جواب: پیر کا دن تھا اور نبوت کی تاریخ نئی تحقیق کے مطابق ۹ ربیع الاوّل بمطابق ۱۲ فروری

۶۱۰ء ہے۔

سوال : رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس وقت کہاں تھے؟

جواب: مکہ معظمہ کے قریب جو "حرا" پہاڑ ہے اُس کے ایک غار میں جسے "غارِحرا" کہتے ہیں۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وہاں کیوں تشریف لے گئے تھے؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تنہائی پسند تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا طریقہ تھا کہ کچھ عرصہ کے لئے اس غار میں تشریف لے جا کر تنہائی میں خدا کی عبادت کیا کرتے تھے اور رات دن وہیں رہا کرتے تھے۔ ایسا بھی ہوتا کہ وہ ناشتہ جو اپنے ہمراہ لے جایا کرتے تھے۔ اتنی مدت کے لئے کافی نہ ہوتا تو آپؐ کی ہمدرد بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جب موقع پاتیں تو خود بھی کچھ ناشتہ پہنچا دیتی تھیں۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کس مذہب کے موافق عبادت کیا کرتے تھے؟

جواب: مشہور یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ کے مطابق۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نبوت سے کچھ عرصہ پہلے کیا دیکھا؟

جواب: ایک نور دکھلائی دیا کرتا تھا اور آپؐ چھ ماہ پیشتر سے سچے خواب زیادہ تر دیکھا کرتے تھے جن کی تعبیر ایسی صاف اور سچی ہوتی تھی جیسے آفتاب کا نکلنا صبح کے وقت۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نبوت عطا ہونے کی کیا صورت ہوئی؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام غار حرا میں آئے اور اُنہوں نے کہا "اِقْـــرَأْ" یعنی پڑھو میں نے کہا میں تو پڑھا ہوا نہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے اپنی آغوش میں مجھے اتنے زور سے دبایا کہ گویا جان نکلنے لگی، پھر چھوڑ کر کہا "اِقْـــرَأْ" یعنی پڑھئے۔ میرا جواب وہی تھا کہ میں پڑھا ہوا نہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے دوبارہ ایسا ہی کیا۔ آخر کار جب تیسری مرتبہ اسی قدر زور سے آغوش میں دبا کر چھوڑا اور فرمایا کہ پڑھو۔ میں نے کہا "کیا پڑھوں" اس وقت یہ چند آیتیں پڑھیں :

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ سے عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ تک۔

خلاصہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدائش شریف سے اکتالیسویں برس ۹ ربیع الاوّل مطابق ۱۲ فروری ۶۱۰ء بروز دوشنبہ کو حرا کے ایک غار میں نبوت کی باعظمت خلعت عطا فرمائی گئی اس وقت عمر مبارک چالیس سال ایک دن تھی۔

تبلیغ اور دعوتِ اسلام

سوال : حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوّل اوّل کس طرح مسلمان بنانا شروع کیا؟

جواب: پوشیدہ طور پر جن جن لوگوں میں قابلیت اور صلاحیت پاتے تھے اُن کو ہم خیال بنا کر مسلمان ہو جانے پر آمادہ کرتے تھے۔

سوال : سب سے پہلے کون مسلمان ہوا؟

جواب: آزاد مردوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثار دوست حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، آزاد عورتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محترمہ اہلیہ شہنشاہ عالم کی مقدس ملکہ حضرت خدیجہ کبریٰ رضی اللہ عنہا، آزاد بچوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ، غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے اور باندیوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آزاد کردہ باندی اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا۔

سوال : سب سے پہلے دوستوں اور گھر کے خاص آدمیوں کے اسلام لانے سے کیا سمجھا جاتا ہے؟

جواب: ان حضرات کا سب سے پہلے پہلی ہی آواز پر ایمان لانا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی اور اعلیٰ پاکیزگی پر قوی دلیل ہے کیونکہ یہ وہ لوگ تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چالیس سال کی ذرا ذرا سی باتوں سے پوری طرح واقف تھے اور حضور

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اللہ والا طرز طریق لڑکپن سے دیکھ رہے تھے۔

سوال: یہ لوگ مسلمان ہو کر صرف وظیفہ وظائف میں مشغول ہو گئے یا کچھ اور بھی کام کیا؟

جواب: ان حضرات نے مسلمان ہونے کے بعد فوراً ہی آہستہ آہستہ اپنے خیالات کو پھیلانا شروع کر دیا چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ، عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ وغیرہ اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے اور پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالاسد بن ہلال رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ، حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ جیسے بزرگ حضرات مسلمان ہو گئے جن کو اگر اسلام کی جڑیں کہا جائے تو بجا ہے۔ اسی طرح عورتوں میں حضرت کی چچی یعنی حضرت عباس کی اہلیہ حضرت اُمِ الفضل رضی اللہ عنہا، حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا۔

سوال: اس طرح پوشیدہ پوشیدہ اسلام پھیلنے سے کیا مفہوم ہوتا ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے لوگوں کی تبلیغی کوشش سے تم کیا سمجھتے ہو؟

جواب: معلوم ہوتا ہے کہ تلوار کے زور سے اسلام نہیں پھیلا بلکہ سچائی، اخلاق اور ایمانداری کے زور سے اسلام پھیلا ہے۔ ورنہ ایک دو آدمی کی کیا ہمت تھی کہ کسی غیر کو زبردستی اسلام لانے پر مجبور کرتا اور خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ دنیا ان کی دشمن ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات کی اس خطرناک زمانہ میں کوششوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ تمام مصیبتوں سے بے پروا ہو کر اسلام کی ترقی کے لئے ہمیشہ جان توڑ کوشش کرتا رہے۔

سوال: اسلام کی دعوت کتنے عرصہ تک پوشیدہ طور پر ہوتی رہی؟

جواب: تقریباً تین سال تک۔

سوال : اس عرصہ میں کتنے آدمی مسلمان ہوئے ؟

جواب: تقریباً تیس آدمی۔

سوال : اس زمانہ میں مسلمان کہاں رہا کرتے تھے؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شہر مکہ کے کنارے پر ایک مکان تجویز فرما دیا تھا۔ عموماً مسلمان اسی میں رہا کرتے اور عبادت کیا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وہیں تشریف لے جا کر اُن کو تعلیم اسلام سے مشرف فرمایا کرتے تھے۔

خلاصہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خدا کے حکم کے بموجب اوّل پوشیدہ طور پر مسلمان بنانا شروع کیا تقریباً تین سال اسی طرح اسلام کی تبلیغ ہوتی رہی جو حضرات مسلمان ہوئے اُنہوں نے اپنا فرض محسوس کیا اور خود دوسروں میں تبلیغ شروع کر دی اس طرح آہستہ آہستہ تین سال کے عرصہ میں تقریباً تیس آدمی مسلمان ہوگئے۔ یہی وہ لوگ تھے جن سے اسلام کی جڑیں مضبوط ہوئیں اُن کا اس طرح اسلام لانا روشن دلیل ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا بلکہ روحانی اور اخلاقی طاقت نے لوگوں کو اسلام کا عاشق بنایا، اتنی ہمت نہ تھی کہ کھلم کھلا احکام اسلام کے بموجب عبادت کر سکیں، مجبوراً چھپ چھپ کر اسلام کے احکام کی تعمیل کیا کرتے تھے۔

کھلم کھلا اسلام کی تبلیغ اور سچی آواز کی مخالفت

سوال : کھلم کھلا اسلام کی تبلیغ کس طرح شروع کی گئی ؟

جواب: مکہ کی ایک پہاڑی پر جس کا نام صفا ہے اُس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لے گئے اور قریش کے خاندانوں کو نام بنام پکارا، جب سب اکٹھے ہوگئے تو آپؐ نے فرمایا

اگر میں خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے دشمن کا لشکر پڑا ہوا ہے اور قریب ہے کہ تم پر حملہ کر دے تو کیا تم اس خبر کو سچ جانو گے؟

حاضرین نے ایک زبان ہو کر جواب دیا :

آپ کی سچائی کا ہمیں پورا یقین ہے آج تک کوئی خلافِ بات آپ سے سرزد نہیں ہوئی۔ اسی باعث سارا عرب آپ کو صادق اور امین کے لقب سے پکارتا ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ اتنی بڑی خبر کو ہم سچ نہ مانیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اگر تم نے اپنے ناپاک خیالات اور غلط عقیدوں کو نہ چھوڑا تو یقین جانو خدا کے سخت عذاب کا لشکر تم کو تباہ کر دے گا۔ میں تمہیں آگاہ کر رہا ہوں۔

سوال : جب خداوند عالم کا یہ حکم نازل ہوا وانذر عشیر تک الاقربین ''یعنی اپنے قریبی رشتہ داروں کو خدا سے ڈراؤ'' تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کی تعمیل کس طرح کی؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عبد مناف یعنی پر دادا کی اولاد میں سے تقریباً چالیس آدمی جمع کئے اور فرمایا جو تحفہ تمہارے لئے میں لایا ہوں دنیا میں کوئی شخص اپنی قوم یا جماعت کے لئے اس سے بہتر تحفہ نہیں لایا۔ میں تمہارے لئے دین و دنیا کی ترقی اور کامیابی لایا ہوں۔ خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ میں تمہیں اس کی طرف بلاؤں ، دنیا کے تمام آدمیوں سے اگر میں جھوٹ بولتا تو واللہ تم سے جھوٹ ہرگز نہ بولتا۔ اگر میں دنیا کے آدمیوں کو دھوکہ دیا کرتا تو میرا ضمیر کسی طرح گوارا نہ کرتا کہ تمہیں دھوکہ دوں۔ اُس پروردگار کی قسم جو یکتا ہے ، میں تمہارے پاس رسول اور پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

سوال : قریش نے اس سچی پکار کا کیا جواب دیا؟

جواب: ابولہب (حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا چچا) کھڑا ہوا اور للکارا تَبًّا لَّکَ اَلِھٰذَا جَمَعْتَنَا ترجمہ : ''تو برباد ہو کیا اسی واسطے ہمیں اکٹھا کیا تھا'' (معاذ اللہ) قرآن پاک کی سورۃ تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ میں خدا تعالیٰ نے اسی کا جواب دیا ہے۔ ترجمہ ''ابولہب'' ہی برباد ہو گیا۔

اس کے بعد کفار نے وہ تکلیفیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اور آپؐ کے ساتھیوں اور حمایتیوں کو پہنچائیں کہ اُن کے سننے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دنیا اُن کی مثال سے خالی ہے۔

خدا کی پناہ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے راستوں پر کانٹے بچھا دیئے جاتے، کبھی کوٹھیوں کے اوپر سے غلاظت اور کوڑے کرکٹ کے ٹوکرے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسم پاک پر پھینکے جاتے کبھی اس جسم مبارک کے خون سے سارا بدن نہلا دیا جاتا، خدا کی قدرت نظر آتی تھی جب اللہ ﷻ کے اس گھر میں جہاں جانور کو ستانا بھی حرام سمجھتے تھے خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رشتہ داروں کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی جاتیں۔

وہی کعبہ جو خدا کا گھر تھا جو تمام مخلوقات کے لئے امن کی جگہ تھا جب خدا کا سب سے زیادہ پاک اور پیارا بندہ خدا کے سامنے سجدہ کرتا تو کبھی گردن میں کپڑا ڈال کر کھینچا جاتا جس سے گلا گھٹنے لگتا، آنکھیں باہر کو آنے لگتیں، کبھی سر پر اونٹ کی اوجھ رکھ دی جاتی جس میں منوں غلاظت ہوتی، کبھی اس مقدس سر کو کچلنے کی کوشش کی جاتی جو خدا کے بے خوف گھر میں اللہ ﷻ کے سامنے زمین پر رکھا ہوا تھا۔ کبھی خدا کے اس پاک اور محبوب بندے کو شہید کر دینے کے منصوبے کئے جاتے۔

ایسا بھی ہوا کہ آپؐ کے ساتھیوں کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا گیا۔ مکہ کی وہ کنکریلی زمین جو تنور کے بھوبل کی طرح پکتی ہے۔ دوپہر کی آگ برسانے والی دھوپ میں حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا بچھونا بنایا جاتا تھا، ننگا لٹا کر اُن کے سینہ پر پتھر رکھ دیا جاتا تاکہ ہل بھی نہ سکیں، گردن میں رسّی باندھ کر بچوں کے حوالہ کر دی جاتی کہ پہاڑ کے پتھروں میں گھسیٹتے پھریں، ایسا بھی ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھیوں کے مشکیں کس کر صرف اس جرم پر روزانہ بید لگائے گئے کہ بت پرستی کیوں چھوڑ دی، کسی کی گردن مروڑی جاتی، سر کے بال کھینچے جاتے، دھوئیں میں بند کر کے حضرت

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دم گھونٹا جاتا۔ کسی کو گائے اور اونٹ کے کچے چمڑے میں لپیٹ کر دھوپ میں پھینک دیا جاتا، کسی کو لوہے کی زرّہ پہنا کر جلتے پتھروں پر گرا دیا جاتا۔

او کمبخت ابوجہل

تیرا وہ ظلم ہمیشہ یاد رہے گا کہ تو نے بی بی سمیہ رضی اللہ عنہا کے نازک حصوں میں نیزہ مار کر شہید کر ڈالا تھا۔ دنیا کبھی نہیں بھول سکتی کہ ان کم بختوں نے تین برس تک برابر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کا مقاطعہ رکھا تھا۔ کوشش یہ کی گئی تھی کہ کسی طرح پانی کا ایک گھونٹ یا کھانے کا ایک لقمہ بھی اللہ تعالیٰ کے ماننے والوں تک نہ پہنچ سکے۔ بچے بھوک کے مارے راتوں بلبلاتے، اُن کے وہ رشتہ دار جو اِن بچوں پر مکھی کا بیٹھنا بھی گوارا نہ کر سکتے تھے۔ اُن کی بلبلاہٹ سنتے پتھر، اگر کان رکھتے تو یقیناً پھٹ جاتے، لیکن اُن کے دل ایک لمحہ کے لئے بھی نہ پسیجتے اور اگر کچھ متاثر ہوتے بھی تو معاہدہ کی پابندی سے مجبور ہو جاتے تھے یا مجبور کرتی تھی اُن کے ہاتھ باندھے ہوئے اور پیروں میں بیڑیاں ڈالے ہوئے تھی۔ قصور صرف اتنا تھا کہ اللہ کو ایک کیوں کہتے ہو پتھروں کو کیوں نہیں پوجتے لوٹ مار، شراب خوری، جوا بازی، فحش کاری اور ہزاروں قسم کے بُرے کاموں میں ہمارا ساتھ کیوں نہیں دیتے، وہی اللہ تعالیٰ کا یکتا بندہ جو سارے جہان کے لئے رحمت بنا کر آیا تھا، جب اُن کے فائدے کی باتیں سناتا تو وہ شور مچاتے کہ کوئی سن نہ سکے۔ آپؐ کو معاذ اللہ مجنوں کہتے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات پر کوئی کان نہ لگا سکے۔ میلوں اور بازاروں کے موقعوں پر ناکہ بندی کر دیتے کہ کوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ نہ سکے، وہ پتھر برساتے اور پیچھے لگتے کہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا پیارا رسول چل نہ سکے۔

طارق بن عبداللہ رضی اللہ عنہ محاربی ایک صحابی ہیں۔ اسلام سے پہلے ''ذی المجاز'' کے بازار (میلے) میں گئے تو اُنہوں نے دیکھا کہ ایک شخص سرخ دھاریوں کی چادر اوڑھے ہوئے ہے اور پکار رہا ہے۔ لوگو! کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، کامیاب ہو جاؤ گے۔ ایک دوسرا شخص

پتھر لئے ہوئے اُن کے پیچھے لگا ہوا ہے، پتھروں کی مار سے قدموں اور ٹخنوں کو لہولہان کر دیا ہے، وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر للکار رہا ہے۔ اُس کا کہنا مت مانو جھوٹا ہے" (معاذ اللہ) میں نے کہا یہ کون ہیں، لوگوں نے بتایا کہ عبدالمطلب کے خاندان کے ایک نوجوان ہیں۔ میں نے پوچھا پتھر مارنے والا کون ہے؟ جواب دیا گیا کہ اُن کا چچا عبدالعزیٰ جس کو ابولہب کہتے ہیں۔

الغرض ایک سچی آواز تھی جو پہاڑ کی گھاٹیوں میں شہروں کی گلیوں میں پینٹھ اور میلوں کے بازاروں میں شادی اور خوشی کی محفلوں میں رنج اور مصیبت کی ماتم گاہوں میں خانہ کعبہ کے حرم میں منیٰ اور عرفات کی وادیوں میں بھولی بھالی مظلومانہ سچائی کے ساتھ اُٹھتی تھی، ظالموں کا ظلم اس کو دبانا چاہتا تھا۔ مگر مظلومیت کا شعلہ اس کو دن بدن بھڑکا رہا تھا۔

ظلم اور سختی جب کارگر نہ سمجھی گئی تو طمع بھی دی گئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا گیا کہ اگر حسینہ کی تلاش ہو تو سارے عرب کی عورتیں پیش ہیں جس کو چاہو پسند کرلو، اگر روپیہ کی ضرورت ہو عرب کے خزانے موجود ہیں، اگر حکومت کی تمنا ہو تو ہماری گردنیں غلامی کے لئے حاضر ہیں، ہم رعایا بنتے ہیں اور آپؐ کو بادشاہ بناتے ہیں مگر جواب ایک ہی تھا اور وہ یہ کہ :
"اگر ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے ہاتھ پر سورج بھی لا کر رکھ دیں تو خدا کی قسم میں اس قدم سے نہ ہٹوں گا۔ جس پر میرے خدا نے مجھے جما دیا ہے۔" مختصر یہ کہ وہ ایک پکار تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبان سے ادا ہوتی تھی، نافرمان مخلوق نے ہزاروں کوششوں سے دبانا چاہا مگر وہ خدا کی پکار تھی، اللہ ﷻ کی آواز کو بلند ہونا تھا وہ بلند ہوئی اور آج تک بلند ہے۔ اب تمہارا فرض ہے کہ آئندہ اس کو بلند رکھو۔

سوال : مکہ کے لوگوں میں سب سے زیادہ دشمن کون تھے جو سب سے زیادہ تکلیف دیا کرتے تھے؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا چچا ابولہب، ابوجہل جس کا نام عمرو تھا اور اس کا بھائی عاصی اور ولید بن عتبہ اور ابوالبختری پسر ہشام اور عتبہ پسر ربیعہ اور شیبہ پسر ربیع۔

سوال : دنیا میں ان کا کیا انجام ہوا؟

جواب: جنگ بدر میں کتے کی موت مارے گئے۔

ہجرت یا جلا وطنی

سوال : ہجرت کس کو کہتے ہیں؟

جواب: کسی مجبوری سے اصل وطن چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جانے کو ہجرت کہتے ہیں؟

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں کتنی ہجرتیں ہوئیں؟

جواب: تین۔

سوال : اُن کے نام کیا کیا ہیں؟

جواب: ہجرتِ حبشہ اولیٰ، یعنی حبشہ کی طرف پہلی بار ہجرت۔ (۲) ہجرتِ حبشہ ثانیہ یعنی ملک حبشہ کی طرف دوسری بار ہجرت۔ (۳) ہجرتِ مدینہ یعنی مدینہ کی طرف ہجرت۔

سوال : پہلی مرتبہ مکہ چھوڑ کر لوگ کہاں گئے؟

جواب: ملک حبشہ میں۔

سوال : حبشہ کے بادشاہ کا نام اور اُس کا لقب و مذہب کیا تھا؟

جواب: نام اصحمہ بن بحبری، مذہب عیسائی اور لقب نجاشی تھا جو حبشہ کے ہر بادشاہ کا ہوا کرتا تھا۔

سوال : اس ہجرت میں کتنے آدمی تھے؟

جواب: کُل پندرہ یا سولہ دس یا گیارہ مرد اور چار یا پانچ عورتیں۔

سوال : ان میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے یا نہیں اور سردار کون تھا؟

جواب: ان میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں تھے اور مشہور یہ ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی تھے اُن سب کے سردار تھے۔ بعض کا یہ بھی خیال ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سردار تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی سمیت ہجرت کر گئے تھے۔

سوال : ان لوگوں نے ہجرت کیوں کی؟

جواب: جب قریش نے اُن حضرات کی زندگی دوبھر کر دی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کی جان کا خوف کر کے اجازت دیدی تھی کہ وہ حبشہ چلے جائیں۔

سوال : قریش نے ان کے مقابلہ میں کیا کیا؟

جواب: قریش نے ''عمرو بن العاص'' اور عبداللہ بن ابی امیہ کو تحفے تحائف دے کر حبشہ کے بادشاہ کے پاس بھیجا۔ انہوں نے بادشاہ کے سامنے تحفے پیش کر کے درخواست کی کہ اِن لوگوں کو اُن کے حوالے کر دیا جائے وہ قوم اور مذہب کے باغی ہیں۔

سوال : نجاشی نے کیا جواب دیا؟

جواب: جب تک میں اُن لوگوں سے گفتگو نہ کرلوں اور اسلام کی حقیت نہ معلوم کرلوں حوالہ نہیں کرسکتا۔

سوال : نجاشی سے کس نے گفتگو کی؟

جواب: حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے۔

سوال : وہ گفتگو کیا تھی؟ مختصر طور پر بتاؤ۔

جواب: شاہ حبشہ نے کہا ''اپنا مذہب اور صحیح صحیح واقعات بتاؤ''

اس وقت جعفر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور فرمایا :

''شاہا گمراہی اور جہالت کا ایک دور تھا ہم اس میں پھنسے ہوئے تھے مٹی اور پتھر کے بے حس و حرکت بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ حرام اور مردار ہماری خوراک تھی ، ہزاروں قسم کی بُری باتیں ہمارا شیوہ تھیں ، رشتہ داروں کے ساتھ بدسلوکی ، پڑوسیوں پر ظلم ، حلیفوں سے بدعہدی ہماری عادت ہوگئی تھی ، ہمارا طاقتور کمزور کو کھائے جاتا تھا۔ خدا کی شان کہ اُس نے ہماری اصلاح کے لئے ایک سچا جس کے حسب و نسب سے ہم واقف ، اُس کی سچائی ، دیانتداری ، پاک دامنی سارے عرب میں مشہور۔

اس نے ایک خدا کی عبادت کی دعوت دی اور بتایا کہ ہم کسی کو اس کا شریک یا مددگار نہ مانیں مٹی اور پتھر کی ان گھڑی ہوئی مورتیوں کے سامنے سے گردن کھینچ لیں جن کے

قدموں میں ہمارے سر مارے مارے پھرتے تھے۔

اور حکم فرمایا کہ سچ بولو، عزیزوں، رشتہ داروں سے اچھا برتاؤ کرو، پڑوسیوں پر احسان کرو، حرام سے بچو، بے گناہوں کے قتل و خون سے ہاتھ روکو، بُری باتوں سے نفرت کرو، جھوٹی باتوں پر لعنت بھیجو، یتیم کا مال ہرگز مت کھاؤ، نماز پڑھو، روزہ رکھو، حج اور زکوٰۃ ادا کرو۔

جناب والا ہم اُن پر سو جان سے ایمان لے آئے اور تہہ دل سے اُن کی تصدیق کی۔ اس کے بعد سورۂ مریم کی تلاوت کی اور حضرت عیسیٰ اور مریم علیہا السلام کے متعلق اسلامی عقیدہ کو واضح کیا۔

سوال : بادشاہ پر اس کا کیا اثر ہوا؟

جواب: اس سچی اور درد بھری تقریر کو سن کر وہ خود بھی ایمان لے آیا اور اُن مسلمانوں کو قریش کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔

سوال : یہ ہجرت نبوت ملنے کے بعد کون سے سال ہوئی؟

جواب: پانچویں سال۔

سوال : یہ لوگ حبشہ سے کتنے عرصہ بعد لوٹے؟

جواب: دو یا تین ماہ بعد۔

سوال : اس قدر جلد کیوں واپس ہوئے؟

جواب: ایک غلط خبر مشہور ہوگئی تھی کہ مکہ کے کافر مسلمان ہو گئے۔

سوال : واپسی پر مکہ کے کافروں نے اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

جواب: وہی ظلم و ستم، جبر و قہر۔

خلاصہ

قریش کے ظلم سے تنگ آ کر کچھ لوگوں کو مکہ چھوڑ دینے کی اجازت دی گئی۔

پہلی مرتبہ ۱۵ یا ۱۶ آدمی مکہ چھوڑ کر حبشہ گئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ یا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اُن کے سردار تھے۔ قریش نے اُن کا تعاقب کیا۔ دو آدمیوں کو تحفہ تحائف دے کر حبشہ کے بادشاہ کے پاس بھیجا کہ مسلمانوں کو اُن کے حوالہ کر دیں، بادشاہ نے مسلمانوں سے واقعات پوچھے جن کو سن کر وہ خود ایمان لے آیا اور اُن کے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا۔ ایک غلط خبر کی بناء پر تین ماہ بعد یہ لوگ واپس آگئے مگر واپس آنے پر کفار نے پہلے سے زیادہ تنگ کیا۔ بادشاہ کا نام اصحمہ تھا، لقب نجاشی، مذہب عیسائی۔

اسلام کی ترقی اور حضور ﷺ کا مقاطعہ

سوال : پہلی ہجرت سے واپسی نبوت کے کون سے سال ہوئی ؟

جواب: پانچویں سال۔

سوال : اس سال تک مسلمانوں کی تعداد کتنی ہوگئی تھی ؟

جواب: چالیس مرد اور گیارہ عورتیں۔

سوال : اس سال کا بڑا واقعہ کیا ہے؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور پھر تین دن بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مسلمان ہونا۔

سوال : اس سال تک مسلمانوں کی کیا حالت تھی اور ان دونوں بزرگوں کے اسلام لانے کا کیا اثر ہوا؟

جواب: اس وقت تک مسلمان ہونے والے حضرات اگرچہ عقلمندی، سنجیدگی اور طبیعت کی نیکی میں بے نظیر اور مشہور تھے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مقدموں کا بہترین فیصلہ کرنے میں مشہور تھے۔ مگر یہ حضرات رعب اور دھاک کے آدمی نہیں تھے اسی وجہ سے تمام اسلامی کام چھپ چھپ کر ادا کئے جاتے تھے اور اسلام اس سال تک گویا پوشیدہ

راز تھا۔ یہ دونوں بزرگ چونکہ جری، شجاع اور بارعب تھے۔ اُن دونوں حضرات نے خصوصاً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس چھپاگی کو ایک دم اُٹھا دیا۔ خیال یہ ہے کہ اس ہی توقع کی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعا بھی فرمائی تھی کہ اے اللہ عمر بن خطاب یا ابوجہل بن ہشام کے ذریعہ سے اسلام کو قوت عطا فرما اور یہی اُمید تھی جس نے مسلمانوں کو اس درجہ خوش کر دیا کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے پر بے اختیار نعرۂ تکبیر اس قدر زور سے بلند کیا کہ مکہ کی گلیاں گونج اُٹھیں۔ چنانچہ خیالات کے موافق عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عمل بھی کیا۔

سوال : اسلام کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا پہلا کارنامہ کیا ہے؟

جواب: فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جب اسلام سے مشرف ہو چکے تو عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اگر ہم حق پر ہیں تو اس چھپاگی کی کوئی وجہ نہیں اور پھر مسلمانوں کو ساتھ لیا اور حرم میں جا کر ایک خدا کی عبادت بجا لائے۔

سوال : کفار نے اس دلیری کو کس نگاہ سے دیکھا؟

جواب: دن بدن اسلام کی ترقی نے اُن کو سہا دیا۔ اپنے دن اُنہیں نظر آنے لگے۔ فوری طور پر تو اس دلیری کا جواب مار پیٹ سے دیا، لیکن پھر پوری طاقت سے مسلمانوں کو فنا کر دینے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

سوال : مسلمانوں کو مٹا دینے کی کیا شکل نکالی؟

جواب: یہ انتظام تو پہلے ہی سے تھا کہ کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہنچ نہ سکے۔ راستوں پر آدمی بٹھا دیئے جاتے تھے تاکہ آنے جانے والوں کو پہلے ہی روک لیا جائے اور طرح طرح کی جھوٹی تہمتوں سے اس کے کان بھر دیئے جائیں تاکہ اس کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے (معاذ اللہ) نفرت بیٹھ جائے اور وہ اس طرف کا خیال بھی نہ کرے۔ مگر اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو (نصیب دشمناں) شہید کر دینے کے منصوبے ہونے لگے مگر خطرہ صرف یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خاندان

کے آدمی خون کا بدلہ لینے کے لئے کھڑے ہو جائیں گے اور لڑائی چھڑ جائے گی تو اب یہ کوشش ہونے لگی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حمایتیوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چھڑا دیا جائے۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقاطعہ کر دیا گیا اور آپؐ کے خاندان کے جو لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر آپؐ کے حمایتی تھے۔ اُن سے مطالبہ کیا گیا کہ (خاکم بدہن) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمارے سپرد کردو تاکہ ہم شہید کر ڈالیں۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو تمہارا بھی کھانا پینا بند یعنی مقاطعہ کر دیا جائے گا۔

سوال : مقاطعہ کی کیا شکل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ چھوڑا یا نہیں؟

جواب: مسلمان تو کیا جو کافر آپؐ کے حمایتی تھے اُنہوں نے بھی حمایت نہیں چھوڑی۔ اس پر ان سب کو مکہ مکرمہ کے اس مقام پر ڈال دیا گیا (جس کو شعب مکہ کہتے ہیں) اور عام طور سے بندش لگا دی گئی کہ نہ کوئی شخص ملاقات کر سکے نہ کھانے پینے یا اور کسی قسم کی ضرورت کی کوئی چیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا سکے اور اس کے متعلق کافروں کے بڑے بڑے سرداوں نے ایک معاہدہ لکھ کر خانہ کعبہ میں رکھ دیا۔

سوال : یہ مقاطعہ کب شروع ہوا؟

جواب: نبوت سے ساتویں برس، محرم کے مہینہ میں۔

سوال : اس مقاطعہ یا محاصرہ یا نظر بندی کے زمانہ میں مسلمانوں پر کیسی گزری؟

جواب: دانہ پانی کا پہنچنا بند تھا، بھوک سے بچے بلبلاتے تھے، وہ کافر جو خاص رشتہ دار تھے، اُن کی آوازیں سنتے مگر رشتہ داروں کے خون سفید ہوگئے تھے یا تو رحم ہی نہ آتا تھا یا معاہدہ کی پابندی نے دلوں سے رحم نکال دیا تھا، درختوں کے پتے اور گھاس کی جڑیں کھا کر زندگی بسر کی جاتی تھی۔

سوال : سب صحابی محاصرہ میں رہے یا محاصرہ کے علاوہ کوئی اور حکم بھی تھا؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہجرت کی اجازت دیدی تھی۔ چنانچہ مسلمانوں نے دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

خلاصہ

نبوت سے پانچویں سال میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے تین روز بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ یہ دونوں حضرات دھاک کے آدمی تھے، مسلمانوں نے پہاڑ کی کھائی سے نکل کر بیت اللہ میں عبادت ادا کی۔ کفار نے اسلام کی بیخ کنی کا پوری قوت سے تہیہ کرلیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھیوں کا مقاطعہ کر دیا گیا۔ مکہ کے قریب شعب ابی طالب میں اُن کو ڈال دیا گیا۔ بلحاظ مذہب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حمایتیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ساتھ دیا۔ درختوں کے پتے اور گھاس کی جڑیں کھا کر بسر کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حبشہ کی طرف ہجرت کی بھی اجازت دیدی تھی۔

دوبارہ ہجرتِ حبشہ اور مقاطعہ یا حصار کے باقی حالات

سوال: حبشہ کی طرف دوسری ہجرت کب ہوئی اُس کا نام کیا ہے، اس میں کتنے آدمی شریک تھے؟

جواب: یہ واقعہ نبوت سے ساتویں سال پیش آیا۔ یہی سال مقاطعہ کے شروع کا ہے۔ اس ہجرت کو ہجرتِ حبشہ ثانیہ کہتے ہیں اور اس میں ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں شریک تھیں اور اُن کے علاوہ یمن کے کچھ آدمی یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قوم کے آدمی بھی اُن کے ساتھ مل گئے تھے۔

سوال : یہ حصار کتنے عرصہ باقی رہا اور کون سے سال ختم ہوا؟

جواب: تین برس تک برابر رہا اور نبوت کے دسویں سال اس کا خاتمہ ہوا۔ جب عمر شریف ۵۰ سال تھی۔

سوال : اس مقاطعہ یا حصار کا کس طرح خاتمہ ہوا؟

جواب: کفار قریش نے جب دیکھا کہ اُن کی انتہائی سختی بے اثر رہی ، اسلام کے پیروں میں بیڑیاں نہیں ڈال سکے ، خدا کی آواز کو روک نہ سکے ، مسلمانوں کی مظلومیت عام طور سے ظاہر ہونے لگی اور خطرہ ہوا کہ عام عرب والوں کے دل میں ہماری طرف سے اگر نفرت بیٹھ گئی تو اسلام کی ترقی ہوگی ، ہماری عزت اور عظمت جاتی رہے گی تو خود قریش ہی کے کچھ کافروں نے اس مقاطعہ کی مخالفت میں آواز اُٹھائی شروع کر دی۔ اتفاق سے اس عرصہ میں اس عہد نامہ کے حرفوں کو بھی دیمک نے کھا لیا تھا جو مقاطعہ کرنے کے وقت لکھا گیا ہوگا۔ بالآخر نبوت سے دسویں سال اس ناجائز قید "حبس بے جا" کا خاتمہ ہوا۔

سوال : اس کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا نام رکھا؟

جواب: عام الحزن یعنی غم کا سال۔

سوال : اس سال کو غم کا سال کیوں کہا گیا؟

جواب: اس وجہ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمدرد اور جاں نثار ، عمر بھر کی ساتھی ، غمخوار زوجہ یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات اسی عرصہ میں ہوگئی جنہوں نے اپنی تمام راحت اور چین اور تمام ثروت اور دولت اسلام پر قربان کر دی تھی اور ہر مصیبت میں نہایت غمخواری اور دردمندی سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیا کرتی تھیں اور اسی سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا صاحب ابو طالب کا بھی انتقال ہوگیا۔ وہ اگرچہ کافر ہی مرے مگر اس میں شک نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ مقاطعہ کے زمانہ میں تین برس برابر حضور صلی اللہ

علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ہی رہے اور چونکہ کفار اُن کا خیال کرتے تھے اس وجہ سے اکثر لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کھلے بندوں ستانے میں آزادی سے کام نہیں لیتے تھے۔ کسی درجہ لحاظ بھی کرلیا کرتے تھے۔

سوال : حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات پہلے ہوئی یا ابو طالب کی اور اِن دونوں کی وفات میں کتنے دنوں کا فاصلہ تھا؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا کی وفات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے تین دن پہلے ہوئی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تین دن بعد۔

سوال : حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کون سے مہینے میں ہوئی اور وہ کہاں دفن ہوئیں اور حصار سے رہائی کے بعد یہ واقعہ ہوا یا پہلے؟

جواب: رمضان شریف میں اور مقام حجون میں دفن ہوئیں اور یہ واقعہ رہائی سے کچھ عرصہ بعد ہوا۔

سوال : کافروں کی تکلیفوں کے ساتھ اللہ ﷻ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کس طرح دلداری کی گئی اور کیا کیا انعام حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہوئے؟

جواب: یہی زمانہ ہے جس میں معراج کی دولت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عنایت فرمائی گئی۔ یہ دولت ہے کہ کائنات عالم میں نہ کسی کو اس وقت تک عنایت کی گئی تھی نہ آئندہ کی جائے گی۔

معراج ہی کے سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تمام انبیاء کا امام بنایا گیا اور جسمانی طور پر جسد اطہر کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسائی ان مقامات پر ہوئی کہ اللہ ﷻ کا کوئی بندہ روحانی طور پر بھی اس درجہ تک نہیں پہنچ سکے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معراج شریف سے پہلے دنیا محض سنا کرتی تھی کہ دوزخ اور جنت ہے اور آخرت کے معاملات برحق ہیں۔ کسی نے نہ دوزخ کو دیکھا تھا نہ جنت کو نہ آخرت کے عذاب یا ثواب کو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دوزخ اور جنت کی

سیر کرا کے اور آخرت کے عذاب اور ثواب کا نظارہ دکھا کر ایک چشم دید شاہد (۱) دنیا کو عطا کیا گیا۔

اسی سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تمام نام لیواؤں پر اللہ ﷻ کا سلام نازل ہوا اور پانچ وقت کی نمازیں عنایت فرمائی گئیں جو مومن کے لئے معراج قرار دی گئیں اور بتایا گیا کہ اس مختصر سی عبادت میں بندہ احکم الحاکمین جل مجدہٗ سے خطاب کرتا ہے۔

سوال : ابو طالب مسلمان کیوں نہیں ہوئے؟

جواب: ناک کٹ جانے اور برادری اور قوم کے طعن کا خوف انسان کو ہزاروں نعمتوں سے محروم کر دیتا ہے۔ نزع کے وقت بھی جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کلمہ طیبہ پڑھنے کے لئے فرمایا تو باوجودیکہ ابو طالب اس کی سچائی پہچانتے تھے مگر یہی جواب دیا کہ برادری کے آدمی طعنہ دیں گے کہ اتنا بوڑھا آدمی اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر اپنے پالے ہوئے بچے کے دین میں داخل ہو گیا۔ جو لوگ رسم دنیا کی پابندی فرض سمجھتے ہیں وہ ابو طالب کے واقعہ کو یاد رکھیں اور غور کریں کہ برادری کا خوف کس طرح جنت کی نعمتوں سے محروم کر دیتا ہے۔

سوال : ابو طالب نے کتنی عمر میں وفات پائی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کتنے بڑے تھے؟

جواب: ابو طالب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ۳۵ برس بڑے تھے۔ اس حساب سے ۸۵ برس کی عمر میں وفات پائی۔

سوال : حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی وفات کے وقت کتنے بچے چھوڑے؟

جواب: چار صاحبزادیاں اور پہلے شوہر سے ایک صاحبزادے جن کا نام "ہند" تھا۔

سوال : لڑکیوں میں کس کس کی شادی ہو چکی تھی؟

۱۔ اپنی آنکھ سے دیکھنے والا سچا گواہ۔

جواب: حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی باقی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا کنواری تھیں۔

سوال: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں صاحبزادیوں کی دیکھ بھال اور پرورش کا کیا انتظام کیا؟

جواب: کچھ عرصہ تک تو آپؐ خود ہی خیال رکھتے تھے، مگر چونکہ اسلام کی تبلیغ میں حرج ہوتا تھا ایک طرف خدا کا یہ حکم کہ خداوندی احکام کو بے دھڑک ڈنکے کی چوٹ لوگوں کو سناتے رہو، دوسری طرف کافروں کی بڑھتی ہوئی دشمنی سے یہ خطرہ کہ موقع پا کر بال بچوں کو اپنی دشمنی کا شکار نہ بنالیں، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بیوہ عورت سے نکاح کرلیا۔ جن کا محترم نام حضرت سودہ رضی اللہ عنہا تھا۔

سوال: ابو طالب کی وفات کے بعد قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟

جواب: قریش کے لئے تھوڑی بہت جو کچھ رکاوٹ تھی، ابو طالب کی وفات سے وہ بھی اُٹھ گئی اور اب کھلے بندوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیتیں پہنچانے میں بالکل آزاد ہوگئے۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ کی کیا شکل اختیار کی؟

جواب: مکہ کے لوگوں پر جب کوئی اثر نہ پایا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیال کیا کہ ممکن ہے قریب کی کسی دوسری آبادی میں کچھ اثر ہو تو آپؐ طائف تشریف لے گئے اور وہاں کے لوگوں کو سمجھانا شروع کیا۔ مگر ان کمبختوں نے مکہ والوں سے بھی زیادہ تکلیفیں دیں۔ ایک دن بدمعاشوں کو اشارہ کر دیا جو جھولیوں میں پتھر بھر کر بازار میں دونوں طرف کھڑے ہوگئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طرف جاتے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھر برساتے، بدن مبارک خون میں نہا گیا تھا، جوتیاں خون سے بھر گئیں تھیں، بار بار سر چکراتا اور اللہ ﷺ کا سب سے پیارا نبی زمین پر بیٹھ جاتا مگر وہ دونوں بازو

پکڑ کر کھڑا کر دیتے اور پھر اسی طرح گستاخیاں کرتے ، آپؐ مجبور ہو کر مکہ واپس تشریف لے آئے۔

سوال : اس سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ کون تھے اور کتنی مدت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے طائف میں قیام کیا؟

جواب: حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ تھے اور ایک ماہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے طائف میں قیام کیا۔

سوال : اس بلا پر اللہ جل جلالہ کا ظاہری احسان کیا ہوا؟

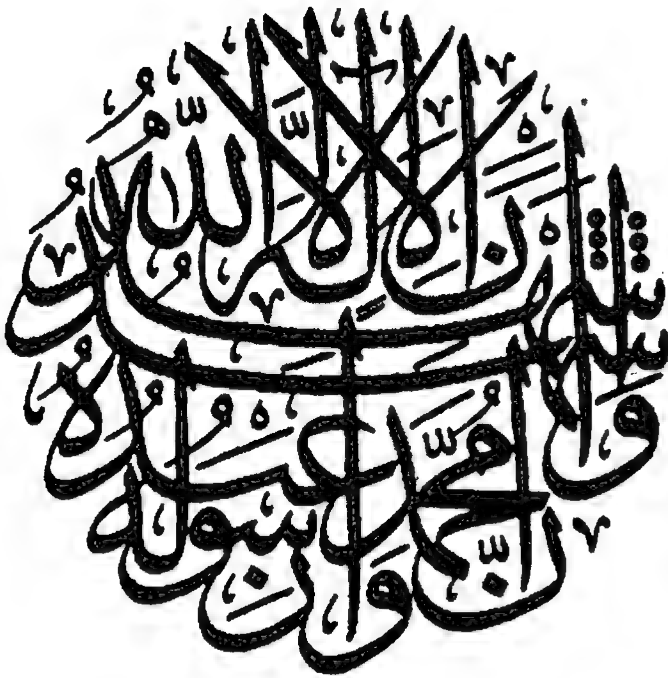
جواب: واپسی پر جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم "نخلہ" کے مقام پر صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔ جنات نے قرآن شریف سنا اور وہ ایمان لے آئے اور پہاڑوں کے نگہبان فرشتہ نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اگر حکم ہو تو ان تمام گستاخوں کو دو پہاڑوں کے بیچ میں لا کر خدا کے حکم سے سب کو تباہ کر دیا جائے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جواب یہ تھا : "ایسا ہرگز نہ کرنا اگر وہ مسلمان نہیں ہوئے تو ممکن ہے کہ اُن کی نسل میں کوئی ایمان لے آئے۔" مگر خدا نے قریب قریب انہی سب لوگوں کو ایمان کی توفیق عنایت فرمائی۔

خلاصہ

نبوت سے ساتویں سال میں تقریباً سو آدمی دوبارہ ہجرت کر کے حبشہ گئے۔ ان میں ۸۳ مکہ کے تھے اور بہت سے یمن کے۔ اس سال محرم کے مہینہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پنچائتی مقاطعہ شروع ہو گیا جو برابر تین سال تک رہا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپؐ کے حمایتیوں نے ہزاروں قسم کی مصیبتیں اور بھوک اور پیاس کی ہزاروں پریشانیاں جھیلیں۔ بچے بھوک سے بلبلاتے تھے اور بڑے درختوں کے پتے اور جڑیں کھا کر

بسر کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر جب پچاس سال کی تھی تو تین سال کے بعد یہ حصار یا مقاطعہ ختم ہوا۔ مگر رہائی سے تھوڑے ہی دن بعد ابو طالب اور پھر تین دن بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوگئی۔ اس وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سال کا نام غم کا سال رکھا۔ اسی حصار کے زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج عطا کی گئی۔ ابو طالب نے ۸۵ برس کی عمر میں وفات پائی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے چار لڑکیاں اور ایک لڑکا "ہند" جو پہلے شوہر سے تھا اپنے پیچھے چھوڑے۔ لڑکیوں میں سے دو کی شادی ہوچکی تھی باقی دو کی نگرانی اور خدمت کے خیال سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے شادی کرلی جو ایک بیوہ مسلمان عورت تھیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ کے لئے طائف تشریف لے گئے۔ مگر وہاں بہت سی مصیبتیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برداشت کرنی پڑیں۔




اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله

تاریخ الاسلام

(حصہ دوم)

جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
مدنی زندگی کے پورے حالاتِ طیبہ نہایت دلکش
اور سہل انداز میں بچوں کے لئے لکھے گئے ہیں

از

مولانا محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ

فہرست مضامین



بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

نذر از مصنف

گدائے بے درمان "محمد میاں" (ایسی حالت میں کہ بیچارگی اپنی حد پر ہے اور علمی فرومائیگی کے ساتھ کتابی بے سروسامانی اپنی انتہا پر) سیرۃ قدسیہ حیات نبویہ کے متعلق ایک ناچیز ہدیہ "بارگاہ عرش جاہ رفعت پناہ۔ سریر آرائے منصۂ لولاک نزہتہ فرمائے عرش بریں و اوج افلاک سرور کائنات فخر موجودات ، شاہ کون و مکان آقائے دو جہاں محبوب احسن الخالقین حضرت ختم المرسلین رحمتہ اللعالمین (فداہ روحی و ابی و امی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہے۔

ذرۂ بے مقدار اور رونمائی آفتاب عالم تاب یقیناً گستاخانہ جسارت ہے مگر رحمت کاملہ کے بحر بے پایاں کی جناب میں بہزار احترام مؤدبانہ عرض ہے۔

بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

اور پھر استدعا ہے :

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند	آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند
مولای صل وسلم دائما ابدا	علی حبیبک خیر الخلق کلھم

(۱) اعتذار اور ناظرین کرام سے عرض معروض

قارئین کرام ! سیرتِ قدسیہ کا پہلا حصہ پیش کرنے کے وقت بھی عدم فرصت کثرت سے مشاغل ، تشتت حالات ، تفرق خیالات کی شکایت تھی۔ سخت افسوس ہے کہ آج جب کہ بتوفیق

ایزدی دوسرا حصہ پیش کیا جا رہا ہے تو وہ شکایتیں کم نہیں بلکہ کتابی بے سروسامانی کا اضافہ بھی اِن میں منسلک ہوگیا جو کچھ اس وقت پیش کیا جا رہا ہے وہ یا تو متفرق مگر غیر کافی پس انداختہ یادداشتوں کا اندوختہ ہے یا صرف ایک عربی کتاب زاد المعاد کا اقتباس کردہ مادہ دور حاضر میں یہ مجبوری اور تاخیر میں وعدہ خلافی۔ یہ ضرور ہے کہ جو کچھ حیطہ تحریر میں لایا گیا وہ ''صحاحِ ستہ''، ''مشکوٰۃ شریف''، ''جمع الفوائد''، ''سرور المحزون'' (حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ) ''دروس التاریخ الاسلامی''، ''شمائل ترمذی''، ''مبسوط مصنفہ حضرت شمس الائمہ سرخسی''، ''بدائع الصنائع''، ''کتاب الجہاد''، ''رد المختار'' وغیرہ وغیرہ معتمد کتابوں سے یقینی اخذ کردہ ہے اور جس میں کسی قسم کا کوئی شبہ بھی ہوا اُس کو ساقط کر دیا گیا۔ مگر افسوس یہ ہے کہ جدید جلا پیدا نہ کرسکا کیونکہ حالاتِ حاضرہ میں وہ کتابیں نہ احقر کے پاس موجود تھیں اور نہ کچھ عرصہ تک سامنے آسکتی ہیں، لہٰذا اگر کوئی فروگزاشت ہو تو جملہ ناظرین کرام سے بصد ادب اصلاح کی استدعا ہے۔

(۲) ایک ضرورت کا علم اور اظہار

نوجوانانِ ملک کے حالات کا صحیح تجزیہ کرتے ہوئے اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ عموماً باشندگانِ ہند کی نوجوان ذہنیت صداقت کی طالب ہے اور تحقیق کی خواہاں۔ دور انقلاب میں تعجب نہیں ایک کے ساتھ چند انقلاب پیدا ہو جائیں مگر جس چیز کا اظہار کرتے ہوئے نہایت رنج اور افسوس پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ عموماً نوجوانانِ اسلام بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات تک سے ناواقف ہیں۔

جب تبلیغ واشاعت کی کوتاہی مسلم نوجوانوں کی واقفیت سے بھی کوتاہ ہے تو اگر غیر مسلم نوجوان سوال کریں کہ آپ کس کے پیرو ہیں؟ اُنؐ کے حالات کیا تھے؟ اُنؐ کی تعلیم کیا تھی؟ اُنؐ کے عقائد کیا تھے؟ تو کوئی تعجب نہیں۔

خلف سلف طرز وطریق کا آئینہ ہونے چاہئیں۔ مگر یہاں معاملہ دن اور رات، اُجالے اور اندھیرے کے مقابلہ کا ہے۔ مسلمانوں کے اخلاق حاضرہ میں جاذبیت کا نام نہیں، کشش کا پتہ

نہیں۔ ہاں وہ نفرت انگیزی کے ضرور ٹھیکہ دار ہیں۔

ایسی حالت میں ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح موجودہ کتاب عام اور سادہ زبان میں بچوں اور مستورات کے لئے سوال و جواب کی شکل میں لکھی گئی ہے۔ اسی طرح ایک دوسری کتاب سوال و جواب سے سادہ کر کے ایسی زبان میں لکھی جائے کہ جس کو ہر قوم کا چھوٹا بڑا بآسانی سمجھ سکے۔ صرف اُردو جاننا شرط ہے اور اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اُردو خط کے ساتھ دوسرے صفحہ پر یا کسی اور صورت سے ناگری خط بھی ہوتا کہ دیگر اقوام کے افراد بھی بآسانی پڑھ سکیں۔ کیا مسلمانانِ ہند اس کے متعلق غور فرمانے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے؟ اور کیا اپنے مفید مشورہ سے ہمیں استفادہ کا موقع عنایت کریں گے۔

(۳)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی پیش کرنے کے بعد قدرتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کیا تھی؟ عقائد کیا تھے؟ کیا چیز لے کر دنیا کے سامنے آئے اور کیا سکھا گئے؟

اس کے متعلق اس ہی طرز پر (جس کا کسی قدر اندازہ آپ تیسرے حصے سے لگا سکتے ہیں) ایک مختصر رسالہ کا خیال ہے۔ اللھم وفق

کیا مسلمانانِ ہند حاضر حصوں کی قدر فرما کر حوصلہ افزائی فرمائیں گے اور آئندہ ارادہ کو استحکام عطا کریں گے۔ باللّٰہ التوفیق وعلیہ التکلان



کتبهٗ

محمد میاں عفی عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

حق و باطل کی جنگ

صدائے حق اور اس پر حملوں کے مراتب جہاد کے مختلف منازل اور تبلیغ کے مدارج

حضور رسالت پناہ رحمت عالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی کے خاتمہ پر جبکہ مدنی زندگی کا افتتاح ہو رہا ہے تو غیر مناسب نہ ہوگا اگر حق و باطل کی جنگ پر ایک سرسری نظر ڈال کر انقلابات امم کے مختلف ادوار اور احوال کے لئے کوئی سبق حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

اس موقع پر یہ صفائی سے کہہ دینا ضروری ہے کہ تحریر ہٰذا کا تعلق محض غور وفکر سے ہے، اتباع سے نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک زندگی اور حیاتِ طاہرہ میں تدبر اور تعمق ہی اعلیٰ اتباع ہے اور کامیابی۔

یہ ایک بے نقاب حقیقت ہے کہ جب باطل کی حقیقت کو واشگاف کرنے کے لئے کوئی صدائے صادق بلند ہوتی ہے تو باطل کا ٹڈی دل لشکر اوّل چاہتا ہے کہ اس کو اِس کے مخرج ہی میں گھونٹ دے۔ دور حاضر کی اصطلاح میں اس کے لئے دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کیا جاتا ہے، لیکن صادق صدا ایک خود رو درخت سے بھی زیادہ اپنے اندر بالیدگی رکھتی ہے۔ صداقت پسند قلوب

سے اس کا ابلنا چشموں کے فواروں سے بہت زیادہ تیز ہوتا ہے۔ اس کا قدم ایسی دفعات کے حصار میں محصور نہیں ہوسکتا۔ اُس کی روک تھام کے لئے پچھلے طرز کو باقی رکھتے ہوئے باطل دوسرا پینترا چلتا ہے اور وہ یہ کہ اس کے منبع اور مخرج کو گندا ثابت کرے، اُس کے متعلق بُرے خیالات پھیلائے اور بدگمانیوں کا میلہ لگا دے، لیکن صداقت ابتداء میں تیز و تند آندھی یا موسلا دھار بارش نہیں ہوتی بلکہ وہ آفتاب کی ہلکی کرن ہوتی ہے جس کی قوت بخش "درخشاں تپش" باطل کی کملی کو اپنے ہاتھ سے نہیں اُتارتی بلکہ باطل پوش کو مجبور کر دیتی ہے کہ وہ اس کو گراں سمجھنے لگے اور اگر کچھ بھی احساس اس میں ہے تو خود سے اُتار کر پھینک دے۔

صدائے صداقت کی یہ خاموش طاقت جب باطل کے اس پینترے سے بھی نہیں ہارتی اور نیچے نیچے جڑ پکڑنے لگتی ہے تو تیسرا قدم تعذیب اور سزا دہی کا ہوتا ہے جس کی ابتداء مار پیٹ اور آئین کے ماتحت قید و بند سے ہوتی ہے، لیکن صداقت کی جفاکشی اور سخت جانی اس کو کھیل سمجھنے لگتی ہے تو باطل ایک اور قدم بڑھاتا ہے اور اب وہ قادر مطلق کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور داور خود مختار بن کر صداقت کیشوں کے حقوق رہائش سلب کرنے لگتا ہے۔ ایک طرف ان کو دائم الحبس یا جلا وطن کر دیتا ہے تو دوسری طرف اُن کی جائیدادیں ضبط، گھر بار تباہ و برباد کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اگر صداقت کو بے حیا کیا تو گناہ ہوگا، لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ بہت ہی سخت جان ہے، وہ پتھر کی چٹان سے بھی سخت ہے۔ لوہا پگھل جاتا ہے مگر صداقت سزا کی آگ میں تکالیف اور مصائب کی بھٹی میں اور پختہ ہوتی ہے، وہ نکھر نکھر کر بے غل و غش ہوتی ہے۔ وہ اس کا کھوٹ جب جاتا رہتا ہے تو آب اور رونق افزوں ہو جاتی ہے۔ وہ باطل کی ستم ایجادیوں پر ایک قہقہہ لگا کر اپنی پاکیزگی کا یقین کر لیتی ہے۔ اس کا استحکام پہلے کی بہ نسبت زیادہ ہو جاتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہوتا ہے کہ بھیڑ چھٹکر خلاصہ رہ جاتا ہے، نمائش کافور ہو جاتی ہے، مغز بقا اختیار کر لیتا ہے۔

اب باطل بھنا جاتا ہے، وہ اپنی طاقت کو کند دیکھ کر آگ بگولہ ہو جاتا ہے۔ اس کے قہر کے باد پا گھوڑے آتش پا ہو جاتے ہیں، وہ جھنجھلاتا ہوا اپنی جبروتی طاقت کی چمک دکھانے کے لئے میان سے تلوار سونت لیتا ہے اور صداقت کے سر پر گرج کر اس کی بربادی کا بیڑہ اُٹھاتا ہے۔

وہ ایک خون نہیں صدہا خون مگر معصوم خون کے لئے تل جاتا ہے۔ وہ خیال نہیں کرتا کہ اس شدہ لہو اور پاک خون کا سرخ داغ اس کے دامن پر باقی رہے گا۔ وہ کہتا ہے جو کچھ ہو سو ہو مجھے اپنی بقا چاہئے، نیک نامی میرے لئے مفید نہیں۔

مردہ دوزخ میں جائے یا جنت میں! میری بقا اسی میں ہے جو میں کر رہا ہوں، لیکن اب صداقت کی جبیں پر بھی بل آتا ہے۔ وہ بھی تیز نگاہ گھورنا شروع کر دیتی ہے مگر باطل کی شعلہ بار جوش کو دیکھ کر راستہ سے ہٹ جاتی ہے اور پھر اس کے مقابلہ کی پوری طرح طاقت پیدا کرتی ہے۔ یہ آخری منزل کی ابتداء ہوتی ہے جس کی ابتداء جنگ ''قتل وقتال'' اور ''جہاد'' ہوتی ہے۔

صداقت کی گنتی ابتداء میں بہت کم ہوتی ہے مگر سرفروش جان برکف باطل کی چمک دمک زیادہ ہوتی ہے مگر حقیقت کم وہ کف سمندر ہوتی ہے۔

اب مقابلہ آن پڑتا ہے تو صداقت کیش جماعت موت کو اپنی تمنا بنا کر میدان میں نکلتی ہے، لیکن موت بگڑے ہوئے معشوق کی طرح اُن سے روٹھ کر رقیبوں اور صداقت کے دشمنوں سے معانقہ کرتی ہے اور اہل حق جماعت فراق کی مستی میں سلامت واپس آجاتی ہے۔

اس آخری منزل کا نتیجہ صداقت کی کھلی فتح ہوتی ہے۔ اس کی بیّن کامیابی، لیکن ابتداء میں وہ صرف مقابلہ کرنے والوں پر جبروتی شعاعوں کا اظہار کرتی ہے، لیکن اس میں کامیاب ہونے کے بعد بلند آواز سے اعلان کرتی ہے۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

ترجمہ : ''باطل اس لئے نہیں کہ باقی رہے وہ مٹنے کے لئے ہے اس کو فنا کیا جائے گا۔''

مَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ

ترجمہ : ''دنیا آئندہ اس کی صورت نہ دیکھے گی۔''

اس وقت ''حق'' للکارتا ہے کہ صداقت دبنے کے لئے دنیا میں نہیں آئی۔ وہ بلند ہوگی۔ اس کا جھنڈا بلند ہوگا اور تمام باطل جھنڈے سرنگوں۔ **الحق یعلو ولا یعلی علیه**

لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

ترجمہ : ''مسلمانوں ڈرو مت غم مت کرو تم ہی اونچے رہو گے شرط یہ ہے کہ سچے مسلمان رہو۔''

اس مقصد کی تکمیل کے لئے صداقت اپنا کام آگے بڑھاتی ہے اور عدل و انصاف، رحم و کرم کو جلو میں لئے ہوئے تمام باطل قوتوں کو تمام ظالم شوکتوں کو جنگ کا الٹی میٹم دیتی ہے۔ یہ ہے ''جارحانہ جہاد''

اس کا دعویٰ ہوتا ہے اور سچا دعویٰ ہوتا ہے کہ جب باطل کے لئے باطل نے انسانی خون کو زمین پر بہایا تو کیا وجہ ہے کہ صادق بزدلی اختیار کرے۔ وہ باطل کے خون کو بہنے والا پانی کیوں نہ بنا دے تاکہ اللہ ﷻ کی زمین اس کی گندگی سے پاک اور صاف ہو جائے۔

اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ

ترجمہ : ''زمین کے بنانے والے کا ارشاد گرامی ہے۔ نیک بندے ہی میری زمین کے صحیح اور جائز وارث ہیں۔''

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ

ترجمہ : ''ہمارا خیال یہ ہے کہ ہم ان کمزوروں پر احسان کریں جن کو زمین کی سطح پر ذلت کی ٹھوکریں لگائی جارہی تھیں۔ ہم ان کو امام اور امیر بنا دیں اور ان ہی کو زمین کا وارث کر دیں۔''

الحاصل مذکورہ بالا تحریر کا مفاد یہ ہے کہ حق و باطل کی جنگ کے سات مرتبے ہوئے :

(ا) (الف) حق کی زبان بندی۔

(ب) حق کی طرف سے غلط خیالات کا پھیلانا، بدنام کرنا۔

(ج) اس کی آواز کو دوسروں تک نہ پہنچنے دینا یعنی مجمعوں میں غل غپاڑہ کرنا، اُن کو منتشر کرنا، اُن کو ناجائز قرار دینا۔

(۲) (الف) قید و بند (ب) زدوکوب، لاٹھی چارج

(۳) جلاوطنی، جائیداد ضبط

(۴) قتل

(۵) اہل حق کو جوابی جنگ اور تشدد سے مدافعت کی اجازت

(۶) لڑنے والوں سے لڑنے کا حکم

(۷) عام طور سے باطل طاقتوں کو اعلانِ جنگ

ورطۂ تاریخ میں شناور حضرات انصاف سے فرمائیں کہ دنیا کا کوئی سچا انقلاب بھی ان مراتب سے خصوصاً آخری مراتب سے خالی رہا ہے؟

اچھا آؤ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس زندگی کے مطالعہ سے دوبارہ شرف حاصل کریں۔

مکان کی دعوت میں تبلیغ کے موقع پر ابولہب کی ڈانٹ "ارے کمبخت کیا تو نے ہمیں اسی واسطے جمع کیا تھا" (معاذ اللہ) پہاڑی والی تقریر کے بعد کفار کا نرغہ وغیرہ وغیرہ	(ا) (الف) یعنی حق کی زبان بندی
کفار کا پروپیگنڈا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات مت سنو وہ کذاب ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ جس کے ایک دو واقعات حصہ اوّل میں گزرے۔	(ب) یعنی حق کی طرف سے غلط خیالات پھیلانے
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرأت قرآن اور وعظ کے وقت غل غپاڑا جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ پھر مسلمانوں کو مارنا پیٹنا خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ توہین اور گستاخیاں کرنا وغیرہ وغیرہ۔	ج

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو کھجور کی صف میں لپیٹ کر باندھ دینا، نیچے سے دھواں دینا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مع دیگر حمایتیوں کے محصور کرنا، وغیرہ وغیرہ۔	(۲) (الف) یعنی قید و بند
حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت عمار رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ کو مارنا پیٹنا۔ حضرت عمار کی والدہ محترمہ خاتون جنت مائی سمیہ رضی اللہ عنہا کو ابوجہل کا شرمناک طرح پر شہید کرنا۔	(ب) یعنی زود کوب لاٹھی چارج
حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہجرت کر کے حبشہ جانا، مدینہ جانا، ان کی جائیدادوں پر کفار کا قبضہ کرنا۔	(۳) فرق اتنا ہے کہ حکماً نہیں نکالا مگر نکلنے پر مجبور کر دینا عملاً جلاوطنی ہے حکم نامہ سہی۔
شب ہجرت سے پہلے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق دارالندوہ میں قتل کا مشورہ ہونا، اس کے لئے آمادگی۔	(۴) یعنی قتل

تنبیہ۔ اب تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہی حکم تھا کہ مشرکین سے اعراض کرو۔ ان کو معاف کرو۔ ان سے ایسی طرح سے مباحثہ کرو جو بہت ہی بہتر ہو پھر خداوندی ارشاد کا نازل ہونا کہ :

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ”جنگ لڑنے والوں کو اجازت دی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا۔“	یعنی جوابی جنگ کی اجازت
وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ ”جو تم سے لڑتے ہیں تم بھی ان سے لڑو اللہ کے راستے میں۔“	یعنی لڑنے والوں سے لڑنے کا حکم

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ "جو خدا وحدہٗ لاشریک کے شریک مانتے ہیں جو ظلم، ستم، کذب اور بطلان کی جڑ ہے ان سے تم جہاد کرو جیسا وہ تم سے جنگ کریں۔"	عام طور سے باطل طاقتوں کو اعلانِ جنگ۔
وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّينُ لِلّٰهِ "ان سے جہاد کرو یہاں تک کہ فتنہ وفساد مٹ جائے اور ایک اللہ کے قوانین نافذ ہونے لگیں۔ ظلم وستم جبر وقہر کی قہر مانی فنا ہو جائے۔	

کاتب حروف کا خیال تھا کہ یہ خیالات اس ہی کے ذاتی اختراع ہیں۔ یہی سمجھتے ہوئے مضمون مرتب کر کے ایک مرتبہ اس کو ربیع الاوّل ۱۳۵۱ھ کے غالباً دوسرے جمعہ کو دہلی کی جامع مسجد میں بیان بھی کر چکا تھا۔ مگر الحمدللہ ثم الحمدللہ غالباً اسی سفر کی واپسی میں مبسوط سرخسیؒ کی دسویں جلد میں اس کی طرف اشارات پائے اور پھر علامہ ابن قیمؒ کی زاد المعاد میں اس کی مزید تفصیل پائی۔ اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم ان عبارتوں کو درج کرتے اب صرف حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔ (مبسوط۔ ج ۱۰۔ ص ۲ و ص ۳۔ زاد المعاد۔ ج ص ۱۱۰ و ۱۱۱)

مسلمانوں کے لئے سیاسی سبق

مکمل شخص کی زندگی مکمل ہوتی ہے اور مکملوں کے سردار کی مقدس حیات تو اور بھی اکمل ہوگی۔ فرق صرف انظار و ابصار کا ہے یا قلت جستجو اور کوتاہی تتبع کا قصور جس طرح آج بحمد اللہ ہر ایک مسلمان، ہر ایک رات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس زندگی سے سبق حاصل کرسکتا ہے۔ اسی طرح سیاسی ماحول کی ہر ایک حالت، ہر ایک فضا میں بھی حیاتِ نبویہ اور سیرتِ طاہرہ کی روشنی اُس کے راستہ کی تاریکیوں کو اجالے سے بدل سکتی ہے۔ چنانچہ تو مکی زندگی سے سبق حاصل کرے جس میں ارشاد ہے :

(۱) اگر وہ محکوم ہے تنہا بے بس و ناچار اور کفار کے نرغہ میں جکڑ بند ہے۔	ان کی تکالیف کے جواب میں بہترین معافی سے کام لیجئے۔ ان کی گستاخیوں سے اعراض فرمایئے۔ ان سے بہترین طرز سے مجادلہ اور مباحثہ کیجئے اور حکمت اور موعظہ حسنہ سے ان کو دین کی دعوت دیجئے۔ (۱) علامہ ابن قیم نے بیان کیا ہے کہ لڑنا تلوار سے کام لینا اس زمانہ میں ممنوع تھا۔ (۲)
(۲) اگر کوئی جمعیت رکھتا ہے مگر ناکافی اور بے پناہ نہ قلعہ ہے نہ محصولات کی آمدنی نہ کوئی سامان۔	تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ طیبہ کی ابتدائی زندگی سے سبق حاصل کرلے جو بدر سے پہلے تھی۔ جس میں ایک طرف یہودیوں سے دوسری جانب بنی حمزہ وغیرہ کے مشرکین سے معاہدہ فرمایا اور دشمن کی طاقت کو اس کی شامی تجارت بند کر کے کمزور کیا۔
(۳) اگر اس کی جمعیت مدافعت کی قوت پاچکی ہے مگر اقدم کی نہیں۔	تو بدر کے بعد والی زندگی سے سبق حاصل کرلے۔
(۴) اگر اس کی جمعیت اقدام کی قوت بھی پاچکی ہے۔	تو فتح مکہ اور اس کے بعد کی زندگی سے سبق حاصل کرلے۔

اے کہ برتخت سیادت زازل جاداری
آنچہ خوباں ہمہ دار ند تو تنہا داری

۱۔ قال اللّٰہ تعالیٰ فاصفح الصفح الجمیل . واعرض عن المشکرین . اوع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن . اوراجع الی المبسوط ج ۱۰۔ ص ۲۔ ان اردت مزید طمانیۃ

۲۔ زاد المعاد۔ ج ۱۔ ص ۲۱۔ فیہ وکان اے قتال المشرکین محرما ۱۲

تبلیغ کے مدارج

اس موقع پر اگر تبلیغ کے مدارج پر کسی قدر روشنی ڈال دی جائے تو بہتر معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شوکت صداقت کی ترقی اور باطل کی قوت آزمائی کے ساتھ تبلیغ کا دائرہ بھی وسیع ہوتا جاتا ہے۔

چنانچہ تبلیغ کا پہلا مرتبہ

(۱) اپنی ذات کو تبلیغ یعنی دین حق کا تعلم و تدبر اور ذاتی آمادگی و تیاری

(۲) خاص رشتہ داروں کو تبلیغ

(۳) اپنی قوم کو تبلیغ

(۴) آس پاس کے عرب کو تبلیغ

(۵) پورے عرب کو تبلیغ

(۶) تمام عالم کو تبلیغ

وھذا والسلام

من نہ گویم کا طاعتم بپذیر
قلم عفو برگنا ہم کش



کتبہٗ

محمد میاں عفی عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ ربنا ورب الخلق والصلوۃ علی رسولہ الذی خلق لہ الخلق

مدینہ طیبہ میں اسلام

سوال : مدینہ طیبہ میں اسلام کا سلسلہ کس طرح سے شروع ہوا؟

جواب: حج (۱) وغیرہ کے موقعوں پر تمام عرب کے آدمی مکہ مکرمہ آیا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے سامنے تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔ مگر وہ یہ کہہ کر مذاق اُڑاتے کہ پہلے اپنی قوم کو تو مسلمان بنالو۔ نبوت کے دسویں سال خدا کی رحمت نے حج کے بڑے مجمع میں سے چند مدینے والوں کے دل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ کی طرف متوجہ کر دیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درد آمیز مشفقانہ وعظ نے ان کے دلوں میں جگہ کرلی اور نسیم رحمت نے ان میں سے دو کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا متوالہ بنا دیا۔

سوال : ہر چیز کا کوئی ظاہری سبب ہوا کرتا ہے اس سال مدینہ والوں کی توجہ کا کوئی ظاہری سبب ہو تو بتاؤ؟

۱۔ مثلاً سوق عکاظہ مجنہ ذی المجاز وغیرہ زاد ۱۲ منہ زاد المعاد میں تقریباً ۱۵ نام شمار کئے ہیں کہ ان کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کو اور اپنی دعوت کو پیش کیا مگر ساتھ ہی ابولہب کی یہ شرارت ہوتی تھی کہ وہ پیچھے لگا ہوا یہ کہتا رہتا تھا کہ (معاذ اللہ) دین سے پھر گیا ہے اس کی بات مت سنو۔ چنانچہ وہ یہی جواب دیتے تھے کہ پہلے اپنی قوم کو سنبھالو۔ ۱۲ زاد ج ۱۔ ص ۳۰۲

جواب: (۱) باہمی جھگڑے اور اندرونی تباہی بھی ایک تقاضہ پیدا کر رہی تھی کہ کسی کامیابی کے راستہ کو تلاش کریں۔

(۲) یہودی قوم جو مدینہ میں رہتی تھی وہ اپنی مذہبی کتابوں کے بموجب یہ خبر دیا کرتی تھی کہ جلد ہی نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پیدا ہوں گے اور پھر ہم اُن کی پیروی کر کے سب پر غالب ہو جائیں گے۔ انصاری حضرات نے جب آپ سے پوری پوری سچائی پائی تو یقین کرلیا کہ یہ وہی نبی ہیں اور کوشش کی کہ اس دولت کو سب سے پہلے حاصل کر کے یہودیوں پر پالا جیت لیں۔

سوال : ان دو آدمیوں کے کیا نام تھے؟

جواب: (۱) اسعد بن زرارہ (۱) (۲) ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ عنہما

سوال : یہ آدمی کس قبیلے کے تھے؟

جواب: قبیلہ اوس کے۔

سوال : ان دونوں بزرگوں نے مسلمان ہو کر کیا کیا؟

جواب: جو ہر مسلمان کا فرض ہے اُس کو پوری طرح ادا کیا یعنی شرم، لحاظ، رشتہ ناطہ، جان کا خوف یا مال کا خطرہ، غرض تمام چیزوں سے بے پرواہ ہو کر اسلام کی تبلیغ بڑے زور سے کی اور تمام مصیبتوں کو مردانہ وار برداشت کیا۔ (۲)

۱۔ لیکن عموماً اس بیعت کا ذکر نہیں آتا بلکہ پہلی بیعت وہی ہے جس کا ذکر آگے آرہا ہے اور ان ہی چھ آدمیوں میں حضرت اسعد بن زرارہ کا تذکرہ بھی ہے۔ اور ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ عنہ کو تیسری بیعت میں شامل کیا۔ نیز یہ کہ یہ مسلمان ہو کر مکہ مکرمہ میں ہی رہ گئے اور پھر سب کے ساتھ ہجرت کی۔ چنانچہ ان کو انصاری مہاجر کہا جاتا تھا۔ واللہ اعلم زاد۔ ۱۲ منہ

۲۔ غور کرو مدینہ کی اور اس کے پاس تمام قبیلوں، قصبات اور دیہات کی زمین کفر سے سیاہ ہوئی پڑی ہے جس میں ہزاروں اژدھے لاکھوں شیر اور بھیڑیئے کافر آدمیوں کی شکل میں رینگ رہے ہیں۔ اس صورت میں کفر کے برخلاف تبلیغ کرنا کس قدر مشکل ہے۔ مگر یہ دو آدمی ہدایت کا نہ بجھ سکنے والا چراغ لے کر جاتے ہیں۔ مصیبتوں کی ان گنت آندھیاں ان کو بجھانا چاہتی ہیں مگر کیا مجال ہے کہ خدا کے پاک بندے ٹس سے مس بھی ہو جائیں۔ ۱۲ منہ

سوال : ان کی کوشش کا نتیجہ کیا ہوا اور اُس کا پہلا ظہور کیا تھا؟

جواب: ایک سال نہ گزرنے پایا تھا کہ سچائی کی روشنی نے دلوں میں اُجالا پیدا کرنا شروع کر دیا۔ خدا کی رحمت تھی اور ان دونوں بزرگوں کی کوشش کہ اگلے سال پھر اسی موقع پر مدینہ کے آدمی حاضر ہوئے اور ان سے چھ یا آٹھ نفوس کھلم کھلا مسلمان ہو گئے۔

سوال : مسلمان ہونے والے حضرات کی کوششوں کا اگلے سال کیا نتیجہ ظاہر ہوا؟

جواب: تیسرے سال مدینہ کے بارہ آدمیوں نے (۱) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کا شرف حاصل کیا۔

سوال : بیعت کے کیا معنیٰ ہیں؟

جواب: عہد کرنا اور اصلی معنیٰ ہیں بیچ دینا۔ گویا بیعت کرنے والا اپنے آپ کو اس کے ہاتھ بیچ دیتا ہے جس سے بیعت کرتا ہے۔

سوال : اس بیعت کا کیا نام ہے اور کیوں؟

جواب: اس بیعت کو بیعت عقبہ اولیٰ کہتے ہیں (۲) بیعت کے معنیٰ معلوم ہو چکے۔ عقبہ کے معنیٰ پہاڑ کی گھاٹی اور اولیٰ کا ترجمہ پہلی چونکہ ایک خاص گھاٹی کے پاس سب سے پہلی بیعت یہی ہوئی تھی۔ اس وجہ سے اس کا نام بیعت عقبہ اولیٰ رکھا گیا۔

سوال : یہ بارہ آدمی کون کون سے قبیلے کے تھے؟ تفصیل وار بیان کرو۔

جواب: دس قبیلہ اوس کے اور دو قبیلہ خزرج کے۔

سوال : اس بیعت میں کن چیزوں پر عہد لیا گیا تھا؟

۱۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ یہ سب حضرات تھوڑی عمر ہی کے تھے بوڑھے نہ تھے۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ تو اُن کو دیکھ کر مطمئن نہ ہوئے تھے کہ مدینہ کے پرانے آدمی نہیں مگر خدا بوڑھوں کی بہ نسبت جوان دلوں میں جلد روشنی پیدا کرتا ہے۔ ۱۲ منہ ماخوذ از زاد المعاد۔ ج ۱۔۲۔ ص ۳۰۲

۲۔ یعنی گھاٹی کے پاس کی پہلی بیعت۔ ۱۲

جواب: (۱) خوشی ہو یا رنج، تنگدستی ہو یا فراخی۔ ہر صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد کی تعمیل کریں گے۔

(۲) اچھی باتوں کی تبلیغ کریں گے، بُری باتوں سے روکیں گے۔

(۳) خداوندی دین کے بارے میں کسی شخص کی رنجش، بُرائی یا ملامت کا کوئی خیال نہ کریں گے۔

(۴) جس طرح اپنی عورتوں، بچوں اور اپنی جانوں کی حفاظت کرتے ہیں اسی طرح جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ تشریف لائیں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حفاظت کریں گے۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے ان تمام مصیبتوں کا کیا بدلہ مقرر کیا گیا؟

جواب: جنت۔

سوال: ان حضرات کی تعلیم کے لئے کن کن کو بھیجا گیا تھا؟

جواب: حضرت ابن مکتوم رضی اللہ عنہ اور حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر کو۔

سوال: مدینہ آنے والوں کی ترتیب بیان کرو؟

جواب: اوّل یہ دو حضرات پھر حضرت عمار رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیس آدمیوں کے ساتھ پھر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ (۱)

سوال: نئے اور پرانے مسلمانوں کی تبلیغ کا چوتھے سال کیا نتیجہ ہوا؟

جواب: مدینے والوں کی ایک بڑی جماعت جن کی تعداد (۷۳) تھی۔ اسی موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئی اور اسلام قبول کرلیا۔

سوال: اس واقعہ کا نام کیا ہے اور کیوں؟

جواب: بیعت عقبہ ثانیہ کیونکہ ایک خاص گھاٹی کے پاس یہ دوسری بیعت تھی۔ ثانیہ کے معنیٰ دوسری۔

۱۔ زاد المعاد۔ ص، ۳۰۸۔ ج، ۱۔ ۱۲

سوال : یہ بیعت نبوت سے کون سے سال ہوئی ؟

جواب: تیرہویں برس۔

سوال : اس بیعت میں کن کن باتوں پر عہد ہوا ؟

جواب: شرک ، چوری ، زنا سے بچیں گے اور قتل اولاد کے مرتکب نہ ہوں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو کچھ فرمائیں گے اس سے منہ نہ موڑیں گے (۱) اور اپنی عورتوں اور بچوں کی طرح سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ان کے ساتھیوں کی حفاظت کریں گے۔

خلاصہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حج جیسے مجمعوں میں تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔ نبوت کے دسویں سال مدینہ طیبہ کے دو آدمی اسی تبلیغ کے سلسلے میں مسلمان ہوگئے۔ گیارہویں سال ۶ یا ۸ اور بارہویں سال ۱۴ آدمی مشرف بہ اسلام ہوئے ، اس کا نام بیعت عقبہ اولیٰ ہوا ، اور پھر نبوت سے تیرہویں سال یعنی چوتھی مرتبہ ۷۳ آدمیوں نے بیعت کی جس کا نام بیعت عقبہ ثانیہ ہوا۔

۱۔ خوشی ہو یا رنج ، تنگدستی ہو یا فراخی۔ ہر صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد کی تعمیل کریں گے ، اچھی باتوں کی تبلیغ کریں گے ، بُری باتوں سے روکیں گے۔ زاد المعاد۔ ج ۱۔ ص ۲۵

وطن سے جدائی

ہجرتِ مکہ اور مدینہ کی طرف روانگی

سوال : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکہ معظمہ سے کیوں ہجرت فرمائی ؟

جواب: کیونکہ ۱۳ سال کے تجربہ نے بتادیا تھا کہ مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے تبلیغِ اسلام میں کامیابی مشکل ہے اور ترقی اسلام کی صرف یہی صورت ہے کہ مکہ سے ہجرت کی جائے۔(۱)

سوال : مکہ سے روانگی اور سفر کی کیفیت مختصر طور پر بیان کرو۔

جواب: خداوندی حکم کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اوّل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پوشیدہ طور سے روانگی کا حکم دیا۔ ایک ایک دو دو کر کے سب حضرات ہجرت کر گئے۔ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور وہ کمزور لوگ جو ہجرت کرنے سے معذور تھے مکہ میں رہ گئے۔ کفار مکہ کو جب اس کا علم ہوا تو فوراً ''دارالندوہ'' (کمیٹی گھر یعنی اس مقام میں جہاں بڑے بڑے معاملات پر مشورہ ہوتا تھا) مکہ کے بڑے بڑے سرداروں کا جلسہ ہوا۔ ابوجہل کی تجویز کے مطابق رائے ہوئی کہ آج شب کو ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شہید کر کے اسلام کا قصہ ختم

۱۔ گزشتہ واقعات سے معلوم ہوگیا تھا کہ کفار مکہ کے سخت اور سیاہ دل نبوت کی دھیمی اور سہانی روشنی سے اس وقت تک سیاہی اور سختی دور نہ کرسکیں گے جب تک اس کے ساتھ جلالی کرنوں کی بوچھاڑ بھی نہ ہو اور اس طرف مدینہ طیبہ میں نبوت کے نور سے دن دگنی رات چوگنی جگمگاہٹ پیدا ہو رہی تھی۔ مدینہ کے ہر ہر گھر میں اسلام کا چرچا ہوگیا تھا اور پروانوں کی طرح ہر ایک کی دلی تمنا ہوگئی تھی کہ نور نبوت کا آفتاب ہماری بستی میں آجائے۔ عقبہ کی دونوں بیعتوں میں وفاداری اور جاں نثاری کا پورا پورا معاہدہ ہوچکا تھا اور توقع ہوگئی تھی کہ اس ہجرت کے بعد اسلام اپنی جلالی اور قہری شان بھی دکھا سکے گا۔ گویا ترقی اسلام کا صرف یہی راستہ رہ گیا تھا۔ لامحالہ اسی کو اختیار کیا گیا۔ ۱۲ منہ

کر دیا جائے۔ طے یہ ہوا کہ ہر ہر قبیلہ کا ایک ایک شخص اپنے پورے قبیلہ کی طرف سے اس ہنگامہ میں شریک ہوتا کہ پھر کسی قبیلہ کو اعتراض کا یا بدلہ لینے کا موقع نہ رہے خداوند عالم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کے مشورہ کی اطلاع فرما دی۔ خداوند عالم کے ارشاد کے بموجب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی شب کو ہجرت کا ارادہ فرمالیا۔ صدیق اکبر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلنے کے شوق میں ٹھہرے ہوئے تھے اور پہلے سے ''راستہ بتانے والے شخص'' اور دو سانڈنیوں کا انتظام کر چکے تھے۔

رات کی اندھیری کے ساتھ ساتھ کافر نوجوانوں کے دستے بھی حریم نبوت کے چاروں طرف چھپ کر بیٹھ گئے کہ آخری رات کی خموشی میں رسالت کی آواز کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا جائے۔ اسی اندھیری کے درمیانی حصہ میں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دولت کدہ سے نکلنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ چادر اوڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر لیٹ جائیں تاکہ گھر میں نہ ہونے کا کسی کو پتہ نہ چل سکے۔

اسلام کی فداکاری کا بہترین نمونہ ہے کہ کمسن نوجوان (۱) جو دنیا کی زندگی کا بہت کچھ آرزو مند ہوسکتا ہے اور جس کا سینہ ہزاروں امنگوں کا گہوارہ بنا ہوا ہوتا ہے۔ وہ اپنے روحانی آقا کے حکم پر بے دھڑک اس بستر پر لیٹ جاتا ہے جس کے متعلق یقین تھا کہ صبح ہونے سے پہلے ایک مذبح بن جائے گا جو رات کی بے دردی پر خون کے سرخ آنسو بہا رہا ہوگا۔

بہرحال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دروازہ پر تشریف لائے۔ کفار نے وہاں بھی جھمگھٹا لگا رکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۂ یٰسین شریف کی تلاوت شروع فرمائی

۱۔ یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ ۱۲

اور ''فاغشینا ھم فھم لا یبصرون'' کئی مرتبہ دہرایا خداوند عالم نے اُن کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُن کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے باہر تشریف لے آئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور راستہ بتانے والے کے ہمراہ مدینہ کے راستے پر روانہ ہوگئے۔ کچھ اور آگے چل کر ''ثور پہاڑ'' کے ایک غار میں قیام فرمایا۔ قریش کے ان غافل نوجوانوں اور بوڑھے مدبروں کو جب اپنی شکست کا پتہ چلا تو بہت پریشان ہوئے اور چاروں طرف دوڑنا شروع کیا۔ اعلان کیا گیا کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (روحی فداہ) کو پکڑ کر لائے ، اس کو سو اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔ ایک جماعت نشان قدم پر اندازہ لگاتی ہوئی غار کے منہ پر جا پہنچی۔ اگر وہ ذرا جھکتے تو یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھ لیتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اُن کے پیروں کو غار کے اندر سے دیکھ رہے تھے اور اس خیال سے گھبرا رہے تھے کہ اُن میں سے کوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھ کر تکلیف پہنچائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو تسکین دیتے ہوئے فرمایا :

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا

ترجمہ : ''گھبراؤ نہیں اللہ جل جلالہ ہمارے ساتھ ہے۔''

خدا کی قدرت ایک مکڑی نے غار کے منہ پر جالا تن دیا اور فوراً کے فوراً ایک کبوتر نے گھونسلا بنالیا تھا۔ جس سے دیکھنے والوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے موجود ہونے کا وہم بھی نہ ہوا۔ لطیفہ یہ ہے کہ تلاش کرنے والوں میں سب سے زیادہ چست و چالاک ''اُمیہ بن خلف'' تھا۔ وہی بولا کہ چلو! یہاں نہیں ہوسکتے۔''

سوال : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس غار میں کتنے روز قیام فرمایا؟

جواب: تین دن۔

سوال : غار سے روانگی کس طرح ہوئی ؟

جواب: تیسرے دن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ دونوں اونٹنیاں

لے کر پہنچا اور یہ حضرات مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ راستہ میں بہت سے معجزات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ظاہر ہوئے جو بڑی کتابوں میں بیان کئے گئے ہیں۔

سوال : غار سے روانگی کی کیا تاریخ تھی اور کون سا دن ؟

جواب: ۴ ربیع الاوّل پیر کا دن۔

سوال : حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑنے میں اور کیا مصلحت تھی ؟

جواب: مکہ کے کفار اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن تھے مگر اس قدر اطمینان اور بھروسہ بھی تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہی امانتیں رکھاتے تھے ان امانتوں کو پہنچانے کے لئے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وہاں چھوڑ دیا تھا۔

سوال : حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کب حاضر ہوئے اور کہاں ؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہنچنے سے تین دن بعد مقام قبا میں۔

سوال : جب تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار میں ٹھہرے رہے اس وقت تک آپؐ کے پاس خبریں پہنچنے اور کھانے پینے کا کیا انتظام رہا؟

جواب: صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بڑے صاحبزادے حضرت عبداللہ رات کو خفیہ طور سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوتے اور دن بھر کی تمام خبریں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنا کر صبح سے پہلے مکہ واپس پہنچ جاتے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا رات کو کھانا پہنچاتی تھیں۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ راستہ بتانے والے کون تھے؟

جواب: عبداللہ بن اُرَیقط جن کو اسی کام کے لئے اُجرت دے کر ساتھ لیا تھا؟

سوال : اس سفر میں کُل کتنے آدمی تھے؟

جواب: چار یعنی چوتھے عامر بن فہیرہ۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے غلام۔

سوال : راستہ میں کھانے پینے کا کیا انتظام ہوا؟

جواب: کسی جگہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دودھ وغیرہ خرید کر ناشتہ کا انتظام کیا اور بعض جگہ معجزات کے ذریعہ خداوند عالم نے اپنے خاص بندوں کا انتظام فرمادیا۔ (۱)

سوال: اس سفر میں کتنے روز صَرف ہوئے؟

جواب: مشہور قول کے بموجب چار دن۔

سوال: کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ سے پہلے کسی اور جگہ بھی قیام فرمایا؟

جواب: مقام قبا میں۔

سوال: قبا مقام کہاں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں کس کے یہاں قیام فرمایا؟

جواب: قبا مدینہ سے اوپر کی طرف ایک بستی ہے اور مشہور یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنوعمرو بن عوف کے قبیلہ میں قیام فرمایا۔ (۲)

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبا میں داخلہ کا دن اور تاریخ کیا تھی؟

جواب: علامہ ابن قیم نے بیان کیا کہ ۱۲ ربیع الاوّل پیر کا دن۔ موسیٰ خوارزمی کا قول ہے کہ ۸ ربیع الاوّل جمعرات کا دن اور فارسی ماہ قیر کی چوتھی تاریخ اور رومی ماہ ایلول ۷۳۳ء اسکندری کی دسویں تاریخ۔ (۳)

سوال: مقام قبا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتنے روز قیام فرمایا؟

۱۔ مثلاً جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معبد کے خیمہ پر پہنچے تو وہاں کچھ سامان نہ تھا۔ خود اُمِ معبد ہی فاقہ سے تھیں، شوہر باہر گئے ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیام فرمایا۔ اُمِ معبد نے معذرت کی کہ میں اپنے معزز مہمانوں کی خدمت نہیں کرسکتی۔ البتہ خیمہ حاضر ہے، آرام فرمایئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں لیٹے تو کنارہ پر ایک دبلی پتلی بکری پر نظر پڑی۔ معلوم ہوا کہ اس کا دودھ بھی خشک ہوگیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے دودھ دوہا، سوکھی بکری نے اتنا دودھ دیا کہ سب سیر ہوگئے اور ایک بھرا ہوا دونا اُمِ معبد کے شوہر کے لئے بچالیا گیا۔

۲۔ زاد المعاد ۱۲ ۳۔ زاد المعاد۔ ج ۱۔ ص ۲۵۰

جواب: روایتیں (۱) مختلف ہیں ۳ یا ۴ یا ۵ یا ۱۴ (۲) یا ۲۲ روز۔

سوال: قبا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کیا کیا؟

جواب: ایک مسجد تعمیر کی جس میں شاہ دو جہاں بھی دوسرے لوگوں کی طرح پتھر اور مٹی ڈھو رہے تھے۔ وہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ساتھیوں کو نماز پڑھائی، تقریر کی۔

سوال: اس سے پہلے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کوئی مسجد تعمیر کی؟

جواب: نہیں۔ یہ مسجد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دست مبارک کی سب سے پہلی مسجد تھی (۳) اور یہ تقریر آزاد اسلامی جلسہ میں سب سے پہلی تقریر۔

سوال: قبا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کس جگہ قیام فرمایا؟

جواب: وادیٔ بنی سالم کے درمیانی حصہ میں۔

سوال: مدینہ طیبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کون سی تاریخ کو داخل ہوئے؟

جواب: ۲۷ ربیع الاوّل (۴) کو باقی اس بارے میں مختلف قول ہیں۔ البتہ یہ بات عام طور سے مشہور ہے کہ ربیع الاوّل میں مکہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم روانہ ہوئے اور ربیع الاوّل ہی میں مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ مفصل اختلافات بڑی کتابوں میں درج ہیں۔

۱۔ لیکن پیر کے روز اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قبا تشریف لے گئے تو چار روز کی روایت صحیح معلوم ہوتی ہے۔ جیسا کہ ابن اسحاق کا قول ہے کہ پیر، منگل، بدھ، جمعرات حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قبا میں قیام فرمایا (زاد۔ ج ۱۔ ص ۱۰۳) اور اگر جمعرات کے روز تشریف لے گئے تو ۱۴ یا ۲۲ کی۔ کیونکہ یہ قریب مسلم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جمعہ کے روز مدینہ میں داخل ہوئے راستہ ہی میں بنو سالم کی مسجد میں نماز جمعہ پڑھی۔ واللہ اعلم ۱۲ منہ۔

۲۔ زاد المعاد۔ ج ۱۔ ص ۲۵۔ ج ۱۔ ۱۲۔ ص ۳۰۷

۳۔ دروس التاریخ الاسلامی و زاد المعاد۔ ج ۱۔ ص ۳۰۷

۴۔ بموجب قول علامہ ابن تیمیہ ملاحظہ ہو۔ زاد المعاد۔ ج ۱۔ ۱۲۔ ص ۲۵

سوال : مدینہ طیبہ میں تشریف لانے کا کون سا دن تھا ؟

جواب: جمعہ۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعہ کی نماز کہاں پڑھی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس وقت کتنے آدمی تھے ؟

جواب: بنی سالم (۱) کی مسجد میں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سو آدمی تھے۔

سوال : مدینہ پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس کے مکان پر قیام فرمایا اور کتنی مدت ؟

جواب: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ماہ قیام فرمایا (۲) اور بعض روایتوں میں چھ اور سات ماہ بھی آتا ہے۔

سوال : اس جگہ قیام فرمانے کی کیا شکل ہوئی ؟

جواب: مدینہ طیبہ میں جب مقدس آفتاب داخل ہوا تو ہر ایک شخص کی آرزو تھی کہ ہمارا گھر اس کا مقام بن جائے۔ چنانچہ اصرار ہونے لگا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی کی مہار پر کھینچا تانی ہونے لگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا چھوڑ دو۔ جہاں یہ بیٹھ جائے گی وہاں میں ٹھہروں گا ، ایسا ہی حکم ہے۔ وہ اتفاق سے بنو نجار قبیلہ میں ٹھہری جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ننہیال بھی تھی۔ آپؐ ان ہی لوگوں میں سے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے ہاں مقیم ہو گئے۔

سوال : اونٹنی کے بیٹھنے کی جگہ خاص کون سی تھی ؟

جواب: جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد ہے۔

سوال : یہ کس کی زمین تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیسے لی اور کس طرح اور کس چیز کی مسجد بنائی ؟

جواب: قبیلہ بنی نجار ہی کے دو یتیم لڑکے تھے۔ سہل اور سہیل اُن کی یہ زمین تھی۔ ان دونوں کی

۱۔ زاد المعاد۔ ج ، ۱۔ ۱۲۔ ص ، ۲۵

۲۔ زاد المعاد۔ ج ، ۱۔ ۱۲۔ ص ، ۲۵

کی یہ خواہش تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مفت لے لیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قیمت لینے پر اُن کو مجبور فرما دیا جو دس دینار طے ہوئی اور پھر مسجد قبا کی طرح سب نے مل کر یہ مسجد بھی بنائی اور اس کے ایک جانب اپنی بیویوں کے لئے مکان بنائے۔ یہ تمام تعمیر کچی اینٹوں اور کھجور کے پتوں کی تھی۔ (۱)

سوال : سب سے پہلا شخص کون ہے جس نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی؟

جواب: حضرت ابوسلمہ ابن عبدالاشہل مخزومی یا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما۔ (۲)

سوال : مدینہ کی کون سی مسجد ہے جس میں سب سے پہلے قرآن شریف پڑھا گیا؟

جواب: بنوزریق کی مسجد۔ (۳)

سوال : سنہ کس کو کہتے ہیں؟

جواب: جس سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ اسی سال سے ایک تاریخ کی ابتداء ڈالی گئی اس کو سنہ کہتے ہیں۔

سوال : یہ ابتداء کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود سے ڈالی تھی یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد کسی اور نے؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں اس سنہ کی ابتداء نہیں ڈالی گئی بلکہ خلیفہ دوم فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں اس سنہ کی ابتداء ڈالی گئی مگر اس کا شروع ہجرت کے سال سے مانا گیا۔

سوال : اس سے پہلے سنوں کا حساب کس طرح کیا کرتے تھے؟

جواب: عرب کا طریقہ تھا کہ کسی بڑے واقعہ سے سنہ کا شروع مان لیا کرتے تھے اور آخر میں اصحابِ فیل کے واقعہ سے ابتداء مانی جاتی تھی۔ (جس کا ذکر پہلے گزرا)

۱۔ زادالمعاد۔ ج ۱، ۱۲۔ ص ۲۵

۲۔ زادالمعاد ۱۲

۳۔ زادالمعاد ۱۲

سوال : سنہ کی پہلی تاریخ اور پہلا مہینہ کون سا ہوتا ہے؟

جواب: یکم محرم الحرام سنہ ہجری کا پہلا دن ہوتا ہے اور محرم کا مہینہ پہلا مہینہ۔

خلاصہ

جب اس بات کا پوری طرح اندازہ ہوگیا کہ مکہ میں رہتے ہوئے تبلیغ اسلام میں کامیابی مشکل ہے اور دشمنوں کی طرف سے قتل کی تیاریاں ہونے لگیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ اوّل خفیہ طور پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہجرت کی اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سفر فرمایا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمراہ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امانتیں پہنچانے اور دوسری مصلحتوں کی غرض سے مکہ میں چھوڑ دیا تھا جو تین روز بعد قبا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ مکہ معظمہ سے نکل کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غار ثور میں تین دن پوشیدہ رہے پھر وہاں سے روانہ ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قبا میں پہنچے تین آدمی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمراہ تھے۔ قبا میں کچھ قیام فرمایا۔ ایک مسجد تعمیر کی جلسہ اور تقریر ہوئی نماز باجماعت ادا کی گئی۔ پھر قبا سے مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ یہاں اوّل اوّل حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر قیام فرمایا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہجرت کے سال سے آغاز مان کر ایک سنہ کی ابتداء ڈالی گئی جس کو سنہ کہتے ہیں۔ یکم محرم الحرام سے یہ سنہ شروع ہوتا ہے۔

مدینہ طیبہ

اہل مدینہ ان کی جاں نثاری اور مدینہ کی مختلف جماعتیں

سوال : مدینہ کہاں ہے اور مکہ سے کتنی دور اور اس کا پہلا نام کیا تھا؟

جواب: ملک عرب میں مکہ سے شمال کی طرف تقریباً ڈھائی سو میل کے فاصلہ پر ایک شہر ہے جس کو پہلے یثرب کہتے تھے اور اب مدینہ کہتے ہیں۔

سوال : مدینہ طیبہ کے رہنے والوں کے مذہب کیا کیا تھے اور مدینہ میں کون کون سے قبیلے آباد تھے؟

جواب: مدینہ طیبہ میں دو مذہب کے لوگ رہتے تھے :

(۱) مشرک (۲) یہودی۔ مشرکوں کے دو خاندان تھے۔

(۱) اوس (۲) خزرج۔ اور یہودیوں کے بڑے بڑے قبیلے تین تھے :

(۱) بنونضیر (۲) بنوقینقاع (۳) بنوقریظہ

سوال : مہاجر کس کو کہتے ہیں اور انصاری کس کو؟

جواب: جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح اپنے وطنوں کو چھوڑ کر مدینہ میں تشریف لائے وہ مہاجر کہلاتے ہیں اور مدینہ کے رہنے والے اوس اور خزرج کے جو لوگ تھے وہ انصاری کہلاتے ہیں۔

سوال : مدینہ کے انصاریوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟

جواب: جیسے پروانے شمع کے ساتھ مطلب یہ ہے کہ خدمت گزاری خیر خواہی اور فدائیگی کی جو جو شکلیں ہو سکتی ہیں وہ انصار نے بخوشی کر دکھائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کے سامنے مال، دولت، بیوی اور بچوں غرض ہر چیز کو یہاں تک کہ

اپنی جانوں کو بھی بھول گئے اُن کے سامنے اگر کوئی چیز رہ گئی تھی تو وہ خدا اور خدا کا رسولؐ اور اُس کے ساتھی۔ ایک انصاری کو اس کی بالکل پرواہ نہ تھی کہ اس کے ننھے ننھے بچے بھوکے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی تمنا یہ ہوتی تھی کہ اس کا مہاجر مہمان شکم سیر ہو جائے، وہ بخوشی تکلیف برداشت کرے، لیکن مہاجر بھائی آرام سے رہے، وہ جان قربان کرے مگر مہاجر کا بال بیکا نہ ہو۔

سوال : اوّل اوّل مہاجرین کے ٹھہرنے اور اُن کے بسر اوقات کی کیا شکل ہوئی؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک ایک مہاجری ایک ایک انصاری میں بھائی چارہ ''مواخات'' قائم کر دیا کرتے تھے جس کے بعد وہ آپس میں حقیقی بھائیوں کی طرح بھائی بھائی مانے جاتے تھے اور ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے۔

سوال : جب ایک انصاری اپنی تمام جائیداد وغیرہ مہاجر بھائی کے سپرد کر کے یہ خواہش کرتا تھا کہ مہاجر بھائی آرام سے بیٹھے اور یہ انصاری خود سے محنت کرے اور کمائے تو اُس کا مہاجر بھائی کیا کہتا تھا؟

جواب: مہاجر بھائی کہتا آپ کی دولت آپ کو مبارک۔ مجھے مزدوری یا تجارت کی کوئی سبیل بتادو اور پھر وہ قوتِ بازو سے کما کر بسر کرتا۔

سوال : وہ ایسا کیوں کرتا؟

جواب: اس لئے کہ اس کی غیرت اس کو گوارا نہ کرتی تھی کہ وہ اپاہج بن کر انصاری بھائی کی دولت پر قبضہ کرے یا اس پر اپنا بار ڈال دے۔

سوال : اس سے کیا سبق ملتا ہے؟

جواب: یہ کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ قوتِ بازو سے کمائے اور دوسرے پر اپنا بوجھ نہ ڈالے۔

سوال : صحابہ رضی اللہ عنہم نے توکل کیوں نہ کیا؟

جواب: وہ پورا توکل کرتے تھے مگر توکل کا یہ مطلب نہیں کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر باپ دادا کی

جائیداد یا لوگوں کی بخشش پر اپاہج بن کر بیٹھ جائیں۔ توکل کے صحیح معنیٰ یہ ہیں کہ اپنی طرف سے پوری پوری کوشش کرنا اور نتیجہ خدا کے سپرد کر دینا اور بھروسہ صرف خدا کی مہربانی پر کرنا نہ اپنی کوشش پر۔

سوال : باہمی بھائی چارے سے ایک دوسرے کے وارث ہونے کا طریقہ کب تک جاری رہا؟

جواب: جب تک رشتہ کی بناء پر میراث تقسیم ہونے کا حکم قرآن پاک میں نازل نہ ہوا۔ (۱)

سوال : انصار نے جو کچھ مال جائیداد اس وقت مہاجرین کو دیا تھا، وہ مہاجرین ہی کے پاس رہا یا واپس بھی کیا گیا اور اگر واپس کیا گیا تو کس وقت؟

جواب: خیبر فتح ہونے کے بعد یعنی جب مہاجرین کو خیبر کی جائیداد مل گئی تو واپس کر دیا گیا۔ (۲)

سوال : اسلام پھیل جانے کے بعد مدینے میں کتنے فرقے ہوگئے؟

جواب: تین فرقے۔ مسلمان، یہودی اور منافق۔

سوال : یہودی کن کو کہتے ہیں؟

جواب: یہودی وہ لوگ تھے جو اپنے آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا امتی کہتے تھے مگر دراصل اُن کا تمام دین مٹ چکا تھا۔ تورات میں بہت کچھ گڑبڑ کر لی تھی۔ خودغرضی، نفس پرستی، لالچ، بُری باتیں وغیرہ وغیرہ اُن کے رگ و ریشہ میں اثر کر گئی تھیں۔ سود عام طور سے لیا کرتے تھے۔ مدینہ کی دوسری قوموں کی تمام جائیداد چٹ کر گئے تھے۔

سوال : منافق کون لوگ تھے؟

جواب: مدینہ کے کچھ ذلیل اور مکار لوگ ایسے بھی تھے جو اپنی اپنی غرض کی خاطر بظاہر مسلمان ہوگئے تھے۔ مگر اُن کے دل کفر کی دلدل میں دھنسے ہوئے تھے اور اسلام کی گندہ دشمنی سے سڑے ہوئے رات دن مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ دینے کی فکر میں رہا کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کو منافق کہا جاتا تھا۔

۱۔ زادالمعاد۔ ج ۱۔۱۲۔ص ۳۰۸

۲۔ زادالمعاد۔ ج ۱۔ص ۳۰۸

سوال : اِن کا سرغنہ کون تھا؟

جواب: عبداللہ بن اُبی بن سلول۔

سوال : مدینہ کے یہودیوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

جواب: مکہ کے کافروں کی طرح یہ بھی اسلام اور مسلمانوں کے پیچھے پڑ گئے۔

سوال : اس دشمنی اور بغض کی کیا وجہ تھی؟

جواب: اسلام کی ترقی۔ کیونکہ اس ترقی کے باعث اُن کے وہ ناجائز فائدے اور شرمناک دباؤ اُٹھتے جاتے تھے جو سود وغیرہ کے باعث مدینہ کے غریبوں پر اُن کو حاصل تھے اور جن کے سبب سے وہ گویا مدینہ کے مالک بن بیٹھے تھے۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں کا فتنہ دبانے کے لئے فوری صورت کیا اختیار فرمائی؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک معاہدہ کرلیا جس کا حاصل یہ تھا :

(۱) یہود کو مذہبی آزادی ہوگی۔

(۲) یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔

(۳) یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

(۴) مدینہ پر حملہ ہو تو دونوں فریق ایک دوسرے کے شریک ہوں گے۔

(۵) کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی اس صلح میں شریک ہوگا۔

(۶) کوئی فریق قریش کو امن نہ دے گا۔

(۷) مسلمانوں کی اگر جنگ ہوگی تو یہودی بھی خرچ میں شامل رہیں گے۔

(۸) مظلوم کی امداد کی جائے گی۔

(۹) اگر کوئی ایسی صورت پیش آجائے جس سے باہمی فساد کا خوف ہو تو اُس کا فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ہوگا۔

سوال : کیا یہودیوں نے اِس کی پابندی کی؟

جواب: قطعاً نہیں۔ بلکہ وہ مکہ کے کافروں اور اسلام کے دوسرے دشمنوں سے برابر سازش کرتے رہے اور اسلام کے درپے رہے۔ چنانچہ بنو قینقاع نے دوسرے سال بنو نضیر نے چوتھے سال اور بنو قریظہ نے پانچویں سال بہت ہی خبیث طریقہ پر بدعہدی کی۔ (تفصیل انشاء اللہ آگے آئے گی)

سوال: مکہ کے لوگوں نے اسلام کی مخالفت کے لئے ہجرت کے بعد کیا چالیں چلیں؟

جواب: (۱) اوس اور خزرج نے ان لوگوں کو جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے مقابلہ کے لئے بھڑکایا۔ چنانچہ ان کے پاس لکھ بھیجا تم نے "محمد" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ٹھہرایا ہے۔ اب لازم ہے کہ اُن کو نکال دو ورنہ ہم سیدھے مدینہ پہنچیں گے اور تمہارے جوانوں کو قتل کر دیں گے۔ عورتوں کو باندیاں بنائیں گے۔

(۲) بدر کی لڑائی میں جب قریش ہار کر واپس ہوئے تو اُنہوں نے مدینہ کے یہودیوں کو لکھا کہ تم قلعوں کے مالک ہو، جائیدادوں پر قابض "محمد" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لڑو۔ ورنہ ہم تمہاری عورتوں کی پازیبیں تک اُتار لیں گے وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ بنو نضیر نے بدعہدی کا ارادہ کر لیا۔ (جس کی تفصیل آگے آئے گی)

(۳) اندر ہی اندر مدینہ کے منافقوں اور یہودیوں نے سازش شروع کی۔

(۴) مدینہ پر چڑھائیاں شروع کر دیں۔

(۵) جب تنہا کامیاب نہ ہو سکے تو تمام عرب کے کافروں اور یہودیوں کو اکٹھا کر کے مدینہ پر چڑھائی کی۔

(۶) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے (معاذ اللہ) قتل کی سازش کی، چنانچہ عمیر نامی مکہ کا ایک شخص بدر کے بعد اسی ارادہ سے مدینہ طیبہ آیا۔(۱)

۱۔ مگر یہ عجیب تماشہ تھا کہ آیا قاتل بن کر اور واپس ہوا مسلمان ہو کر۔ وجہ یہ ہوئی کہ اُس کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ارادہ کو بتا دیا کہ تو اس غرض سے آیا ہے، چونکہ اس کی خبر اس کے علاوہ کسی کو نہ تھی نہ ہونا ممکن تھی، وہ اس معجزہ کو دیکھ کر تائب ہو گیا اور فوراً کلمہ پڑھ لیا۔۱۲

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کفار مکہ کی شرارت کو دفع کرنے کی کیا شکل نکالی؟

جواب: قریش کی تمام اکڑفوں کی بڑی پونجی شام کی تجارت تھی۔ شام جاتے ہوئے مدینہ کے پاس سے گزر ہوتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان قافلوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا تاکہ اُن کی قوت کمزور پڑ جائے اور پریشان ہوں۔

سوال : قریش کے علاوہ مدینہ کے آس پاس کے کافر قبیلوں کی شرارت کس طرح روکی؟

جواب: اُن سے صلح کے معاہدہ شروع کر دیئے چنانچہ بنی حمزہ کے معاہدہ کا تذکرہ آگے آئے گا۔

سوال : کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام قبیلوں سے ایسا کر سکے؟

جواب: نہیں، ورنہ تلوار کی نوبت ہی نہ آتی۔

سوال : وجہ کیا ہوئی؟

جواب: ابھی ایک دو قبیلوں ہی سے معاہدہ کیا تھا کہ قریش کے حملے شروع ہو گئے اور اُنہوں نے آس پاس کے قبیلوں میں بھی اسلام کے کچل ڈالنے کی آگ پیدا کر دی۔

خلاصہ

جب مدینہ میں اسلام پھیلنا شروع ہوا تو مدینہ والوں کے تین حصے ہو گئے۔ مسلمان، یہودی، منافق یہودیوں کے شر کو مٹانے کے لئے اُن سے معاہدہ کر لیا مگر افسوس اُنہوں نے پابندی نہ کی جس کا نتیجہ خود اُن کی تباہی تھی جو مہاجر تھے اُن میں سے ایک مہاجر کا ایک ایک انصاری سے بھاری چارہ قائم کر دیا جو اس وقت تک باقی رہا جب تک میراث اور تقسیم ترکہ کی آیتیں قرآن پاک میں نازل نہ ہولیں۔

جہاد

سوال : جہاد کس کو کہتے ہیں؟

جواب: اسلام اور مسلمانوں کے فائدے کے لئے اور مخالفین کو زک پہنچانے کے واسطے آخری اور پوری پوری کوشش کا نام جہاد ہے۔ خواہ وہ تلوار سے ہو یا کسی اور طرح سے۔ (۱)

سوال: جہاد واجب ہے یا فرض اور اگر فرض ہے تو فرض عین ہے یا فرض کفایہ یعنی فرض نماز کی طرح ہر ایک پر فرض ہے یا نماز جنازہ کی طرح کچھ مسلمانوں کے ادا کر دینے سے سب کی طرف سے ادا ہو جاتا ہے؟

جواب: جہاد فرض ہے۔ البتہ اس ملک پر جہاں مسلمان رہتے ہیں۔ اگر اسلامی حکومت قائم ہو اور امن و امان ہو تو فرض کفایہ ہوتا ہے یعنی اگر مسلمانوں کے کچھ لشکر دوسرے ملکوں پر حملہ کرتے رہیں تو سب سے فرض ادا ہوتا رہے گا اور اگر اس ملک کی اسلامی حکومت خطرہ میں پڑ جائے جاتی رہے تو پھر فرض عین ہو جاتا ہے اور ہر شخص پر اسی طرح فرض ہو جاتا ہے جیسے نماز، روزہ، نماز کی طرح اس فرض کو ادا کرنے کے لئے بھی کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

سوال: فرض جہاد کون سا ہوتا ہے یعنی صرف تلوار، بندوق وغیرہ والا جہاد فرض ہوتا ہے یا دوسرا جہاد بھی (جو ہتھیاروں سے نہ ہو) اسی طرح فرض ہو جاتا ہے۔

۱۔ قال فی بدائع الصنائع فی الجزء السابع کتاب السیر اما الجهاد فی اللغة فعبارة عن ابذال الجهد بالضم وهو الوسع والطاقة او عن المبالغة فی العمل من الجهد بالفتح وفی عرف الشرع یستعمل فی بذل الواسع والطاقة بالقتال فی سبیل الله عزوجل بالنفس والمال، واللسان او غیر ذلک او المبالغة فی ذلک والله اعلم ج، ۷. ص، ۹۸. وهکذا فی کتاب آخر ۲. بدلیل ان نصب الامام فرض علینا کما تبین من کتب العقائد وقال فی رد المحتار کما هو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیهم الکفار کفر ملتبه الان یجب علی المسلمین ان یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه والیا فیولی قاضیا ویکون هو الذی یقضی بینهم . وکذا یصبوا ما یصلی بهم الجمعة رد المحتار ج، ۴. ص، ۳۷۶. قال العبد الضعیف وهذا مسئلة القضاء والامارة الشرعیة التی قام جمیعته علماء ند مجاهدة فی نصبها اللهم انصرهم واعنهم علی عدک وعدوهم . آمین

جواب: جس طرح اسلامی حاکم یا بڑے بڑے علماء کی رائے ہو اسی طرح جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ اگر تلوار سے موقع ہو تو تلوار سے ورنہ مالی نقصان پہنچانا سچی بات کہنا، ایسا کام کرنا جو دشمن کے لئے تکلیف دہ ہو وہ بھی جہاد کے سلسلہ میں آتا ہے۔ (۱)

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تلوار کے علاوہ کیا کسی اور قسم کا جہاد بھی کیا ہے؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اوّل اوّل تلوار کے بغیر جہاد کیا یعنی نرمی کے ساتھ وعظ فرمایا، نصیحت فرمائی، شکوک کو رفع کیا اور اس راہ میں ظلم سہے۔ مار پیٹ برداشت کی مظلوم بن کر ظالموں کا جواب دیا۔ اخلاق کے ذریعہ سے اُن پر اثر ڈالا۔ مکہ مکرمہ کی تمام زندگی مبارک اسی قسم کے جہاد میں گزری۔ (۲) اور لطف یہ ہے کہ قرآن پاک میں اس کو بڑا جہاد قرار دیا گیا۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر تلوار سے جہاد کب فرض ہوا؟

جواب: مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد جب دیکھ لیا کہ اپنی حفاظت اور دشمنوں کے شر کو مٹانے کے لئے تلوار کے علاوہ کوئی چیز کام نہیں دے سکتی۔

۱۔ کما قال اللّٰہ تعالیٰ : ذلک بانهم لا یصیبهم ظمأ ولا نصب . الآیة . سورۂ توبه. وعد ابن القیم رحمة اللّٰه تعالیٰ ثلثة عشر انواعا للجهاد. زاد المعاد من ص ۲۹۰ الی . ص ۲۹۳ جلد ۱.

۲۔ قال العلامة ابن القیم رحمة اللّٰه تعالیٰ . لاریب ان الامر بالجهاد والمطلق انما کان بعد الهجرة فاما جهادا لحجة فامر به فی مکة بقوله فلا تطع الکافرین وجاهدهم به ای بالقرآن جهادا کبیرا فلهذه سورة مکة والجهاد فیها هو التبلیغ وجاهد الحجة ۲۹۰ زاد المعاد ج ۱، ثم قال فی ۲۱۱ ثم فرض علیهم قتال المشرکین کافة وکان محرما جم ماذوناء ثم مامورا به لمن بداهم بالقتال ثم مامورا به بجمیع المشرکین. واهکذا فی مبسوط فقال فیه وکان رسول اللّٰه ﷺ مامورا فی الابتداء بالصفح والارعراض عن المشرکین جم امر بالدعاء الی الدین بالوعظ والمجادلة والاحسن آه مبسوط ج ،۱. ص ،۲. ص ،۳.

سوال : جہاد جس میں بظاہر تباہی ، بربادی اور قتل و خون ہوتا ہے۔ اسلام میں اُس کا حکم کیوں دیا گیا؟

جواب: اس قتل و خون میں جیسے ہی ظالموں کی تباہی معلوم ہوئی ہے۔ اسی طرح یہ فائدے بھی ہیں۔ (۱)

الف۔ مظلوم قومیں ظالم حکومتوں کے ظلم سے نجات پائیں۔ اُن کی فاقہ مستی ، جفاکشی دور ہو اور جانوروں جیسی غلامانہ زندگی سے رہائی پا کر انسانوں کی طرح آرام کی زندگی بسر کرسکیں۔ (۲)

ب (۳) کمزور آدمی جو ظالموں کے خوف سے سچا دین نہیں قبول کرسکتے۔ اُن کے لئے راستہ صاف ہو جائے۔

۱۔ انہی مقاصد کی بناء پر ہر اسلامی لشکر پر جبکہ وہ غنیم کے ملک پر حملہ آور ہو۔ یہ فرض ہوتا ہے کہ اوّل ان کو اسلام کی دعوت دے۔ اگر اس کو قبول نہ کریں تو پھر ان کو دعوت دی جائے کہ وہ تاج اسلام کے شاہنشاہیت تسلیم کر کے معاہدہ کرلیں اور اپنے ملک میں آزاد رہیں۔ یہ بھی نہ ہو تو جنگ اختیار کی جائے مگر جب وہ صلح کی خواہش کریں تو مسلمان بھی صلح پر آمادہ ہو جائیں پھر جنگ کے وقت صرف جنگ کرنے والوں کو قتل کیا جائے۔ سادھو، بوڑھے، عورتیں، بچے غیر جانبدار یعنی جن جن کا جنگ میں حصہ نہ ہو وہ سب محفوظ رہیں گے۔ ہکذا استفادہ من کتب الفقه والحدیث واللّٰہ اعلم بالصواب ۱۲

۲۔ قال اللّٰہ تعالٰی : ولو لا دفع اللّٰہ الناس بعضهم ببعض لفسدت الارض ولکن اللّٰہ ذوفضل علی العالمین سورۃ بقرہ . ع ، ۳۲. وایضا قال اللّٰہ تعالٰی : والفتنة اشد من القتل سورۃ بقرہ. ع ، ۲۴. پ ۲ . وکذلک قال اللّٰہ تعالٰی : لو لا دفع اللّٰہ الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبیع وصلوات و مساجد یذکر فیها اسم اللّٰہ کثیرا. پ ، ۱۷ ع ۶. حج

۳۔ قال اللّٰہ تعالٰی : وقاتلوهم حتی لاتکون فتنة ویکون الدین للّٰہ مع قوله تعالٰی متصلا . فان انتهوا فلا عدوان الاعلی الظالمین. ج ، ۲. سورۂ بقرہ ع ، ۲۴. قوله تعالٰی فان اعتزلو کم فلم یقاتلو کم والقو الیکم السلم فما جعل اللّٰہ لکم علیهم سبیلا. ع ۱۲. سورۂ نساء ۱۲۵

ج (۱)　اسلام اور مسلمانوں کو دشمنوں کے نرغہ سے نجات ملے اور اپنی اور دنیاوی اصلاح اطمینان اور آسانی کے ساتھ کرسکیں۔

د (۲)　دوسری قوموں پر رعب قائم کیا جائے تاکہ اپنی حفاظت ہوتی رہے۔ اسلام کی شوکت برقرار رہے اور اسلامی ممالک دوسروں کے حملوں سے محفوظ رہیں۔

سوال :　غزوہ، جیش اور سریہ میں کیا فرق ہے؟

جواب:　وہ لڑائی جس میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے ہوں، غزوہ کہلاتی ہے اور جیش بڑے لشکر کو کہتے ہیں اور سریہ دستہ کو کہا جاتا ہے جس میں تھوڑے سے سپاہی ہوں۔

سوال :　کیا جیش اور سریہ (۳) کے لئے کوئی خاص مقدار بھی ہے۔

جواب:　رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سفر کرنے والے ساتھی بہتر ہے کہ چار ہوں سریہ چار سو سپاہیوں کا بہتر ہے اور اور لشکر چار ہزار سپاہیوں (۴) والا۔

۱۔　فما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللّٰہ والمستضعفین من الرجال والنساء آہ پ ۵. ۳، ۱۱. سورۂ نساء.

۲۔　قال اللّٰہ تعالیٰ : واعد و الھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل الآیۃ پ ۱۰، ع، ۹ سورۂ انفال. وقال اللّٰہ تعالیٰ : قاتلوا الذین لا یؤمنون باللّٰہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ماحرم اللّٰہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتو الکتاب حتی یعطوا الجزیۃ عن یدوھم صاغرون. پ ۳، سورۂ توبہ . ع، ا. فی المبسوط والمقصود ان یامن المسمون ویتمکتول من القیام بمصالح دینھم ودناھم. ج، ا. ص، ۳.

۳۔　سیر اور مغازی کے مطالعہ کے بعد بآسانی کہا جاسکتا ہے کہ علمائے کرام کی اصطلاح میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر ایک نقل وحرکت جو کسی مقصد کی بناء پر ہو غزوہ ہے اور کسی مسلمان کی نقل وحرکت سریہ کہلاتی ہے۔ خواہ وہ ایک ہی آدمی کیوں نہ ہو۔۱۲

۴۔　علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ جو رات کو چلے اور دن کو چھپ جائے۔ فی السریۃ عدد قلیل یسیرون باللیل ویکتمون بالنھار. والحجیش ھو الجمع العظیم الذی یحیش بعضھم فی بعض قال خیر الاصحاب اربع و خیر السرا یا اربع مائۃ وخیر خیر الجیوش اربعۃ آلاف ولن یغلب اثنا عشر القاعن قلۃ اذا کانت کلمتھم ۱۲ مبسوط ج، ۱۰. ص، ۴.

مگر یہ یاد رہے کہ علماء ذرا ذرا سے دستہ کو بھی سریہ کہہ دیتے ہیں اور یہ بھی ضروری نہیں سمجھتے کہ وہ لڑنے کے لئے ہی گیا ہو بلکہ اگر زمانہ رسالت میں ایک دو آدمی کو کسی واقعہ کی تحقیق کے لئے یا کسی معاملہ پر گفتگو یا کسی شخص کی گرفتاری کے لئے بھیجا گیا ہو تو اس کو بھی سریہ کہہ دیتے ہیں۔

سوال : اسلام میں سب سے پہلا لشکر کون سا تھا؟

جواب: جو ہجرت کے پہلے برس میں ترتیب دیا گیا یعنی ہجرت سے سات مہینے بعد ماہِ رمضان میں۔

سوال : اس کے افسر کون تھے؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محترم چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ۔

سوال : اس میں کُل سپاہی کتنے تھے اور مہاجری تھے یا انصاری؟

جواب: تیس مہاجری۔

سوال : اس لشکر کا جھنڈا کیسا تھا؟

جواب: سفید۔

سوال : جھنڈا کس کے پاس تھا؟

جواب: حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کے پاس۔

سوال : یہ لشکر کس کے مقابلہ میں بھیجا گیا تھا؟

جواب: قریش کے ایک مسلّح قافلہ کے مقابلہ میں جس کا سردار ابوجہل تھا جو شام سے مال لے کر واپس آ رہا تھا۔

سوال : کافروں کے قافلہ میں کتنے آدمی تھے؟

جواب: تین سو۔

سوال : اس مرتبہ جنگ ہوئی یا نہیں؟

جواب: مجدی بن عمرو قبیلہ جہینہ کا ایک بڑا شخص تھا اُس نے بیچ بچاؤ کر دیا اور لڑائی نہیں ہوئی۔

سوال : سب سے پہلا تیر اسلام میں کس نے پھینکا اور کس لشکر میں؟

جواب: اسی سال اگلے ماہ یعنی شوال میں ایک لشکر بطن رابغ (مقام) کی طرف ابو سفیان کے مقابلہ میں بھیجا گیا۔ جس میں سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کفار پر تیر پھینکا۔ اسلام میں یہ پہلا تیر تھا جو کفار پر چلایا گیا۔

سوال: اِس دستہ کا نام کیا ہے، اِس کے افسر کون تھے اور اِس میں کتنے آدمی تھے اور اِس میں فتح ہوئی یا شکست؟

جواب: اس دستہ کو سریہ عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کیونکہ عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ اس کے افسر تھے اور اس میں کُل سپاہی ساٹھ تھے۔ خداوند عالم نے مسلمانوں کو فتح عنایت فرمائی۔

سوال: وہ سب سے پہلا لشکر کون سا تھا جس کے سردار خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے؟

جواب: وہ لشکر جو وڈان اور بنی ضمرہ سے لڑنے گیا تھا جس کو غزوۂ ابوا یا غزوۂ وڈان کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

سوال: یہ واقعہ کون سے سن میں ہوا اور اِس میں کتنے سپاہی تھے اور اِس کا نتیجہ کیا ہوا؟

جواب: یہ واقعہ ہجرت سے دوسرے سال یعنی ۲ھ میں ہوا۔ اس میں ساٹھ سپاہی تھے۔ آپس میں صلح ہوگئی جنگ نہیں ہوئی۔

سوال: ان لشکروں کے سپاہی کون لوگ ہوتے تھے؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہی سپاہی جو ایمان لاتے تھے یعنی ہر ایک مسلمان جیسے نماز روزہ کا پابند ہوتا تھا اسی طرح وہ جہاد کے فرض کو ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا تھا۔ مختصر یہ کہ وہی صحابی جو رات کو ولی اور قطب کی طرح خدا کی عبادت کرتے تھے اور نماز کے وقتوں میں پکے زاہدوں کی طرح نماز کی جماعتوں میں شریک ہوتے تھے۔ جن کے دلوں میں اور زبانوں پر ہر وقت اللہ جل جلالہ کا نام جاری رہتا تھا، وہی اُن لشکروں کے سپاہی بھی ہوتے تھے۔

سوال: اُن سپاہیوں کو کیا تنخواہ دی جاتی تھی اور ہتھیار وردی کہاں سے ملتی تھی؟

جواب: تنخواہ کے نام سے ایک کوڑی بھی ان حضرات کو نہ ملتی تھی بلکہ تنخواہ لینا تو اپنی خدمتوں کو فروخت کر دینا ہے۔ یہ حضرات رضا کار ہوتے تھے جو اپنے اپنے پیشوں سے گزارے کی شکل نکالتے تھے اور وہی اُن کے پھٹے پُرانے کپڑے جنگ کے موقع پر وردی بن جاتے تھے۔ اسی طرح ٹوٹے پھوٹے ہتھیار جو اُن کے پاس ہوتے تھے جنگ میں اُن سے کام لیتے تھے۔

سوال: جب تنخواہ دار سپاہی نہ تھے تو لشکروں کی ترتیب کس طرح ہوتی تھی؟

جواب: ہر ایک شخص فوجی قواعد اور فن سپہ گری سے واقف ہوتا تھا۔ جب ضرورت ہوتی تھی تو خلیفہ کی جانب سے اعلان ہوتا اور اسلام کے نوجوان ہر طرف سے نکل کھڑے ہوتے اور اپنے اپنے نام لکھا دیتے، یہی فوج ہو جاتی۔ اُنہی میں کسی ایک کو لشکر کا سردار بنا دیا جاتا، وہ کمانڈر ہوتا تھا۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ہندوستان، مصر، اندلس، افریقہ، شام، عراق جیسے بڑے بڑے ملکوں کو فتح کرنے والے اسی قسم کے رضا کار تھے۔

سوال: اس طریقہ کا کیا فائدہ ہوا؟

جواب: عام رعایا کی خوشحالی اور فوج کی بے انتہا کثرت، کیونکہ اس صورت میں ضروری ہے کہ ملک کا بچہ بچہ فن سپہ گری اور قواعد جنگ سے واقف رہے تو گویا ملک کا ہر ایک شخص فوج کا سپاہی ہوگا اور جس قدر ملک کے نوجوان ہیں اتنی فوج کی مقدار ہوگی جو ضرورت کے وقت تمام کام انجام دے سکتی ہے۔

اور جب ان سپاہیوں کو تنخواہ نہ دی جائے تو فوج کے خرچ کے مطابق جو رعایا سے لگان وصول کیا جاتا تھا وہ وصول نہ کیا جائے گا اور جب عام رعایا کو کم لگان ادا کرنے پڑے گا تو لامحالہ اُن کی خوشحالی میں زیادتی ہوگی۔(۱)

۱۔ مثلاً ہندوستان کی کُل آمدنی ایک ارب ۱۵ کروڑ ہے یا بیس کروڑ۔ اس میں سے تقریباً ساٹھ کروڑ روپیہ فوج کا خرچ ہے تو کاشتکاروں کو لامحالہ ایک روپیہ کے بجائے دو روپیہ دینے پڑتے ہیں، لیکن اگر ملک کے ہر بچہ کو فنونِ جنگ کی تعلیم دی جائے تو اس فوج کی یقیناً ضرورت نہ ہو بلکہ ساٹھ کروڑ کے بجائے چار پانچ کروڑ میں کام چل جائے اور اب کاشتکار سے اس کی آمدنی کا ۵۰ فیصد لگان لیا جاتا ہے تو پھر ۲۵ فیصد لیا جائے گا۔

سوال : یہ لوگ جنگ میں زبردستی شریک کیے جاتے تھے یا اپنے شوق سے؟

جواب: اپنے شوق سے مسلمان عورتیں اپنے پیارے بچوں کو اسی غرض سے دودھ پلایا کرتی تھیں کہ وہ خدا کے نام پر قربان ہوگا۔ شرکت جہاد کا شوق اُن کی گھٹی کے ساتھ ساتھ اُن کے ذہنوں میں اور ننھے ننھے دلوں میں بٹھا دیا جاتا تھا۔ اسی کا اثر تھا کہ جہاد کے موقعوں پر بڑوں کے ساتھ بچے بھی اپنے نام شوق سے لکھاتے اور کمسنی کے باعث اُن کو واپس کیا جاتا تو وہ مچل جاتے۔ چنانچہ غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت عمیر بن وقاص کو عمر کی کمی کی وجہ سے روک دیا گیا تو اُنہوں نے رو رو کر اور بلبلا بلبلا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اجازت پر مجبور کیا۔ جنگ اُحد کے موقع پر رافع بن خدیج پنجوں کے بل تن کر کھڑے ہوگئے تاکہ لمبائی میں جوانوں کے برابر معلوم ہوں اور جب اُن کو جہاد میں لے لیا گیا تو اُن کے ہم عمر حضرت سمرہ بن جندب نے فوراً عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجھے بھی واپس نہ کیا جائے کیونکہ میں رافع سے قوی ہوں ، اُن کو پچھاڑ لیتا ہوں۔ چنانچہ مقابلہ کرایا گیا تو واقعی سمرہ نے رافع کو پچھاڑ لیا۔ مجبوراً اِن دونوں کو جہاد میں لے لیا گیا۔ (۱) اس قسم کے سینکڑوں واقعات ہیں (۲) جن کو بیان کرنے کے لئے ایک طویل کتاب کی ضرورت ہے۔

۱۔ تاریخ طبری و زاد المعاد وغیرہ ۱۲

۲۔ غزوۂ اُحد ہی کا واقعہ ہے کہ میدانِ جنگ آتش کارزار کی لپٹوں سے گرم ہے۔ ایک بدو صحابی ایک کنارے پر کھڑے ہوئے اطمینان سے چھوارے کھا رہے ہیں۔ غیرت کو جوش آتا ہے، آگے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟ اگر میں اس جہاد میں شریک ہو کر مارا جاؤں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہوا "جنت میں" اِن کلمات کا کانوں میں پڑنا تھا کہ چھوارے الگ پھینک دیئے، چیتھڑوں میں لپٹی ہوئی تلوار نکال کر جنگ میں گھس گئے یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔ اسی طرح زاد المعاد میں حضرت عمیر بن الحمام رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر جب نادار صحابہ سواری نہ ہونے کے باعث ساتھ چلنے سے عاجز رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی اُن کے لئے انتظام نہ کر سکے تو روتے روتے بیتاب ہوگئے اور راتوں کو خداوند عالم سے گڑگڑا کر دعائیں مانگی یہاں تک کہ خدا نے اُن کی دعا

اسلامی لڑائیاں

سوال : کتنی لڑائیوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ نفس نفیس تشریف لے گئے؟

جواب: علامہ مغلطائی کے قول کے بموجب وہ لڑائیاں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے ۲۳ ہیں اور بعض نے اُن کی تعداد ستائیس بتائی ہے۔

سوال : وہ لڑائیاں یا دستے جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف نہیں لے گئے کتنی ہیں؟

جواب: علامہ مذکور کے قول کے بموجب چوالیس اور اس سے زیادہ کی بھی روایتیں ہیں۔

سوال : جن لشکروں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے اُن میں سے کتنے لشکروں میں لڑائی ہوئی اور اُن کے نام کیا کیا ہیں؟

جواب: ۹ لشکروں میں۔ اُن کے نام یہ ہیں :

(۱) بدر کی پہلی لڑائی (۲) بدر کی دوسری لڑائی (۳) جنگ اُحد
(۴) جنگ احزاب یا خندق (۵) جنگ بنی قریظہ (۶) جنگ بنی مصطلق
(۷) جنگ خیبر (۸) جنگ حنین (۹) جنگ طائف۔

سوال : باقی لڑائیوں میں کیا ہوا؟

جواب: صلح ہوگئی یا کوئی اور صورت پیش آگئی جس سے دشمن دب گئے اور لڑائی نہ ہوسکی۔

سوال : اِن لڑائیوں کے یہ نام کس طرح رکھے گئے؟

جواب: بدر، اُحد، حنین وغیرہ مقام یا قبیلوں کے نام ہیں جس جگہ یا جس قبیلہ سے لڑائی ہوئی اس کے نام پر لڑائی کا نام رکھ دیا گیا۔

قبول فرمائی اور سواری کا انتظام ہوگیا۔ زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۵۔ غزوۂ اُحد میں جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (خدانخواستہ) شہید ہوگئے تو حضرت انس بن نضر فوراً پکار اُٹھے۔ اب زندگی بے کار اور اپنے ساتھیوں کو خبر دی کہ میں جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں۔ فوراً ہی دشمنوں کی صف میں گھس پڑے اور تقریباً نوے زخم کھا کر شہید ہوگئے۔ ۱۲

سوال : کتنی لڑائیوں میں مسلمانوں کو فتح ہوئی ؟

جواب: اسلام کے جھنڈے پر خداوند عالم کا ہمیشہ فتح کا پھریرا لہراتا رہا۔ صرف جنگ اُحد میں غلطی سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کہنا نہ ماننے کے باعث شکست ہوئی اور پھر جنگ حنین میں اوّل اوّل کچھ مسلمان پیچھے ہٹ گئے تھے۔ پھر اس میں بھی خدا نے فتح ہی عنایت فرمائی۔

۱ھ کی بڑی بڑی لڑائیاں اور مشہور واقعات

سوال : ۱ھ میں کتنے غزوے ہوئے اور کتنے دستے بھیجے گئے؟

جواب: غزوہ کوئی نہیں۔ البتہ دو دستے بھیجے گئے یعنی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا دستہ اور حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کا دستہ۔

سوال : ۱ھ کے اور بڑے بڑے واقعات کیا ہیں؟

جواب: (۱) مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی (۲) اذان کی تعلیم (۳) مشہور لوگوں میں سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔

۲ھ

قبلہ کی تبدیلی غزوۂ بدر وغیرہ

سوال : وہ سب سے پہلا دستہ کونسا تھا جس نے غنیمت حاصل کی؟

جواب: حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا دستہ۔

سوال : اس میں کتنے آدمی تھے اور وہ مہاجر تھے یا انصاری اور اُن کے سردار کون تھے؟

جواب: ۱۲ مہاجر۔ سردار حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ۔

سوال : یہ دستہ کہاں گیا تھا؟

جواب: نخلہ مقام پر۔

سوال: اس دستے کو بھیجنے کا مقصد کیا تھا؟

جواب: ایک قریش قافلہ کا مقابلہ۔

سوال: یہ واقعہ کون سے مہینہ میں ہوا؟

جواب: ماہِ رجب میں۔

سوال: کیا رجب کے متعلق عرب کا کوئی خاص عقیدہ بھی تھا؟

جواب: چار مہینوں کو عرب کے آدمی "اشہر حرام" کہا کرتے تھے اُن کی تعظیم کی جاتی تھی اور اُن میں لڑائی حرام مانی جاتی تھی۔ اُن میں سے ایک رجب تھا باقی تین یہ تھے ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم۔

سوال: اس عقیدہ سے کیا کوئی فائدہ بھی تھا؟

جواب: عرب کے باشندے رات دن لوٹ مار۔ لڑائی جھگڑے میں مشغول رہتے تھے۔ آمدنی کا ذریعہ صرف ڈاکہ اور لوٹ ہی تھی اس وجہ سے عرب کی زمین عرب والوں پر تنگ تھی۔ ڈاکہ اور لوٹ کے باعث تجارت اور سفر مشکل تھا۔ اس عقیدے کے باعث اُن کو چار ماہ کے لئے کسی قدر سانس لینے کا موقع مل جاتا تھا یہی اِس کا فائدہ تھا۔

سوال: اس لڑائی کا کیا نتیجہ ہوا؟

جواب: مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی، قافلہ کا سردار مارا گیا۔ دو آدمی گرفتار ہوئے باقی بھاگ گئے اور بہت سا سامان مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

سوال: اس سامان کا کیا ہوا؟

جواب: دستہ کے لوگوں پر تقسیم کر دیا گیا اور پانچواں حصہ اسلامی خزانہ (بیت المال) کے لئے محفوظ کر دیا گیا۔

سوال: کیا اس سے پہلے بھی مسلمانوں کو غنیمت کا مال ملا تھا یا کسی کو قتل اور قید کیا تھا؟

جواب: نہیں۔ اسلام میں یہ پہلی غنیمت تھی اور ایک دشمن کا سب سے پہلے قتل ہوا تھا اور سب

سے پہلے دو قیدی گرفتار ہوئے تھے۔

سوال : جب رجب کے متعلق کفار کا یہ عقیدہ تھا کہ لڑنا حرام ہے تو مسلمانوں کو اس لڑائی پر اُنہوں نے کیا کہا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اس کا کیا اثر ہوا؟

جواب: ان لوگوں نے بہت کچھ اعتراض کئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی اس کا رنج ہوا۔

سوال : اسلامی فیصلہ اس کے متعلق خداوند عالم کی جانب سے کیا ہوا؟

جواب: ایک آیت نازل ہوئی جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ کہہ دیا جائے کہ اِن مہینوں میں لڑنا بُری بات ہے مگر اعتراض کرنے والے اپنے گریبان میں تو منہ ڈالیں۔ (۱) دوسروں کو راہِ خدا سے روکنا (۲) خود خدا سے کفر کرنا (۳) لوگوں کو مسجد حرام خانہ کعبہ سے روکنا (۴) گھر والوں کو اور خاص کر اللہ ﷻ کے پاک اور محفوظ شہر کے رہنے والوں کو اُن کے شہروں سے نکالنا۔ یہ تمام کام جو رات دن ان اعتراض کرنے والوں کا مشغلہ ہیں اور جن سے بہت بڑا فتنہ پھیل رہا ہے۔ یہ تو اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔

خلاصہ

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا دستہ سب سے پہلا دستہ ہے جس نے غنیمت حاصل کی۔ اسی دستہ نے سب سے پہلے دو آدمی گرفتار کئے اور ایک کو قتل کیا۔ اس میں ۱۲ مہاجر تھے۔ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اس کے سردار تھے، اس کو مقام نخلہ پر قریش کے قافلہ کی خبر لانے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ وہاں اتفاقی جنگ پیش آگئی۔ یہ جنگ اتفاق سے رجب میں پیش آئی جس پر کفار نے بہت کچھ اعتراض کئے کیونکہ اُن کے عقیدہ کے بموجب اس مہینہ میں جنگ حرام تھی مگر اُنؐ کے مظالم کے مقابلہ میں اس اعتراض کی یہی کیفیت تھی کہ کھسیانی بلی کھمبا نوچے۔

غزوۂ بدر

سوال : بدر کیا ہے اور اس لڑائی کو غزوۂ بدر کیوں کہتے ہیں؟

جواب: بدر ایک کنویں کا نام ہے۔ اسی مناسبت سے اس گاؤں کو بھی بدر کہتے ہیں جو اس کے پاس آباد ہے۔ اس لڑائی کا نام اس لئے بدر رکھا گیا کہ اس کے قریب ہوئی تھی۔

سوال : بدر مدینہ سے کتنے فاصلہ پر ہے؟

جواب: اَسّی میل۔

سوال : اس جہاد کی وجہ اور روانگی کی مختصر کیفیت بیان کرو؟

جواب: یہ بات پہلے معلوم ہوچکی ہے کہ ہجرت کے بعد مکہ کے کافر اسلام اور مسلمانوں کو کچل ڈالنے کے لئے پہلے سے زیادہ طرح طرح کے منصوبے کر رہے تھے۔ اس کے نقصانات سے بچنے کے واسطے مسلمانوں کے لئے یہی تدبیر ضروری تھی۔ یہ بھی معلوم ہوچکا کہ مسلمانوں نے ایک تدبیر یہ نکالی تھی کہ مکہ والوں کے قافلے جو مدینے کے پاس سے گزر کر شام جاتے تھے اُن کو تنگ کیا جائے تاکہ اُن کی تجارت کو نقصان پہنچے جو اُن کی کمر کو مضبوط کرنے والی اور غرور کو تقویت دینے والی تھی۔

ایسا ہوا کہ ہجرت سے دوسرے برس یہ معلوم ہوا کہ قریش کا ایک بڑا قافلہ سامان لے کر شام سے واپس آرہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے ساتھیوں کو لے کر اس کے مقابلہ کے لئے نکلے اور "روحا" مقام پر جا کر پڑاؤ ڈالا۔

مگر قافلہ کے سردار کو اُس کی خبر ہوگئی۔ اُس نے کنارے کنارے دوسرا راستہ اختیار کرلیا اور ایک سوار مکہ بھیج دیا کہ قافلہ مسلمانوں کی وجہ سے خطرہ میں ہے۔ مکہ کے کافر پہلے سے تیار تھے وہ فوراً روانہ ہوگئے۔ اس طرف جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خبر ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ اوّل مہاجرین سے مشورہ کیا۔ اُنہوں نے بڑے جوش سے آمادگی کا اظہار کیا۔ اُس کے بعد دوسری اور تیسری مرتبہ مشورہ کیا جس کا جواب بھی اسی

طرح جوش اور قوت سے دیا گیا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد تھا کہ انصاری بھی جواب دیں۔ جب انصار نے اس کو تاڑا تو فوراً قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اُٹھے اور عرض کیا۔ خدا (۱) کی قسم اگر حکم ہو تو ہم سمندر میں کود پڑیں۔ ''مقداد رضی اللہ عنہ'' بولے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم آپؐ کے دائیں بائیں، آگے پیچھے سے لڑیں گے۔ ہم وہ نہیں کہ کہہ دیں کہ آپؐ اور آپؐ کے خدا جا کر جنگ کرلیں، ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آمادگی اور جوش سے بہت خوش ہوئے اور روانگی کا حکم فرمایا:

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار کے جواب کے کیوں منتظر تھے؟

جواب: کیونکہ ان سے یہ معاہدہ ہوا تھا کہ مدینہ میں ہر ایک قوم سے وہ آپؐ کی حمایت میں جنگ کریں گے اور یہ مدینہ سے باہر کا واقعہ تھا۔

سوال : ''روحا'' مدینہ سے کس طرف ہے اور کتنی دور؟

جواب: جنوب کی طرف مدینہ سے ۴۰ میل۔

سوال : بدر پہنچ کر اسلامی لشکر نے کیا دیکھا؟

جواب: دیکھا کہ مکہ کے کافروں کا بہت بڑا لشکر بڑے ساز وسامان کے ساتھ پہلے ہی پہنچ چکا ہے اور میدانِ بدر کے بہت عمدہ موقع پر قبضہ کرلیا ہے۔ جہاں پانی وغیرہ سب طرح کا آرام ہے۔

۱۔ پورا جواب یہ ہے کہ میں انصار کی نمائندگی کرتا ہوں عرض کرتا ہوں جس سے آپؐ چاہیں تعلقات قائم کریں جس سے آپؐ چاہیں توڑیں، جس سے چاہیں صلح کریں، جس سے چاہیں جنگ کریں۔ ہم ہر حالت میں آپؐ کے ساتھ ہیں۔ ہماری جانیں ہمارا مال آپؐ پر نثار۔ جتنا چاہیں ہمیں دیں جتنا چاہیں آپؐ لیں جو آپؐ لیں گے وہ زیادہ پیارا ہوگا۔ اس مال سے جو ہمارے پاس رہ جائے گا۔ زاد المعاد۔ ج ۱۔ ص، ۳۴۷۔ یہ ہے شان اسلام غور کرو۔۱۲

سوال : مسلمانوں کو جو جگہ ملی وہ کیسی تھی ؟

جواب: مسلمانوں کے ٹھہرنے کے لئے میدان کا وہ حصہ رہ گیا تھا جو بہت ریتلا تھا جس میں چلنا بھی مشکل تھا اور پانی کا بھی قحط تھا۔

سوال : فتح اور امداد خداوندی کا وعدہ اس موقع پر کس طرح ظاہر ہوا؟

جواب: خدا نے بارش برسا دی جس سے کافروں کے ٹھہرنے کی جگہ پر بہت کیچڑ ہوگئی اُن کو چلنا پھرنا مشکل ہوگیا۔ مسلمانوں کی طرف میدان کا ریت دب گیا تمام برتن پانی سے اچھی طرح بھر گئے اور ایک حوض سا بنا کر اس میں پانی اکٹھا کرلیا۔ اب میدان کا اچھا حصہ مسلمانوں کی طرف تھا اور بُرا حصہ کافروں کی طرف۔

سوال : یہ لشکر مدینہ سے کون سی تاریخ کو روانہ ہوا؟

جواب: ۱۲ رمضان المبارک بروز پنج شنبہ یا بروز اتوار (۱) مطابق ۸ مارچ ۶۲۴ء

سوال : بدر کب پہنچا؟

جواب: ۱۷ کی شب کو بوقت عشاء (۲)

سوال : لڑائی کون سی تاریخ اور کون سے دن ہوئی ؟

جواب: ۱۷ رمضان المبارک بروز جمعہ (۳) یا بروز منگل (۴) مطابق ۱۳ مارچ ۶۲۴ء

سوال : اسلامی لشکر کی تعداد کتنی تھی اور کفار کے لشکر کی کتنی؟

جواب: مسلمان کُل تین سو تیرہ تھے (۵) اور کفار نو سو پچاس۔

۱۔ بقول علامہ ابن قیم کیونکہ ۱۷ کو جمعہ مانا ہے۔۱۲ زاد المعاد ج ۱۔ ص ۳۴۸

۲۔ زاد المعاد۱۲۔ ج ۱۔ ص ۳۴۷

۳۔ زاد المعاد۔ ج ۱۔ ص ۳۴۸ وغیرہ۔۱۲

۴۔ جدول رحمۃ اللعالمین۔۱۲

۵۔ اس عدد میں خدا نے خاص برکت رکھ دی ہے مسند احمد اور صحیح ابن حبان کی ابوذر رضی اللہ عنہ والی روایت کے بموجب انبیاء ومرسلین یعنی رسولوں کی تعداد بھی یہی ہے۔ اگرچہ کُل انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی گئی ہے۔ زاد المعاد ج ۱۔ اور طالوت کے لشکر کی تعداد بھی ۳۱۳ تھی جس نے اسی طرح فتح حاصل کی تھی۔۱۲

سوال : ۳۱۳ مسلمان کس کس جماعت کے کتنے کتنے تھے؟

جواب: مہاجر چھیاسی۔ انصار قبیلہ اوس کے اکسٹھ۔ قبیلہ خزرج کے ایک سو چھیاسٹھ (۱)

سوال : سامانِ جنگ کی تفصیل بیان کرو؟

جواب: کفار کے پاس سات سو اونٹ۔ سو گھوڑے سوار اور تمام اسلحہ اور زرہ اور خودوں کے باعث گویا ہر ایک فوجی لوہے میں ڈوبا ہوا تھا اور اس کے مقابل مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے (۲) ستر اونٹ (۳) اور چند تلواریں۔

سوال : لشکر اسلام کے سردار کون تھے اور اس لڑائی کو غزوہ کہا جائے گا یا سریہ؟

جواب: خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ لہٰذا غزوہ ہوا۔

سوال : لشکر کفار کا سردار کون تھا؟

جواب: ابوجہل۔

سوال : اسلام کا جھنڈا کس کس کے پاس تھا؟

جواب: بڑا جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس۔ ایک چھوٹا جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عنایت کیا گیا اور انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو۔

سوال : اس لڑائی کا نتیجہ کیا رہا؟

جواب: مسلمانوں کو خداوند عالم نے بہت بڑی فتح عنایت فرمائی۔ ستر کافر مارے گئے۔ جن میں مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن اور کافروں کا سب سے بڑا سردار ابوجہل بھی تھا جس نے ہجرت کے وقت حضرتؐ کے قتل کا مشورہ دیا تھا۔ ابوجہل کے علاوہ گیارہ آدمی ان لوگوں میں سے مارے گئے۔ جنہوں نے ہجرت کے وقت قتل کے مشورہ میں شرکت کی تھی اور ۷۰ کافر گرفتار ہوئے اور بہت سا سامان مسلمان کے ہاتھ آیا۔

۱۔ علامہ ابن قیم نے ۱۷۰ بتائے ہیں۔ اس صورت میں کُل ۳۱۷ ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۲

۲۔ ایک حضرت زبیر بن عوام کا دوسرا حضرت مقداد بن اسود کندی کا رضی اللہ عنہما۔ ۱۲

۳۔ زاد المعاد۔ ج ۱، ص ۳۲۶۔ ۱۲

سوال : اس جنگ میں کتنے انصاری شہید ہوئے ، کتنے مہاجر اور کُل مسلمان کتنے ؟

جواب: ۸ انصاری (٦ قبیلہ خزرج کے دو قبیلہ اوس کے) اور چھ مہاجر کُل ۱۴۔

سوال : جو کافر قید کئے گئے تھے اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا اور کہاں رکھا گیا؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دو دو چار چار کر کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے سپرد کر دیا اور عام خیالات (۱) کے بالکل برخلاف زبان رحمت سے ارشاد صادر ہوا کہ اِن کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

سوال : آقائے دو جہاں کے ارشاد کی کس طرح تعمیل کی گئی ؟

جواب: سبحان اللہ ! یہ منظر قابل دید تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنا اور اپنے عزیز بال بچوں کا پیٹ معمولی چھواروں سے بھر رہے تھے مگر ارشاد آقا کی تعمیل میں ان ناجنس مہمانوں کو اپنی حیثیت کے بموجب اچھے سے اچھا کھانا کھلا رہے تھے۔ اُن لوگوں کے پاس کپڑے نہ تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کو کپڑے دلوا دیئے مگر حضرت عباس کا قد اس قدر لانبا تھا کہ کسی کا کرتہ اُن کے بدن پر ٹھیک نہ آیا تو منافقوں کے سردار عبداللہ بن اُبی نے اپنا کرتہ دے دیا۔ (۲)

سوال : حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا حضرت عباس اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے داماد حضرت ابوالعاص جو اس وقت تک کافر تھے اور بدر میں گرفتار کئے گئے تھے اُن کے ساتھ سب کے برابر سلوک کیا یا کچھ فرق تھا؟

جواب: اسلام کے احکام میں بادشاہ اور فقیر۔ بادشاہ کے رشتہ دار اور عام رعایا سب برابر ہیں۔ ہاں محبت کا اثر یہ ضرور تھا کہ رات کے وقت جب تسموں اور قید کی تکلیف سے حضرت

۱۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ وہی گردن زدنی مجرم ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ ڈالنے کی ہمیشہ کوشش کرتے رہے اور اب بھی اسی غرض سے آئے تھے۔

۲۔ عبداللہ بن ابی کے انتقال کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک کرتہ اس کو پہنایا تھا۔ علماء کا خیال ہے کہ اسی احسان کا معاوضہ ملحوظ تھا۔ ۱۲ منہ

عباس رضی اللہ عنہ کے کراہنے کی آواز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گوش مبارک میں پہنچی تو نیند اُڑ گئی مگر اسلامی احکام کی برابری طبعی محبت پر غالب تھی۔

سوال : ان لوگوں کی رہائی کس طرح ہوئی ؟

جواب: مشورہ کے بعد طے ہوا کہ (۱) مقدور والوں سے چار چار ہزار درہم یعنی تقریباً ایک ہزار روپیہ لے کر چھوڑ دیئے جائیں (۲) امیروں سے (۱) کچھ زائد (۳) اور مفلسوں کی رہائی کا فدیہ (معاوضہ) یہ قرار دیا گیا کہ وہ مسلمانوں کے دس بچوں کو پڑھا دیں (۲) اور رہا ہو کر چلے جائیں۔

سوال : مسلمانوں کے اس برتاؤ سے کیا کیا نتیجے پیدا ہوئے ہیں؟

جواب: (۱) اسلامی رواداری (۲) دشمنوں پر احسان (۳) اخلاق کے ذریعہ سے اسلام کی تبلیغ (۴) تعلیم کی اہمیت اور ضرورت۔ چنانچہ کافروں کو اُستاد بنانے سے بھی پرہیز نہ کیا گیا۔

سوال : حالت جنگ کی مختصر کیفیت بیان کرو؟

جواب: زمین اور آسمان دنیا کی تمام عمر میں ایک نیا تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ میدان کے ایک کونے پر چند آدمی کھڑے ہوئے ہیں۔ کپڑے پھٹے ہوئے چہرے فاقوں سے مرجھائے ہوئے۔ پاؤں ننگے کوئی صرف لنگی باندھے ہوئے ہے، کسی کے بدن پر پھٹا ہوا کرتا ہی

۱۔ اتفاق سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس جماعت میں داخل تھے، لہٰذا ان سے زائد لیا گیا۔ حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ نہ تھا تو اُن کی زوجہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی زینب جو مکہ میں مقیم تھیں ان کو اطلاع دی۔ صاحبزادی صاحبہ نے ایک ہار بھیج دیا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو دیکھا تو آنسو بھر آئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا اگر آپ سب راضی ہوں تو زینب کے پاس اُس کی والدہ کی یادگار واپس کردوں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بخوشی قبول کرلیا اور ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے کہہ دیا کہ حضرت زینب کو مدینہ بھیج دیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔۱۲

۲۔ یہ ہے ارشاد نبویؐ کا مظہر کہ علم وحکمت مسلمان کی گمشدہ پونجی ہے جہاں ملے لے لے اور یہ ہے اسلام کا عام رحم وکرم جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔۱۲

ہے، چند آدمیوں کے ہاتھ میں چیتھڑوں سے لپٹی ہوئی تلواریں اور باقی ہیں کہ اُن کے ہاتھ میں لاٹھیاں، ڈنڈے۔

لطف یہ ہے کہ دنیا بھر میں دس پانچ کے علاوہ کل یہی ہیں نہ کوئی مددگار ہے نہ غمخوار نہ کمک پہنچانے والا نہ زخمیوں کے پٹی باندھنے والا شہید ہوں تو دفن کرنے والا بھی کوئی نہیں نہ فتح پر کوئی ہوس نکالنے والا ہے نہ شکست پر کوئی اُن کے ساتھ مل کر رونے والا۔ اللہ رے ہمت .....ٹوٹے پھوٹے ہیں مگر استقلال کے پہاڑ ہیں۔ مچلے ہوئے ہیں کہ ہم حق پر ہیں، سچے نبی کے پیرو، فتح ہماری ہے، بدن ننگے ہیں مگر اللہ ﷻ کی حفاظت پر دلیر۔ حقیقت یہ ہے کہ مقابلہ سخت سے سخت ہے، امتحان بہت کٹھن، دنیا یقیناً اس کی مثال سے خالی۔ (۱)

اُن کا سردار ایک جھونپڑی کے نیچے زمین پر سر رکھے ہوئے ہے، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، زبان پر فتح کی دعا بار بار یہ الفاظ ادا کر رہا ہے، خدایا یہ مٹھی بھر تیرے پوجنے والے بندے۔ اگر آج مٹا دیئے گئے تو دنیا میں کوئی تیرا نام لینے والا نہ رہے گا۔ خداوندی وعدوں سے خوش بھی ہے مگر اس کی بے نیازی کا خوف بھی دل میں بیٹھا ہوا ہے، اسی میدان کے دوسری طرف خونخوار نوجوانوں کا بھاری لشکر پہاڑ کی طرح جما ہوا ہے۔ عیش اور دولت کی رونق چہروں پر آنکھوں میں تکبر اور غرور کی مستی سروں پر لوہے کے خود ہیں، زرہوں کی جگمگاہٹ سے گویا سمندر لہریں مار رہا ہے، ہتھیاروں کی چمک سے آنکھیں چکا چوند ہو رہی ہیں۔

عربی گھوڑوں پر سواروں کا دستہ آگے ہے۔ سات سو اونٹ پیچھے جن پر بلا کے تیر انداز جمے ہوئے سینکڑوں کی مقدار میں پیادہ فوج چاروں طرف ابوجہل، عتبہ، شیبہ، امیہ بن خلف جیسے جرنیل مناسب موقعوں پر اُن کی کمان کر رہے ہیں۔ ایک ایک سردار ہے کہ

۱۔ یہی وجہ ہے کہ ان تین سو تیرہ حضرات کا مرتبہ سب سے بلند اور اُن کے نام نامی آج تک مسلمانوں کی مشکلات کے لئے حرز جان۔ ۱۲ منہ

سارے لشکر کی رسد اپنے ذمہ لئے ہوئے۔

ارادہ کئے ہوئے ہیں کہ مٹھی بھر ننگے اور نہتے فقیروں کو پلک جھپکتے خاک میں چھپا دیں گے آن کی آن میں اُن کے دھڑوں کو زمین پر تڑپا دیں گے۔ مگر بے خبر ہیں کہ خدا کی طاقت اُن تمام مادی آلائشوں سے بالکل پاک ہے۔ اس کی امداد ہتھیاروں اور اونٹ گھوڑوں کے جھگڑوں سے بہت بالا۔

اسی متکبر جماعت میں سے تین بہادر (۱) نکلتے ہیں۔ غرور کے لہجے میں پکارتے ہیں ''کون ہے جو ہمارے مقابلہ پر آئے'' لشکر اسلام میں سے تین جانباز (۲) بہادر آگے بڑھتے ہیں مگر یہ تینوں انصاری ہیں۔ تکبر کی حد ہوگئی کہ یہ غرور کے بدمست پتلے، ناک چڑھا کر پکارتے ہیں ''نہیں'' ہماری برادری کے نوجوان سامنے آئیں، ان لوگوں سے مقابلہ ہماری توہین ہے۔ فوراً حضرت حمزہ، حضرت علی، حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہم بھوکے شیر کی طرح میدان میں آکر گرجتے ہیں، ایک طرف ستھری میانوں سے دوسری طرف چیتھڑوں سے تلواریں نکلتی ہیں اور ایک دوسرے کے خاتمہ کے لئے آگے بڑھتے ہیں، لیکن جگمگاہٹ کی چکا چوند سے جب دیکھنے والوں کی آنکھیں کھلیں تو دیکھا کہ تینوں کافر زمین پر ڈھیر ہیں۔ البتہ مسلمانوں میں سے صرف حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ سخت زخمی ہیں۔

جن کو حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے فوراً مونڈھے پر بٹھا لیا۔ محبوب رب العالمین کی رحمت نے فوراً شفقت کی گودی میں چھپالیا۔ پائے مبارک پر تکیہ لگا کر اُن کو لٹا دیا۔ دست مبارک سے چہرہ کی گرد صاف فرمائی۔ شہید وفا نے یہ انداز دیکھا تو اپنی موت بھول گیا۔ آنکھیں قدموں سے رگڑیں اور اپنی خوش قسمتی پر ناز کرتا ہوا دنیا سے رخصت ہوا۔ اس کے بعد دونوں فوجیں حرکت میں آئیں۔ گھمسان لڑائی کا آغاز ہوا۔ مگر جب

۱۔ عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ بن ربیعہ۔ ولید بن عتبہ۔ ۱۲ زاد ج، ا۔ ص، ۳۳۸

۲۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ۔ حضرت عوف بن عفراء۔ حضرت معوذ بن عفراء۔ ۱۲ زاد المعاد۔ ج، ا۔ ص، ۳۳۸

تلواریں سوتی گئیں تو عجب تماشہ تھا۔ اپنے عزیز و اقارب جگر کے ٹکڑے آنکھوں کے نور تلوار کے سامنے تھے۔

مگر ایک طرف خدا اور اُس کے سچے مذہب کے نام پر اگر تمام رشتہ ناتے ختم ہو چکے تھے تو دوسری طرف تکبر، غرور، خود غرضی، کفر و ظلم کی سیاہیوں نے محبت اور پیار کے نور کو مٹا دیا تھا۔ بہر حال ایک گھمسان لڑائی کا نتیجہ حق والوں کی فتح تھی جس کا بہت پہلے وعدہ کیا گیا تھا۔

سوال : ابو جہل کی موت کس طرح ہوئی ؟

جواب: معوذ اور معاذ دو انصاری حقیقی بھائی تھے (رضی اللہ عنہما) ان دونوں نو عمروں نے عہد کیا تھا کہ ابو جہل کو بغیر مارے نہ چھوڑیں گے۔ مگر خود ابو جہل کو نہ پہچانتے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے دریافت کر کے اس کو پہچانا۔ باز کی طرح اس پر ٹوٹ پڑے اور ایک ہی وار میں زمین پر تڑپا دیا۔ (۱)

سوال : اس جنگ کا فائدہ کیا ہوا ؟

جواب: (۱) بڑا فائدہ یہ تھا کہ مسلمانوں کی تھوڑی سی جماعت جواب تک کسی شمار میں نہ لائی جاتی تھی اب ایک مستقل قوم بن گئی۔

(۲) اس کی دھاک تمام قریش پر چھا گئی۔

(۳) عرب کی نظر اس کی طرف خاص وقعت سے پڑنے لگی۔

۱۔ ابو جہل کا لڑکا عکرمہ (جو بعد میں اسلام سے مشرف ہوئے) پیچھے سے لپکا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا مونڈھا اس کے حملے سے کٹ گیا صرف ایک تسمہ باقی رہ گیا، لیکن یہ ہمت کا دیوتا اب بھی اسی طرح مصروف جہاد تھا۔ جب لٹکتے ہوئے مونڈھے سے فریضہ جہاد کی ادائیگی میں کچھ الجھن پیدا ہوگئی تو ہاتھ کو پاؤں کے نیچے دبا کر اس تسمہ کو بھی الگ کر دیا اور ایک ہاتھ سے تلوار چلاتا ہوا صف میں گھس گیا اور فتح و نصرت کے جلو میں تھوڑی دیر بعد بارگاہِ رسالت پناہ میں حاضر ہوا۔ ۱۲ منہ

سوال : کیا اس فتح نے مسلمانوں کی مشکلات میں کچھ اضافہ بھی کر دیا۔

جواب: اسلام کی مشکلات میں اضافہ ضروری تھا کیونکہ.....

(۱) کفار قریش پہلے سے زیادہ مقابلہ کے لئے مستعد ہو گئے۔

(۲) چنانچہ مدینہ کے یہودیوں پر پہلے سے زیادہ سختی کے ساتھ زور دیا کہ مسلمانوں کی مخالفت کریں۔

(۳) ابوسفیان نے عہد کرلیا کہ جب تک مسلمانوں سے بدلہ نہ لوں گا سر نہ دھوؤں گا۔(۱)

(۴) عرب کے دوسرے قبیلے بھی اب چوکنے ہو گئے۔

(۵) خاص کر مدینہ کے یہودیوں کے کینہ اور کپٹ کی کوئی حد نہ رہی۔

(۶) بالآخر قبیلہ بنو قینقاع نے فوراً ہی بدعہدی شروع کر دی اور پھر اسی سال جنگ کا اعلان کر دیا۔

سوال : بنو قینقاع کے اعلانِ جنگ پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس طرح مقابلہ کیا اور نتیجہ کیا ہوا؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے قلعہ کا محاصرہ کیا کیونکہ مقابلہ سے بچ کر یہ لوگ قلعہ بند ہو گئے تھے۔مگر پھر محاصرہ سے تنگ ہو کر شام چلے گئے۔

سوال : یہ محاصرہ کب شروع ہوا، کتنے روز رہا، اس عرصہ میں مدینہ کا خلیفہ کون رہا اور جھنڈا کس کے پاس تھا؟

جواب: ۱۵ شوال ۲ھ روز سنیچر سے یہ محاصرہ شروع ہوا جو پندرہ روز متواتر رہا۔
حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ علمبردار تھے اور مدینہ کے خلیفہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ ۔

۱۔ زاد المعاد۔ ج ۱۔ ص ۳۱

سوال : ان لوگوں کی تعداد کیا تھی اور کیا کام کرتے تھے؟

جواب: تقریباً چھ سو مرد لڑ سکنے والے تھے اور باقی بوڑھے بچے عورتیں اُن کا پیشہ تجارت اور زرگری تھا۔

سوال : اس سال کُل غزوے کتنے ہوئے اور کتنے دستے روانہ کئے گئے؟

جواب: غزوے کُل پانچ اور دستے تین۔

۲ھ کے بڑے بڑے واقعات

سوال : اس سال کے اور بڑے بڑے واقعات کیا ہیں؟

جواب: (۱) مسلمان بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ ہجرت سے سولہ ماہ بعد ۲ھ میں حکم ہوا کہ اب کعبہ کی طرف رخ کیا جائے۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی جو عرصہ سے بیمار تھیں اور جن کی بیماری کے باعث حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بدر کی شرکت سے روک کر فرمایا تھا کہ بیمار کی تیمارداری کرو۔ مگر ثواب جنگ بدر کے جہاد کا ملے گا۔

سب انبیاء سے افضل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ عجیب امتحان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں جنگ میں مصروف ہیں اور صاحبزادی کوچ میں مشغول۔ چنانچہ اس مبارک فتح کی خبر مدینہ طیبہ میں اس وقت پہنچی جبکہ صاحبزادی صاحبہ کو دفن کر کے لوگ مٹی سے ہاتھ جھاڑ رہے تھے۔ (۱)

(۳) روزے (۴) زکوٰۃ (۵) صدقہ فطر (۶) عید و بقرعید کی نماز کا حکم (۷) قربانی (۸) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح۔

۱۔ مبسوط و سرخسیؒ۔ ج ۱،

خلاصہ

قریش کے قافلہ کو جو شام سے آرہا تھا روکنے کے لئے ۱۲ رمضان ۲ھ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے روانہ ہوئے، لیکن وہ قافلہ راستہ کاٹ کر نکل گیا اور کفار مکہ کا ایک بڑا لشکر مقام بدر پر مقابلہ کے لئے آپہنچا۔ ۱۷ رمضان ۲ھ کو بدر کا مشہور واقعہ پیش آیا۔ جس میں مسلمان کُل تین سو تیرہ تھے جن کے پاس کُل دو گھوڑے تھے اور ستر اونٹ ایک ایک اونٹ پر کئی کئی آدمی سوار تھے اور چند تلواریں دوسری طرف ایک ہزار کے قریب جوان تھے۔ تمام ساز و سامان سے آراستہ خداوند عالم نے اس موقع پر مسلمانوں کو بہت بڑی فتح عنایت فرمائی۔ قریش کے وہ سردار جنہوں نے ہجرت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا مشورہ دیا تھا جن کی تعداد چودہ تھی۔ اُن میں سے گیارہ مارے گئے جن میں ابوجہل بھی تھا۔ ۵۹ آدمی اِن کے علاوہ مارے گئے، ستر کافر گرفتار کئے گئے۔ مسلمان کُل ۱۲ شہید ہوئے جو ستر گرفتار ہوئے تھے اُن کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ فدیہ کی مقدار چار ہزار درہم تھی۔ امیروں پر اس سے کچھ زائد اور جن کے پاس کچھ نہ تھا اُن کا فدیہ یہ قرار دیا گیا کہ دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔

۳ھ
جنگ غطفان واحد وغیرہ

سوال : ۳ھ کی بڑی اور مشہور لڑائیاں کون سی ہیں؟

جواب: جنگ غطفان اور جنگ اُحد۔

سوال : جنگ غطفان کسی حملہ کا جواب تھا یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حملہ؟

جواب: حملہ کا جواب تھا۔

سوال : حملہ کس نے کیا تھا؟

جواب: دعثور نے۔

سوال : دعثور کون تھا اور غطفان کسے کہتے ہیں؟

جواب: دعثور ایک شخص کا نام ہے جس کے باپ کا نام حارث تھا اور قبیلہ بنی محارب کا رہنے والا۔ (۱) اور غطفان ایک قبیلہ کا نام ہے۔

سوال : یہ حملہ کیوں ہوا اور کہاں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے جواب میں کیا کیا اور نتیجہ کیا ہوا؟

جواب: اس حملہ کی وجہ کفار کا وہی ارادہ تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیا جائے جس کو بدر کی فتح نے اور بھی زیادہ مضبوط اور چست کر دیا تھا چنانچہ "دعثور" ایک بڑی جماعت کو لے کر مدینہ کی طرف چلا کہ مسلمانوں کو زک پہنچائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم ہوا تو آپؐ مقابلہ کے لئے مدینہ سے باہر تشریف لائے مگر "دعثور" اور اس کے ساتھی رعب کھا کر پہاڑوں میں جا چھپے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مطمئن ہو کر میدان سے واپس ہوئے۔

سوال : یہ حملہ کب ہوا اور دعثور کے لشکر کی تعداد کتنی تھی؟

جواب: ربیع الاوّل ۳ھ کو ہوا اور دعثور کے ساتھ ۴۵۰ آدمی تھے۔

سوال : یہ لوگ کون سے قبیلہ کے تھے؟

جواب: قبیلہ بنی ثعلبہ اور بنی محارب کے۔ (۲)

سوال : دعثور کی واپسی کفر کی حالت میں ہوئی یا مسلمان ہو کر؟

جواب: مسلمان ہو کر۔

۱۔ درود التاریخ الاسلامی ۲۔ درود التاریخ الاسلامی

سوال : وہ کس طرح مسلمان ہوا ؟

جواب: اس سفر میں اتفاقاً کچھ بارش ہوگئی تھی۔ میدان سے واپس ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کپڑے اُتارے اور ایک درخت پر سوکھنے کے لئے ڈال دیئے۔ شاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کے سایہ میں آرام فرمانے کے لئے زمین پر لیٹ گئے۔ لشکر کے آدمی کچھ فاصلہ پر تھے۔ دعثور نے پہاڑ کے اوپر سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تنہا دیکھا اور موقع مناسب سمجھ کر فوراً حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سرہانے پہنچا اور تلوار کھینچ کر بولا ''بتاؤ اب تمہیں کون بچائے گا؟'' ''میرا خدا!'' یہ اس سچے رسولؐ کا جواب تھا جو اپنے خدا پر پورا پورا بھروسہ رکھتا تھا۔ مگر نہ معلوم ان چند سادہ کلموں میں کیا تاثیر تھی کہ دعثور کانپ اُٹھا، تلوار ہاتھ سے چھوٹ گئی اور ششدر رہ گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تلوار ہاتھ میں اُٹھالی اور فرمایا ''بتاؤ تمہیں کون بچائے گا؟'' دعثور خاموش تھا کیونکہ اُس کا بھروسہ ظاہری طاقت پر تھا وہ خدا کو نہ پہچانتا تھا اور وہ اب کفر کی عاجزی اور بے چارگی کو محسوس کر رہا تھا۔ اس کے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہ تھا ''کوئی نہیں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اُس کی بے چارگی پر رحم آیا اور معاف فرما کر چھوڑ دیا۔ مگر اس سچائی اور سچے بھروسے کا اس پر اتنا اثر ہوا کہ نہ صرف وہ خود مسلمان ہوگیا بلکہ اپنی قوم کے لئے اسلام کا زبردست مبلغ بن گیا۔

یہ تھے اخلاق اس مقدس رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جو اخلاق ، شرافت کو مکمل کرنے کے لئے آیا تھا۔

خلاصہ

۳ھ میں دعثور نے بنومحارب اور بنوثعلبہ کے قبیلوں سے ۴۵۰ آدمی لے کر مدینہ پر چڑھائی کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کے مقابلہ کے

لئے باہر تشریف لائے تو وہ پہاڑوں میں چھپ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کامیابی کے ساتھ واپس ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کا دعثور پر ایسا اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہو کر واپس ہوا اور پھر اسلام کی تبلیغ کرتا رہا۔

جنگ اُحد

سوال : اُحد کس کو کہتے ہیں اور اس لڑائی کا جنگ اُحد کیوں نام ہے؟

جواب: مدینہ کے قریب ''اُحد'' ایک پہاڑ کا نام ہے اسی جگہ حضرت ہارون علیہ السلام کی قبر بھی ہے اور چونکہ یہ لڑائی اس مقام پر ہوئی تھی۔ اس وجہ سے اس جنگ کو جنگ اُحد کہتے ہیں۔

سوال : یہ لڑائی کن لوگوں سے ہوئی اور کب ہوئی؟

جواب: مکہ کے کافروں سے ۷ شوال ۳ھ روز دوشنبہ۔

سوال : اس جنگ کی وجہ کیا تھی؟

جواب: جنگ بدر کی شکست کا بدلہ لینا جس کا کافر (۱) اسی وقت سے انتظام کر رہے تھے۔

سوال : اس لڑائی میں کتنے مسلمان تھے کتنے کافر؟

جواب: مسلمان سات سو اور کافر تین ہزار۔

سوال : کیا منافق بھی شریک ہوئے تھے؟

جواب: شروع میں تین سو منافق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلے تھے جس سے مسلمانوں کے لشکر کی تعداد ایک ہزار ہوگئی تھی مگر اُن کا سردار عبداللہ بن ابی بن سلول غداری کر کے راستہ ہی سے سب کو واپس لے آیا۔

۱۔ چنانچہ مکہ میں یہ اعلان کیا گیا کہ جب تک بدلہ نہ لے لیں اس وقت تک اپنے مرے ہوئے عزیز کو کوئی نہ روئے۔ اسی طرح ابوسفیان نے غسل نہ کرنے کا عہد کیا تھا جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ ۱۲ منہ

سوال : مسلمانوں اور کافروں کا سامانِ جنگ بیان کرو؟

جواب: کافروں کے پاس سات سو زرہیں تھیں۔ دو سو گھوڑے، تین ہزار اونٹ اور چودہ عورتیں جو جوش اور غیرت دلا کر جذبہ انتقام کی آگ بھڑکا رہی تھیں، مسلمانوں کے پاس صرف پچاس گھوڑے تھے۔

سوال : اسلامی لشکر کا جھنڈا کس کے پاس تھا؟

جواب: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس۔

سوال : اسلامی لشکر کے سردار تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے مگر لشکر کفار کا سردار کون تھا؟

جواب: ابوسفیان۔

سوال : مدینہ کا خلیفہ کون ہوا؟

جواب: حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار کے اس حملہ کی کیسے خبر ہوئی؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو اسلام لا چکے تھے مگر ابھی تک مکہ ہی میں رہتے تھے اُنہوں نے تمام حالات لکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیج دیئے۔ آپ نے فوراً دو آدمی تحقیقات کے لئے روانہ کئے جنہوں نے آ کر خبر دی کہ کفار کا لشکر مدینہ کے پاس آ پہنچا اور عینین مقام پر ٹھہرا ہوا ہے۔

سوال : اس لڑائی کی تفصیلات بیان کرو؟

جواب: چونکہ شہر پر حملہ کا خوف تھا، لہٰذا اطلاع پاتے ہی شہر کے ہر طرف پہرہ بٹھا دیا گیا۔ پھر صبح کو صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ مدینہ میں رہ کر مقابلہ کیا جائے یا باہر نکل کر طے یہ ہوا کہ مقابلہ کے لئے باہر نکلا جائے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سات سو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ روانہ ہوئے۔ مقابلہ پر پہنچے تو دونوں طرف سے صفیں مرتب کی گئیں۔

چونکہ ''اُحد'' پہاڑ اسلامی فوج کی پشت پر تھا اور اس طرف سے حملہ کا خطرہ تھا، اس لئے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پچاس آدمیوں کو وہاں کھڑا کر دیا اور یہ تاکید فرما دی کہ مسلمانوں کو فتح ہو یا شکست مگر تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو اُن کا افسر مقرر فرما دیا۔ لڑائی شروع ہوئی اور گھمسان کی لڑائی دیر تک رہی (۱) جب فوجیں کچھ ہٹیں تو مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا اور قریش کی جماعت بچھڑ گئی تھی۔ مسلمان آگے بڑھے اور مال غنیمت جمع کرنا شروع کر دیا۔

پہاڑی والا دستہ بھی یہ دیکھ کر جھپٹا، اُن کے سردار نے بہت کچھ روکا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تاکید یاد دلائی۔ مگر یہ جواب دیا کہ جب فتح ہوگئی تو اب کیا خوف مگر عبداللہ بن جبیر اور اُن کے ساتھ چند آدمی بدستور پہاڑی پر رہے۔

خالد بن ولید قریش کے بڑے جرنیل تھے (جو ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے) اُنہوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور فوراً ایک دستہ لے کر پہاڑی پر پہنچ گئے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور باقی ماندہ چند ساتھیوں نے بے جگری سے مقابلہ کیا۔ مگر آخر کار شہید ہوگئے اور خالد بن ولید اپنے دستہ کے ساتھ پشت کی طرف سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ سامنے کی طرف سے بھاگتے ہوئے کافر بھی ٹھہر گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان بیچ میں آگئے اور دونوں طرف سے کافروں کا ایسا سخت حملہ ہوا کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ رہی مسلمان مسلمان کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ اسلامی فوج کے علمبردار حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی اسی میں شہید ہوگئے، لیکن فوراً ہی شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اسنبھال لیا۔

ایک وحشت ناک نظارہ

یہ خبر مشہور ہوئی کہ (نصیب دشمناں) حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شہید ہوگئے۔ اس خبر سے اسلامی فوج میں اور بھی مایوسی چھا گئی، بڑے بڑے بہادروں نے ہتھیار ڈال دیئے

۱۔ حتیٰ کہ کفار کے جھنڈے پر سات یا نو آدمی مارے گئے۔ زاد المعاد۔ ج ۱۔ ص ۲۴۳۔

لیکن ہاں اس خیال نے کہ پیارے آقا کے بعد زندگی بے کار ہے۔ جو سب سے پہلے حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کے دل میں پیدا ہوا۔ اُنہوں نے چمن جنت کی مہک سونگھی اور اسی میں تیر وتلوار اور نیزہ کے تقریباً نوے زخم کھا کر ہمیشہ کے لئے مست ہو گئے۔ مگر وہ خیال ایک بارود تھا۔ جس نے مایوسی کی سوزش کو جوش اور استقلال کا شعلہ بنا کر بھڑکا دیا۔ بیٹھے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

تلواریں سونتیں اور پھر بھوکے شیر بن گئے۔ یہاں تک کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن مالک کی مشتاق آنکھ اس قبلہ مقصود کے نظارہ سے مشرف ہوگئی جس کا دیدار آج تمام مسلمانوں کی آنکھوں کے لئے آخری تمنا بنا ہوا تھا۔ مشتاق دیدار کا تڑپتا ہوا دل برداشت نہ کرسکا، بے اختیار ایک آواز نکلی۔ مسلمانو! مبارک ہو تمہاری گردنوں کے مالک، سروں کے تاج اور روحوں کے آقا خیریت سے ہیں۔

مبارک آواز کا سننا تھا کہ بے جان مسلمانوں کی روحیں قالبوں میں اچھل پڑیں ایک تازہ زندگی کی لہر نے مایوسیوں کا خاتمہ کر دیا۔ اُکھڑے ہوئے قدم جم گئے۔ سرفروش صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے مالک کی طرف دوڑے مگر ساتھ ہی اس خبر نے کفار کے حملہ کا رخ سب طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف کر دیا پے در پے حملے شروع ہوگئے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم محفوظ رہے۔ اسی دوران میں جبکہ ایک مرتبہ کفار کا حملہ بہت سخت تھا۔ شاہِ دو جہاں کی زبان مبارک سے یہ ارشاد صادر ہوا۔

کون مجھ پر جان دیتا ہے۔ فوراً پانچ گردنیں جھکیں (۱) جن میں حضرت زیادہ بن سکن بھی تھے اور بے جگری سے مقابلہ کرتے ہوئے قدموں پر نثار ہوگئے۔ مگر قریش کا بہادر عبداللہ بن قمئہ (۲) گھات لگا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہنچ ہی گیا۔ چہرۂ انور پر

۱۔ یہ کم سے کم تعداد ہے۔ سات اور دس کی روایتیں بھی ہیں۔ ۱۲

۲۔ اور عتبہ بن ابی وقاص۔ زاد المعاد۔ ص، ۳۴۳

تلوار سے حملہ کیا جس سے ''خود'' کی دو کڑیاں روئے مبارک میں گھس گئیں۔ ایک دندانِ مبارک (۱) بھی شہید ہوگیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو لے لیا۔ (۲)

زخمی آفتاب سے ''خود'' کی کڑیاں نکالنے کے لئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جھپٹے مگر ابوعبیدہ بن جراح نے قسم دی ''خدا کے لئے اس خدمت کا موقع مجھے عنایت ہو'' کڑیاں اس قدر گڑی ہوئی تھیں کہ ہاتھ سے نکالنا مشکل ہوا۔

دانتوں سے ایک کڑی نکالی جس سے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا ایک دانت گر گیا۔ دوسری کڑی نکالنے کے لئے پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے، لیکن فداء حق ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے دانتوں کا شوق شہادت ابھی سیر نہ ہوا۔ اُنہوں نے پھر قسم دے کر فوراً ہی دوسری کڑی بھی دانتوں میں لے لی جس سے نکالنے کے ساتھ دوسرا دانت بھی نذر کر دیا، لیکن مشتاق شہادت چہرۂ انور کی دو کڑیوں کے مقابلہ میں دو دانتوں کو کیا سمجھ سکتا تھا۔ (۳)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد ماجد حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے خون کو چوسنا شروع کر دیا۔ اگرچہ وہ اس سے بہت زیادہ تھا مگر ایک قربان ہونے والے دل کا ولولہ تھا۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عام شفقت

کفار کا حملہ اس حالت میں بھی کم نہ تھا، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چھائے ہوئے تھے اور اُن کی تلواروں اور تیروں کو اپنی پشت اور پہلوؤں پر لے رہے تھے۔ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ جھک کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ڈھال بن گئے تھے۔

۱۔ دانت نیچے کا تھا۔ زاد المعاد۔ ج ۱۔ ص ۳۴۳

۲۔ اس گھمسانی میں حضور (روحی فداہ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس گڑھے میں گر پڑے جو ابو عامر نے کھود کر پاٹ رکھا تھا مگر فوراً ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دست مبارک پکڑا۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ نے بغل بھرلی۔ (زاد المعاد۔ ج ۱۔ ص ۳۴۳)

۳۔ کنز العمال۔ زاد المعاد

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے ایک پہلو تیروں اور تلواروں کے سامنے کر دیا تھا۔ چنانچہ اُن کا ہاتھ کٹ کر گر گیا، لیکن وہ ایک گوشت کا ٹکڑا تھا جو مست نظارہ کے بدن سے گر گیا بعد میں دیکھا گیا تو جانباز طلحہ کے بدن پر ستر زخم تھے۔ بدبخت کفار حسد اور بغض کی آگ تیروں اور تلواروں سے برسا رہے تھے اور خبیث کینہ کی خونی پیاس بجھانے کی ہر طرح کوشش کر رہے تھے۔ مگر جو نبی تمام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا اس کی رحم پرور زبان اب بھی اسی دعا میں مشغول تھی۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ

ترجمہ : ''اے میرے پروردگار میری قوم کو معاف فرما، وہ جانتے نہیں۔''

خون کے فوارے چہرۂ انور سے جاری تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوری احتیاط فرما رہے تھے کہ کوئی قطرہ زمین پر نہ گرے ورنہ خدا کا قہر نبی کے خون کا بدلہ لے گا اور ساری قوم تباہ ہو جائے گا۔

سوال : کفار کی فوج میں سے پہلے کس نے حملہ کیا؟

جواب: ابو عامر فاسق (۱) نے جس کا نام عبداللہ بن عمرو بن صیفی تھا۔

۱۔ یہ ابو عامر دراصل مدینہ کے رہنے والا تھا اور اسلام سے پہلے قبیلہ اوس کا سردار تھا جب مدینہ میں اسلام کا چرچا شروع ہوا اور لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرویدہ ہونے لگے تو یہ حسد کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کھلم کھلا دشمنی کرنے لگا۔ آخر کار مدینہ سے نکل کر چلا گیا اور قریش سے جا ملا۔ ان کو ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمنی پر اور مسلمانوں سے جنگ کرنے پر بھڑکاتا رہا۔ اُس نے اس جنگ کے موقع پر قریش کو اطمینان دلایا تھا کہ جب میری قوم مجھ کو دیکھے گی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ چھوڑ کر میرے ساتھ آ ملے گی، لیکن یہاں جب اپنی قوم کو بلانا چاہا تو معاملہ برعکس تھا۔ کہنے لگا میرے بعد میری قوم بگڑ گئی پھر سختی سے مقابلہ کیا۔ اس کو ابو عامر راہب سادھو کہا جاتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو ''ابو عامر فاسق'' کہا۔

۱۲ زاد المعاد۔ ج ۱، ص ۲۴۳

سوال : اس غزوہ میں شکست کیوں ہوئی ؟

جواب: باہمی اختلاف اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد گرامی کی تعمیل نہ کرنے سے۔ جیسا کہ پہلے معلوم ہوا۔

سوال : اس سے کیا سبق حاصل ہوا ؟

جواب: سردار اور جرنیل کا حکم ماننا لازم ہے مگر یہ کہ کھلم کھلا غلطی ہو یا شریعت کے خلاف ہو۔

سوال : اس لڑائی میں کتنے مسلمان شہید ہوئے اور کافر کتنے مرے؟

جواب: ستر مسلمان شہید ہوئے اور کافر ۲۲ یا ۲۳ مرے۔

سوال : اس سال میں اور کتنی لڑائیاں ہوئیں غزوے کتنے اور سریہ کتنے ؟

جواب: ایک غزوہ اور ہوا یعنی غزوۂ حمراء الاسد اور دو سریے۔

سوال : اس سال کے اور بڑے بڑے واقعات کیا ہیں؟

جواب: (۱) ام المومنین حضرت حفصہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہما سے نکاح

(۲) شراب حرام ہوئی

(۳) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

سوال : یہ نکاح کس کس ماہ میں ہوئے ؟

جواب: حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے شعبان میں اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے رمضان میں۔

خلاصہ

۷ شوال روز دوشنبہ ۳ھ میں اُحد پہاڑی کے پاس وہ مشہور جنگ ہوئی جس کو جنگ اُحد کہتے ہیں جس میں کفار مکہ نے تین ہزار فوج کی جمعیت سے غزوۂ بدر کا بدلہ لینے کے لئے مدینہ پر حملہ کیا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اطلاع سے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خبر ہوئی تو مشورہ کے بعد

خدا کے نام پر سات سو مسلمان مقابلہ کے لئے نکلے۔ اوّل اوّل عبداللہ بن ابی منافق بھی تین سو کی فوج مسلمانوں کے ساتھ لے کر چلا تھا مگر پھر غداری کی اور راستہ ہی سے واپس ہوگیا۔ مسلمان اسی بے سروسامانی میں تھے اور کافروں کے پاس سات سو زرہیں تھیں۔

دو سو گھوڑے تین ہزار اونٹ جوش کی یہ حالت تھی کہ چودہ عورتیں بھی قومی ترانے پڑھنے کے لئے ساتھ آئی تھیں۔ بہرحال فوجیں ترتیب دی گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دستہ پچاس آدمیوں کا اسلامی فوج کی پشت کی طرف اُحد پہاڑی پر بٹھا دیا کہ اس طرف سے حملہ نہ ہوسکے۔ اوّل اوّل مسلمانوں کو فتح ہوئی اور غنیمت کا مال لینا بھی شروع کر دیا مگر پھر شکست ہوئی حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زخمی ہوگئے۔ دندان مبارک شہید ہوگئے۔ عبداللہ بن قمئہ نے موقع پا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تلوار سے حملہ کر دیا، چہرۂ انور میں خود کی دو کڑیاں گھس گئیں جن کو ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اپنے دانتوں سے نکالا مگر اُن کے دو دانت بھی گر گئے۔ کفار تیر برسا رہے تھے جن کو صحابہ رضی اللہ عنہ کا ہجوم اپنے اوپر لے رہا تھا۔ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ حملوں کے سامنے کمر کئے ہوئے تھے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بازو پر تیروں اور تلواروں کے حملے لے رہے تھے۔ بازو شل ہوگیا اور ستر زخم بدن مبارک پر آئے۔ یہ سب کچھ ہو رہا تھا مگر رحمت عالم کی زبان مبارک پر اب بھی یہی تھا۔ خدایا میری قوم کو معاف فرما، وہ مجھے پہچانتے نہیں۔

شکست کی وجہ صرف پشت والے دستہ کی غلطی تھی۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطلب غلط سمجھا اور جلد بازی سے کام لیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

۴ھ

خونِ بے گناہ

سوال : ۴ھ میں کتنے غزوے ہوئے اور کتنے دستے روانہ کئے گئے؟

جواب: دو غزوے ہوئے۔ بنو نضیر کا غزوہ اور بدر کی چھوٹی لڑائی اور چار دستے روانہ کئے گئے۔

سوال : بنو نضیر تو مدینہ کے یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا اس سے جنگ کیوں ہوئی اور کس طرح ؟

جواب: پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ یہودیوں نے اس معاہدہ کی پابندی نہ کی تھی جو امن و امان قائم رکھنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ تشریف لانے کے بعد فوراً ہی کرلیا تھا۔ اس کی مخالفت پہلے تو بنو قینقاع نے کی ، چنانچہ اُن کو نکلنا پڑا۔ اب بنو نضیر نے کی ، لہٰذا اُن کو بھی جلاوطن ہونے کا حکم دیا گیا مگر عبداللہ بن ابی اور یہودیوں کے دوسرے قبیلے ''بنو قریظہ'' کے اُبھارنے سے اُنہوں نے جنگ کی تیاری کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن پر چڑھائی کی وہ لوگ قلعہ بند ہوگئے۔ کچھ دن اُن کا محاصرہ رہا۔ آخر کار مجبور ہو کر جلاوطنی کو منظور کرلیا۔

سوال : کیا ان لوگوں کو سامان لے جانے کی بھی اجازت تھی یا سامان ضبط کرلیا گیا ؟

جواب: حکم یہ ہوا کہ ہتھیاروں کے علاوہ جس قدر سامان وہ اونٹوں پر لاد کر لے جاسکیں وہ لے جائیں۔ (۱)

سوال : مدینہ کا خلیفہ کس کو قرار دیا اور یہ محاصرہ کتنے روز رہا؟

جواب: خلیفہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو بنا دیا گیا تھا اور محاصرہ چھ روز رہا۔

سوال : اُنہوں نے بدعہدی کس طرح کی ؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کی سازش کی۔

۱۔ زاد المعاد۔ ج ،۱۔ص ،۳۲۳۔۱۲

سوال : اس سازش کی تفصیل بیان کرو؟

جواب: ۴ ھ کا ذکر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک قومی چندہ کے سلسلے میں بنونضیر کے محلہ میں تشریف لے گئے۔ اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک دیوار کے نیچے بٹھا دیا اور ایک شخص ابن حجاش نامی کو متعین کر دیا کہ وہ اوپر سے ایک بھاری پتھر پھینک کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا خاتمہ کر دے۔

سوال : پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس طرح بچ گئے ؟

جواب: خداوند عالم نے آپؐ کو اس شرارت سے مطلع فرما دیا۔

سوال : یہود کے ذاتی بغض اور کینہ کے علاوہ کیا اس کا سبب کچھ اور بھی تھا ؟

جواب: قریش کے کفار کا ایک خط بھی اس کا سبب تھا جو اُنہوں نے بدر کی شکست کے بعد مدینہ کے نام لکھا تھا۔

سوال : اس خط کا مضمون کیا تھا ؟

جواب: تم طاقتور ہو۔ تمہارے پاس قلعے بھی ہیں۔ تم "محمدؐ" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لڑو، ورنہ ہم تمہارے ساتھ بھی ایسا اور ایسا کریں گے۔ تمہاری عورتوں کی پازیب تک اُتار لیں گے۔

سوال : بنونضیر مدینہ سے کس طرح نکلے اور پھر کہاں جا کر بسے؟

جواب: چھ سو اونٹوں پر اپنا اسباب لادا اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے گرایا۔ باجے بجاتے ہوئے نکلے اور خیبر جا بسے۔

سوال : اُن کی جائیدادوں اور زمینوں کا کیا ہوا ؟

جواب: بحق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضبط کر لی گئی۔

سوال : اُن کے پاس سے کتنے ہتھیار ملے ؟

جواب: پچاس زرہیں، پچاس خود، تین سو چالیس تلواریں۔ (۱)

۱۔ زاد المعاد۔ ج ۱۔ ص ۳۲۳

سوال : چار دستے جو اس سال بھیجے گئے اُن میں بیر (۱) معونہ والا دستہ سب سے زیادہ کیوں مشہور ہے؟

جواب: کیونکہ اس میں ستر صحابہ رضی اللہ عنہم حفاظ قرآن کو انتہائی بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا۔

سوال : ان لوگوں کو کہاں بھیجا گیا تھا اور کیوں اور لوگوں نے کس وجہ سے شہید کر دیا؟

جواب: اصل یہ ہے کہ ان حضرات کو نجد والوں کی تبلیغ کے لئے بھیجا گیا تھا مگر جب یہ حضرات اس مقام پر پہنچے جو بیر معونہ کے نام سے مشہور ہے تو چند قبیلے لڑائی کے لئے کھڑے ہو گئے اور اتفاق سے ایسا ہوا کہ ایک ''حضرت کعب بن زید رضی اللہ عنہ'' کے علاوہ سب حضرات شہید کر دیئے گئے۔

سوال : اس دستے کے سردار کون تھے؟

جواب: منذر پسر عمرو انصاری رضی اللہ عنہ۔

سوال : کیا اس دستے کی روانگی میں کسی کی سازش بھی تھی؟

جواب: ابو براء عامر کا فریب تھا۔ اُس نے یقین دلایا تھا کہ یہ تبلیغ کامیاب ہوگی اور یہ لوگ محفوظ رہیں گے کیونکہ نجد کا حاکم میرا بھتیجا ہے مگر پوشیدہ طور پر قبائل کو قتل کے لئے آمادہ کئے ہوئے تھا۔

سوال : وہ قبیلے کون تھے جنہوں نے یہ ظلم کیا؟

جواب: عامر، رعل، ذکوان، عصیہ۔

سوال : یہ روانگی کب ہوئی؟

جواب: ماہِ صفر ۴ ھ میں۔

سوال : اس سال کے اور بڑے بڑے واقعات کیا ہیں؟

۱۔ بیر معنیٰ کنواں اور بیر معونہ ایک کنواں ہے نجد کی جانب۔ ۱۲ منہ

جواب: (۱) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش۔

(۲) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ یہود کی لکھائی سیکھ لیں۔ (۱)

خلاصہ

۴ ھ میں بنو نضیر نے اپنی عداوت اور قریش کے بھڑکانے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کی سازش کی جس پر اُن کو مدینہ سے نکال دیا گیا اور وہ خیبر جا کر آباد ہو گئے اور اسی سال بیر معونہ کا مشہور واقعہ پیش آیا جس میں ستر حفاظ قرآن کو عامر، رعل، ذکوان اور عصیہ قبیلے والوں نے شہید کر دیا تھا جو ابو براء عامر کی پُرفریب درخواست کی بناء پر نجد والوں کی تبلیغ کے لئے جا رہے تھے۔

۵ ھ

غزوۂ خندق یا غزوۂ احزاب

سوال : ۵ ھ کی سب سے بڑی لڑائی کون سی ہے؟

جواب: احزاب یا خندق کا غزوہ۔

سوال : اس کو غزوۂ احزاب کیوں کہتے ہیں؟

جواب: اس لئے کہ اس جنگ میں عرب کی بڑی بڑی جماعتیں ایک ہو کر مدینہ پر چڑھ آئی تھیں اس لئے اس کو غزوۂ احزاب کہتے ہیں کیونکہ احزاب کے معنیٰ ہیں (جماعتیں)

۱۔ دروس التاریخ الاسلامی ۱۲

سوال : اس جنگ کو غزوۂ خندق کیوں کہتے ہیں؟

جواب: اس لئے کہ اس جنگ میں مدینہ کے گرداگرد خندق یعنی کھائی کھودی گئی تھی۔

سوال : اس جنگ کی وجوہ کیا تھیں؟

جواب: وہی کفار کی پرانی دشمنی اور اسلام کو مٹا دینے کی ۱۸ سالہ تمنا جس کا اثر بدر اور اُحد کے بعد تمام عرب میں پھیلنے لگا تھا۔ چنانچہ دعثور کا حملہ اور بیر معونہ وغیرہ کے واقعات اسی کا نتیجہ تھے۔

سوال : اس جنگ میں کون کون لوگ شریک تھے؟

جواب: عرب کے بت پرست کافر اور یہودی۔

سوال : اس جنگ کی تیاریاں کس کس فریق نے کس کس طرح کیں اور کیا کیا سازش عمل میں لائی گئی؟

جواب: اس سے پہلے صرف عرب کے کافر باہر سے حملہ کیا کرتے تھے مگر بنونضیر اور بنو قینقاع کے یہودی جو اپنی بدعہدیوں کے باعث مدینہ سے نکال دیئے گئے تھے۔ اس مرتبہ نہ یہ کہ حملہ آوروں کی صف میں تھے بلکہ وہ سازش کرنے میں برابر کے شریک تھے۔ دوسری طرف مکہ کے کافروں نے دوسرے قبیلوں کے بھڑکانے میں جان توڑ کوشش کی اور تقریروں اور قصیدوں کے ذریعہ سے عرب کی تمام بڑی بڑی جماعتوں میں جوش پیدا کر دیا۔ چنانچہ مکہ سے مدینہ تک تمام قبیلوں میں عداوت اسلام کی ایک آگ لگ گئی اور حقیقت یہ ہے کہ اس سال جو چھوٹی چھوٹی لڑائیاں واقع ہوئیں وہ اسی سلسلہ کی کڑیاں تھیں اور آخرکار سب نے ایک ہو کر مدینہ پر ہلہ بول دیا۔

سوال : یہ حملہ کون سے مہینے میں ہوا؟

جواب: ذی قعدہ میں۔

سوال : غزوۂ خندق میں مسلمان کتنے تھے اور کافروں کے متفقہ لشکر کی تعداد کتنی تھی؟

جواب: مسلمان کُل تین ہزار اور کافروں کی تعداد اوّل اوّل دس ہزار تھی پھر اس سے بڑھ کر

تقریباً دگنی ہوگئی۔

سوال : یہودیوں کا تیسرا قبیلہ جو اب تک مدینہ میں آباد تھا یعنی بنو قریظہ اس نے اس موقع پر کیا کیا؟

جواب: بدعہدی کی اور لڑنے والوں کے ساتھ مل گیا جس سے اُن کی تعداد میں بہت کچھ اضافہ ہوگیا۔

سوال : اس موقع پر خندق کیوں کھودی گئی تھی؟

جواب: پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ کفار کی تعداد بہت کچھ تھی اور مسلمان کُل تین ہزار۔ اس کے علاوہ خود مدینہ کے رہنے والے بنو قریظہ کے یہودی اگرچہ اوّل اوّل اُنہوں نے لڑائی کا اعلان نہ کیا تھا۔ مگر اُن کی طرف سے خطرہ بہت پختہ تھا۔ چنانچہ بعد کو کھل گیا ان سب سے زیادہ منافقوں کی خاصی جماعت علیحدہ آستین کا سانپ بنی ہوئی تھی، لہٰذا مناسب نہ سمجھا گیا کہ مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کی جائے بلکہ مدینہ میں رہ کر مقابلہ کی رائے ہوئی اور جس طرف سے کفار کے گھس آنے کا خیال تھا اس طرف (۱) ایک کھائی کھودی گئی۔

سوال : خندق کھودنے کی رائے کس نے دی تھی؟

جواب: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے۔

سوال : یہ خندق کن لوگوں نے کھودی؟

جواب: تمام مسلمانوں نے جن میں خود حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی موجود تھے۔

سوال : اس خندق کے کھودنے میں کتنے دن صَرف ہوئے؟

جواب: چھ روز۔

۱۔ ایک طرف سلع پہاڑ تھا اس کے سامنے خندق کھودی گئی۔ مسلمان سلع پہاڑ اور خندق کے بیچ میں رہے اور خندق کے اُس پار کافر۔ ۱۲ زاد المعاد۔ ج ۱، ص ۶۷۔ ۱۲

سوال : یہ خندق کتنی گہری کھودی گئی؟

جواب: پانچ گز۔

سوال : اس خندق کے پار کفار کتنے دنوں گھیرا ڈالے ''محاصرہ کئے ہوئے'' پڑے رہے؟

جواب: پندرہ روز۔

سوال : اس زمانہ میں مسلمانوں کی اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کیا حالت رہی؟

جواب: مسلمانوں پر تین تین دن کے فاقے گزر گئے۔ کمر کو سہارا دینے کے لئے پیٹ پر پتھر باندھے رکھتے تھے۔ ایک دن صحابہ رضی اللہ عنہم نے دربار رسالت میں بھوک کی شکایت کی اور پیٹ کے پتھر کھول کر دکھائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا شکم مبارک بھی کھول کر دکھایا تو ہر ایک مسلمان کے پیٹ پر ایک پتھر تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شکم مبارک پر دو۔ مشغولیت کی یہ حالت تھی کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی چار نمازیں بھی قضا ہوگئیں۔ خندق کھودتے کھودتے ایک مرتبہ پتھر کی بہت بڑی چٹان نکل آئی جس سے سب صحابہ رضی اللہ عنہم عاجز ہوگئے۔ بالآخر مشکلات کی پناہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ معجزہ تھا کہ وہ پتھر جس کو صحابہ رضی اللہ عنہم ہلا بھی نہ سکے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک وار نے اُس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

سوال : اس محاصرہ کا خاتمہ کس طرح ہوا؟

جواب: پندرہ روز کے عرصہ میں کفار کا سامان رسد بھی ختم ہوگیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک بزرگ تھے حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ اُنہوں نے ایک تدبیر کی جس سے خود کفار کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی۔ اس طرف خداوند عالم کی طرف سے غیبی امداد ہوئی۔ آندھی کا ایسا طوفان آیا کہ تمام خیمے اُکھڑ گئے، چولھوں سے دیگچیاں اُلٹ گئیں۔ ان واقعات نے کفار کو بدحواس بنا دیا اور وہ محرومی کے ساتھ بھاگے۔

سوال : کیا اس موقع پر کچھ جنگ ہوئی؟

جواب: جب کفار خندق کو نہ پھاند سکے تو اُنہوں نے مسلمانوں پر پتھر اور تیر پھینکے جس کا جواب مسلمانوں نے بھی دیا اور وہاں ایک دو کافر پھاند بھی آئے (۱) جن سے تلوار کی دوبدو جنگ ہوئی۔

سوال : بنو قریظہ کے اس دھوکے کا کیا جواب دیا گیا؟

جواب: جنگ احزاب سے فراغت کے بعد اُن پر حملہ کیا گیا۔ حملہ کی وجہ یہ بھی تھی کہ بنو نضیر کا سردار حی بن اخطب جس نے اُن کو غداری پر آمادہ کیا تھا۔ انہی کے پاس مقیم تھا مگر یہ لوگ قلعہ میں گھس گئے۔

پچیس روز برابر محاصرہ جاری رہا۔ آخر کار مجبور ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے درخواست کی کہ قبیلہ ''اوس'' کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو پنچ قرار دیا جائے جو وہ فیصلہ کریں گے وہ منظور ہوگا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کی شریعت ہی کے مطابق فیصلہ صادر فرمایا تھا جس کا حاصل یہ تھا :

(۱) لڑ سکنے والے مرد قتل کئے جائیں

(۲) عورتیں اور بچے غلام بنا لئے جائیں۔ مال تقسیم کیا جائے۔ بہرحال اس فیصلہ پر ایک حد تک عمل کیا گیا۔

سوال : اس موقع پر اسلامی جھنڈا کس کے پاس تھا اور مدینہ کا خلیفہ کون ہوا؟

جواب: جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا گیا تھا (۲) اور مدینہ کے خلیفہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ۔

سوال : بنو قریظہ اور خندق کی جنگ میں کتنے مسلمان شہید ہوئے؟

جواب: تقریباً دس۔

سوال : کیا جنگ خندق اور بنو قریظہ کے علاوہ کوئی اور جنگ بھی اس سال ہوئی؟

۱۔ ان میں ایک عمرو بن عبدود تھا جو عرب کا بہت بڑا تاجر تھا جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا۔۱۲

۲۔ زاد المعاد۱۲

جواب: تین غزوے ہوئے۔ (۱) ذات الرقاع (۲) دومۃ الجندل (۳) بنی مصطلق مگر مقابلہ صرف جنگ بنی مصطلق میں ہوا اور فتح ہوئی۔

سوال: کیا اس سال کچھ دستے بھی روانہ کئے گئے؟

جواب: نہیں۔

سوال: اس سال کے اور بڑے بڑے واقعات کیا ہیں؟

جواب: (۱) ماہ جمادی الاوّل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے حضرت عبداللہ نے وفات پائی جو حضرت رقیہ مرحومہ کے بطن سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے۔

(۲) بعض علماء کے قول کے مطابق شوال میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی والدہ نے وفات پائی۔

(۳) ۸ جمادی الثانیہ کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اور ذیقعدہ میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کیا۔

(۴) مدینہ میں زلزلہ آیا (۵) چاند گہن ہوا (۶) عموماً علماء کا خیال ہے (۱) کہ حج بھی اسی سال فرض ہوا۔

خلاصہ

۵ھ میں یہودیوں اور قریش نے مل کر مسلمانوں کو تباہ کر دینے کے لئے آخری کوشش کی۔ تمام عرب کے بڑے بڑے قبیلوں کو متحد کر کے اسلام پر حملہ کیا۔ مدینہ کے باقی ماندہ یہودیوں (بنو قریظہ) نے بھی مسلمانوں سے غداری کر کے کفار کا ساتھ دیا۔ دس ہزار کا لشکر جرار مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہوا۔

۱۔ لیکن حافظ ابن قیمؒ نے سختی سے تردید کرتے ہوئے ۹ھ قرار دیا ہے۔ ۱۲ زاد المعاد ج، ۱۔ ص، ۱۸۶

موجودہ حالات کا لحاظ رکھتے ہوئے باہر نکل کر مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا گیا، لہٰذا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی رائے کے بموجب خطرناک ناکوں پر خندق کھودی گئی ، یہ تدبیر کامیاب ہوئی۔ کفار اِس کو پھاند نہ سکے۔ مسلمان محفوظ رہے۔ ۱۵ روز تک برابر محاصرہ کئے رکھا۔ آخر کو کچھ غیبی امداد، کچھ باہمی پھوٹ ، کچھ رسد کے ختم ہونے نے اُن کو بھاگ جانے پر مجبور کیا۔ بنوقریظہ نے اوّل تو دھوکہ دیا تھا۔ دوسرے اُن کو بھڑکانے والا اسلام کا باغی حی بن اخطب بنونضیر کا سردار اُن کے پاس ہی چھپا ہوا تھا۔

لہٰذا غزوۂ خندق سے فراغت کے بعد فوراً ہی بنوقریظہ پر حملہ کیا گیا مگر وہ لوگ قلعہ میں گھس گئے۔ مجبور ہو کر قبیلہ اوس کے مسلمانوں کو بیچ میں ڈالا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ ''اوس'' کے سردار حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کو پنچ قرار دیا جائے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اُن کی شریعت کے مطابق فیصلہ صادر کیا جس کا حاصل یہ تھا کہ لڑ سکنے والے نوجوانوں کو قتل کیا جائے۔ عورتوں ، بچوں کو غلام بنایا جائے اور تمام مال تقسیم کر لیا جائے۔

۶ھ

امن و امان کا دور ظلم و غرور کا خاتمہ ..... کفر کی شکست اور اسلام کی فتح حدیبیہ کی صلح ..... بیعت رضوان مسلمان ہونے کے لئے بادشاہوں کے پاس خطوط

سوال : ۶ھ کا سب سے بڑا واقعہ کیا ہے؟

جواب: حدیبیہ کی صلح۔

سوال : حدیبیہ کس چیز کا نام ہے؟

جواب: ایک کنویں کا نام ہے اور اسی کے نام سے اُس کے قریب ایک گاؤں آباد ہے۔

سوال : یہ کنواں کہاں ہے؟

جواب: مکہ معظّمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وہاں کیوں تشریف لے گئے؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو وطن مبارک یعنی مکہ معظّمہ چھوڑے ہوئے قریب قریب چھ سال ہوگئے تھے۔ مکہ معظّمہ وہ شہر تھا جو علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وطن ہونے کے اللہ ﷻ کے گھر کو بھی اپنے اندر لئے ہوئے تھا۔ اوّل تو وطن کا شوق پھر خانہ کعبہ یعنی خداوند عالم کا تجلی گاہ جس کی طرف مسلمان دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھتے تھے اور جس کے گرد اگرد طواف کرنا حج میں اُن پر فرض ہوا تھا۔ اُس کی زیارت کی تمنا تمام مسلمانوں کے دل میں آگ لگائے ہوئے تھی۔

اس شوق وتمنا کو پورا کرنے کے لئے ذیلقعدہ ۶ھ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکہ معظّمہ کی زیارت کا ارادہ فرمایا اور اس مقام تک پہنچے جس کا نام حدیبیہ ہے۔

سوال : مکہ کے کافر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور تمام مسلمانوں کے جانی دشمن تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہاں پہنچ کر مکہ میں داخل ہونے کی کیا صورت نکالی؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حدیبیہ پہنچ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجا کہ قریش کو خبر کر دیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مقصد اس سفر سے صرف خانہ کعبہ کی زیارت ہے۔

سوال : کیا قریش نے اجازت دے دی؟

جواب: اجازت تو نہ دی۔ ہاں سہیل بن عمرو کو صلح کے لئے بھیجا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور کفار قریش میں صلح ہوگئی۔

سوال : اس صلح میں کیا کیا باتیں طے ہوئیں؟

جواب: (۱) مسلمان اس وقت واپس ہو جائیں۔ (۲) آئندہ سال کعبہ مکرمہ کی زیارت کریں۔ مگر صرف تین دن قیام کر کے واپس ہو جائیں۔ (۳) ہتھیار لگا کر نہ آئیں۔ تلوار ساتھ ہو میان میں چھپی ہوئی۔ (۴) اگر کوئی شخص آپؐ کے پاس چلا جائے تو اُس کو آپؐ واپس کر دیں۔ اگرچہ مسلمان ہو کر جائے اور جو شخص آپؐ کے پاس سے واپس ہو کر ہمارے پاس آجائے گا اُس کو ہم واپس نہ کریں گے۔ (۱) (۵) اس صلح کی مدت دس سال ہوگی۔ (۶) اس عرصہ میں کوئی جنگ نہ ہوگی نہ بدعہدی اور دھوکہ ہوگا۔

سوال : کیا اور قبیلے بھی اس معاہدے میں شریک ہوئے تھے؟

جواب: بنی خزاعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ہو گئے تھے اور بنی بکر قریش کے ساتھ اور یہ دونوں قبیلے بھی اس صلح میں داخل تھے۔ (۲)

سوال : یہ تمام شرطیں جو بظاہر مسلمانوں کے لئے بہت دبی ہوئی تھیں، کیوں منظور کی گئیں؟

جواب: خدا کا حکم یہی تھا۔

سوال : کیا مسلمانوں کو ان دبی ہوئی شرطوں سے ناگواری نہ ہوئی؟

جواب: بہت کچھ ناگواری ہوئی۔ یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''جب ہم حق پر ہیں تو کیوں دبیں'' مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد تھا خدا کا حکم یہی ہے۔ اس پر سب نے سر تسلیم خم کر دیا۔

سوال : قرآن پاک میں اس صلح کو فتح مبین کیوں کہا گیا؟

جواب: (۱) حقیقت میں یہ صلح بہت بڑی فتح ہے۔ گزشتہ کے خیال سے تو اس لئے کہ مسلمانوں کی وہ مٹھی بھر جماعت ''جس کو تباہ کرنا کفار بائیں ہاتھ کا کھیل سمجھتے تھے اور

۱۔ زاد المعاد۔ ج ۱۔ص، ۳۲۷۔ ج ۱۔ص، ۳۷۷

۲۔ مبسوط ۱۲ ج ۱۰۔ زاد المعاد ج ۱۔ ص، ۳۲۶۔ ۱۲

جس کو معاذ اللہ فقیروں اور بھوکوں کی ایک بھیڑ کہا کرتے تھے۔ جس سے منہ لگا کر بات کرنا بھی اُن کے غرور کے مخالف تھا۔'' مکہ والوں بلکہ تمام عرب کی کوشش کے باوجود اس کا فنا نہ ہونا اور اس قوی جماعت کا مجبور ہو کر صلح کی طرف ہاتھ بڑھانا حقیقت میں مسلمانوں کے لئے بہت بڑی فتح ہے کیونکہ قوی کا مجبور ہو کر کمزور سے صلح کرنا، کمزور کی فتح ہوا کرتی ہے۔

(۲) آئندہ کے لحاظ سے اس لئے کہ اس کے فائدے بہت عالیشان تھے۔ مثلاً.....

(الف) قریش کے نرغہ کے باعث مسلمانوں کو اب تک موقع نہ ملا تھا کہ تمام عرب میں چل پھر کر اسلام کی تبلیغ کر سکیں اور کفار کی طرف سے اسلام کے بدنام کرنے اور اس کے متعلق غلط خیالات پھیلانے کی یہ حالت تھی کہ خود مکہ کے بہت سے آدمی اب تک اسلام کی حقیقت سے ناواقف تھے۔ اس صلح نے مسلمانوں کو کافروں سے ملنے اور اُن کے سامنے اسلام کی حقیقت پیش کرنے کا دروازہ کھول دیا۔ چنانچہ اس کے بعد تھوڑے ہی دنوں میں مسلمانوں کی تعداد میں اس قدر ترقی ہوئی کہ اس سے پہلے عرصہ میں اس قدر ترقی نہیں ہوئی تھی۔ (۱)

۱۔ تھوڑے تأمل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کفار مکہ بھی اب اس صلح کے لئے مجبور تھے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جماعت اگرچہ چھوٹی تھی مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیاسی تدبیروں اور اس جماعت کی سرفروشی اور فداکاری نے اس جماعت کو ناک چنے چبا دیئے تھے۔ ایک طرف جن قبیلوں سے ممکن ہوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صلح فرمائی۔ دوسری طرف کفار مکہ کی تجارت اور آمدنی کے ذریعہ کو نقصان پہنچا کر اُن کو پریشان کر دیا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی فداکاری نے اُن کے چھکے چھڑائے ہوئے تھے۔ چنانچہ اسی صلح حدیبیہ کے موقع پر سہیل بن عمرو سے پہلے عروہ نامی گفتگو کرنے کے لئے آیا۔ اس نے جا کر اپنی قوم کو ان الفاظ میں صلح کا مشورہ دیا۔ میں نے بڑے بڑے بادشاہوں کے درباروں کو دیکھا ہے۔ مگر یہ جاں نثاری یہ قربانی خدا کی قسم کہیں نہیں دیکھی۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب تھوکتے ہیں تو واللہ وہ تھوک زمین پر نہیں گرتا۔ وہ کسی مسلمان کی ہتھیلی پر گرتا ہے جس کو وہ فوراً ہی اپنے منہ اور اپنے سر سے مل لیتا ہے اور اس میں بھی چھین جھپٹا شروع ہو جاتا ہے۔ خدا کی قسم ایسی قربان ہونے والی جماعت سے کامیابی ناممکن ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ نہ سہی تو یقیناً مسلمانوں کی برابر کفار مکہ بھی صلح کے آرزومند تھے۔ ۱۲ منہ

اس وقت تک کُل مسلمانوں کی تعداد تقریباً دو ڈھائی ہزار تھی ، لیکن اس سے دو سال بعد فتح مکہ کے لئے جو فوج گئی اس میں کمزوروں اور عورتوں بچوں کے علاوہ صرف فوج کی تعداد دس ہزار تھی۔

(ب) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام دنیا کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے ، مگر اب تک کفار مکہ کے نرغہ کے باعث عرب کے علاوہ دوسرے ملکوں میں تبلیغ کا موقع نہ مل سکا تھا۔ اب صلح دامن کی حالت میں وہ آسان ہوگیا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرے ملکوں کے بادشاہوں کے نام خطوط لکھے۔

سوال : عمرہ کسے کہتے ہیں اور احرام باندھنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: حج کی طرح عمرہ بھی ایک عبادت کا نام ہے جس میں مکہ معظمہ پہنچ کر خاص خاص عبادتیں ادا کی جاتی ہیں۔ عمرہ اور حج کا فرق ایسا ہی ہے جیسا فرض اور نفل کا۔
حج ایک خاص وقت میں ادا کیا جاتا ہے عمرہ کے لئے کسی وقت کی قید نہیں اور جس طرح حج سے پہلے خاص خاص کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ اسی طرح عمرہ سے پہلے بھی خاص خاص کپڑے پہنے جاتے ہیں جس کو احرام باندھنا کہتے ہیں۔

سوال : حدیبیہ پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا معجزہ ظاہر ہوا ؟

جواب: حدیبیہ کا کنواں بالکل خشک تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں ایک تیر ڈال دو۔ خدا کے حکم سے اس میں اتنا پانی آگیا کہ سب کے لئے کافی ہوا اور بچ گیا۔

سوال : بیعت رضوان کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ بھیجا تھا تو کفار مکہ نے آپ کو وہاں ٹھہرا لیا تھا۔ دیر ہونے پر فکر ہوئی اور یہ خبر بھی مشہور ہوگئی کہ خدانخواستہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لڑائی کا معاہدہ کیا یعنی بیعت لی

اسی کا نام بیعت رضوان ہے۔

سوال : اس معاہدہ یا بیعت میں کیا بات رکھی گئی تھی ؟

جواب: یہ کہ ہم میدان سے نہ ہٹیں گے۔

سوال : اس بیعت پر جو انتہائی بے کسی کی حالت میں ہوئی تھی خدا کی طرف سے کیا انعام نازل ہوا اور اس کو بیعت رضوان کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: خداوندی خوشنودی کا تمغہ عنایت ہوا۔ چنانچہ قرآن پاک میں ان کے متعلق ارشاد فرمایا گیا :

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ

ترجمہ : ''خداوند عالم خوش ہو گیا مسلمانوں سے جبکہ وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے۔'' (سورۃ الفتح)

اسی وجہ سے اس کو بیعت رضوان کہتے ہیں۔ رضوان کے معنیٰ خوشنودی۔

سوال : اس سال اور کتنے غزوے ہوئے اور کتنے دستے روانہ کئے گئے؟

جواب: دو غزوے ہوئے۔ غزوۂ لحیان اور غزوۂ غابہ جس کو جنگ ذی قرد بھی کہتے ہیں اور گیارہ دستے روانہ کئے گئے۔

سوال : اس سال کے اور بڑے بڑے واقعات کیا ہیں؟

جواب: (۱) حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا مسلمان ہونا۔

(۲) دنیا کے بادشاہوں کے پاس اسلام کے خطوط کی روانگی۔

سوال : ان دونوں حضرات کے اسلام لانے کو بڑے واقعات میں کیوں شمار کیا گیا؟

جواب: اس لئے کہ یہ دونوں بہت بڑے بہادر اور بہت بڑے جرنیل تھے جن سے بہت بڑے بڑے کارنامے حالت کفر میں بھی ظاہر ہوئے تھے اور حالت اسلام میں بھی۔

خلاصہ

ذیقعدہ ۶ ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ معظمہ کے ارادہ سے چودہ سو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ہمراہ لے کر روانہ ہوگئے۔ مگر جب مقام حدیبیہ پر پہنچے تو آپؐ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مکہ معظمہ روانہ کیا کہ ارادہ مبارک کی اطلاع کر دیں۔ مگر کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو داخل ہونے سے منع کر دیا۔ ہاں صلح ہوگئی جس کی رو سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق دیا گیا کہ چند شرطوں کے ساتھ آئندہ سال آکر بیت اللہ کی زیارت کرلیں۔ چونکہ اس صلح کے فائدے بہت بڑے بڑے تھے اس وجہ سے خداوندی کلام نے اس کو فتح مبین کہا۔

دنیا کے بادشاہوں کے پاس اسلام کے خطوط

سوال : کن کن بادشاہوں کے پاس اسلام لانے کے لئے خطوط بھیجے گئے اور کن کن کے ذریعہ سے وہ بادشاہ کہاں کہاں کے تھے اور کیا کیا جواب دیئے؟

جواب: مندرجہ ذیل نقشہ سے اُن کے جوابات کو حاصل کرلو۔

نمبر شمار	بادشاہ کا نام	کہاں کا بادشاہ تھا	خط کون لے کر گیا	جواب اور نتیجہ
(۱)	اصحمہ نجاشی لقب (۱)	ملک حبشہ	حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ	نہایت خوشی سے اسلام قبول کیا۔ نامہ مبارک کو آنکھوں پر رکھا اور تخت سے اُتر کر نیچے بیٹھ گئے۔

۱۔ حبشی لفظ ہے جس کے معنیٰ ہیں عطیہ اور بخشید ن ۱۲ سرور المحزون۔ ۹ ھ میں وفات پائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر غائبانہ نماز پڑھی ۱۲ سرور المحزون۔ مگر محققین کا خیال یہ بھی ہے کہ جس پر نماز پڑھی گئی اس کا نام اصحمہ ہی تھا۔ مگر اس کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفارت نہیں بھیجی بلکہ جب آپؐ مکہ میں تھے تب ہی وہ مسلمان ہوگیا تھا اور یہ دوسرا ہے جو اس کی جگہ تخت نشین ہوا اس کے اسلام میں بھی اختلاف ہے۔ واللہ عالم

نمبر شمار	بادشاہ کا نام	کہاں کا بادشاہ تھا	خط کون لے کر گیا	جواب اور نتیجہ
(۲)	ہرقل	روما یعنی اٹلی	حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ	اسلام لانے کا ارادہ کرلیا۔ مگر رعیت کے بگڑ جانے کے خوف سے رک گیا اور جواب دیا کہ میں سچ جانتا ہوں مگر مجبور ہوں۔
(۳)	خسرو پرویز	ایران، افغانستان وغیرہ	حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ	بدبخت نے نامہ مبارک کو چاک کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خدا اس کے ملک کے اسی طرح ٹکڑے کر دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔
(۴)	جریج پسر مینا لقب مقوقس	مصر و اسکندریہ	حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ	دل میں اسلام کی حقانیت پیدا ہوئی۔ چنانچہ نامہ مبارک کو ہاتھی دانت کے ڈبہ میں بند کرا کے مہر لگوا کر خزانہ میں رکھوا دیا مگر جواب دیا کہ میں اس پر غور کروں گا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چند تحفے بھیجے جن میں حضرت ماریہ قبطیہ بھی تھیں۔ ایک سفید خچر تھا جس کا نام دلدل تھا (۱) اور روایت ہے کہ ایک ہزار دینار اور بیس جوڑے ارسال کئے۔

۱۔ خچر سفید مائل سیاہی تھا جو آخر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سواری میں رہا۔ سرور المحزون ۱۲ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اُن کی بہن سیرین اور ایک تیسری قیسری نام بھی تھیں۔ سیرین کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت دحیہ کلبی کو عنایت فرما دیا۔ ماریہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہیں جن سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تھے۔ شہد اور کانچ کا بادیہ اور ایک گھوڑا جس کا نام مزار تھا وہ بھی اس ہدیہ میں شامل تھا۔ زاد المعاد میں ایک ہزار مثقال سونا بیان کیا ہے مگر ایک دینار بھی عموماً ایک مثقال کا ہوتا تھا۔ ۱۲ زاد المعاد۔ ص، ۳۰

نمبر شمار	بادشاہ کا نام	کہاں کا بادشاہ تھا	خط کون لے کر گیا	جواب اور نتیجہ
(۵)	جیفر اور عبداللہ پسران جلندی رضی اللہ عنہ	عمان	حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	مسلمان ہوگئے اور زکوٰۃ جمع کر کے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی۔
(۶)	منذر بن ساوی رضی اللہ عنہ	بحرین	حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ	خود بھی مسلمان ہوگئے اور رعایا کا بھی اکثر حصہ۔
(۷)	حارث بن ابی شمر	بادشاہ بلقاء (۱) حاکم دمشق و گورنر شام	شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ	سفیر کو عزت کے ساتھ رخصت کیا مگر اسلام کے شرف سے محروم رہا۔
(۸)	ہوذہ بن علی	یمامہ	سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ	سفیر کی عزت کی مگر جواب دیا کہ اگر آدھی حکومت اسلام پر میری تسلیم کر لی جائے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول نہ فرمایا اور ہوذہ مسلمان نہ ہوا۔
(۹)	حارث بن عبد کلال	قبیلہ حمیر	حضرت مہاجر بن امیہ مخزومی رضی اللہ عنہ	جواب دیا غور کروں گا۔
(۱۰)		شاہ یمن	حضرت ابو موسیٰ اشعری و حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ	بادشاہ بھی مسلمان ہوگئے اور رعیت بھی۔
(۱۱)	ذی الکلاع و ذی عمر	سرداران حمیر	حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ	مسلمان ہوگئے مگر حضرت جریر رضی اللہ عنہ ابھی تک وہیں تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی۔

۱۔ شام کے ایک شہر کا نام ہے۔ سرور الحزن ۱۲

سوال : کیا ان کے علاوہ اور بادشاہوں کے نام بھی خطوط بھیجے گئے؟

جواب: بھیجے گئے۔(۱)

سوال : یہاں اُن کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟

جواب: اُن کی تفصیل یا تو عام طور سے روایتوں میں ہے نہیں اور اگر ہے تو اختلاف ہے۔ اس وجہ سے ذکر ضروری نہ سمجھا۔

سوال : کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان خطوط کے لئے کوئی خاص مہر بھی تیار کی تھی اور کیوں؟

جواب: تیار کی تھی۔ کیونکہ یہ کہا گیا کہ بادشاہ کسی کے خط کا اس وقت تک اعتبار نہیں کرتے جب تک اُس پر مہر نہ ہو۔

سوال : وہ مہر کیا تھی؟

جواب: یہ (محمد رسول اللہ) تین سطر۔ اوپر کی سطر میں اللہ، پھر رسول، پھر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

سوال : ان سفیروں کو ایک ہی ساتھ روانہ کیا گیا تھا یا کچھ کچھ عرصہ کے بعد؟

جواب: (۱) نجاشی (۲) ہرقل (۳) کسریٰ (۴) مقوقس (۵) حارث ابن ابی شمر غسانی اور (۶) ہوذہ بن علی کے پاس ایک ہی تاریخ میں روانہ کئے گئے اور باقی کے پاس متفرق تاریخوں میں۔

سوال : وہ تاریخ کیا تھی؟

جواب: یکم محرم الحرام ۷ھ۔

۱۔ سنا گیا ہے کہ چین میں ایک مسجد ہے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کی ہے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفیر نے بنوایا تھا جو چین تشریف لائے تھے مگر بادشاہ مسلمان نہیں ہوا۔۱۲

سوال: اس سے پہلے یا بعد میں کچھ اور حاکم یا نواب مسلمان ہوئے ہوں تو اُن کی تفصیل بیان کرو؟

جواب: جو حکمران مسلمان ہوئے اُن میں سے چند کی تفصیل ذیل کے نقشہ سے معلوم ہو جائے گی۔

نمبر شمار	نام	علاقہ حکومت	کب مسلمان ہوئے	کیفیت
(۱)	جبلہ (۱)	غسان	۷ھ	عرب کی یہ بہت بڑی اور مشہور حکومت تھی۔
(۲)	حضرت ثمامہ بن اثال	نجد	۶ھ	گرفتار کر کے لائے گئے تین روز مسجد کے کھمبے سے بندھے رہے جب چھوڑ دیئے گئے تو غسل کیا اور کلمہ اسلام پڑھا۔
(۳)	حضرت فردہ بن عمرو خزاعی	شام کے کچھ علاقہ کے گورنر از جانب قیصر		
(۴)	حضرت اکیدر رضی اللہ عنہ	دومۃ الجندل	۹ھ	
(۵)	ذی الکلاع حمیری رضی اللہ عنہ	یمن اور طائف کے چند ضلعے اور قبیلہ حمیر		اپنے آپ کو خدا کہلایا کرتے تھے (معاذ اللہ) اسلام کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تاج وتخت کو لات مار کر مدینہ منورہ چلے آئے اور فقیرانہ زندگی بسر کی جس روز مسلمان ہوئے ۱۸ ہزار غلام آزاد کیئے۔

۱۔ جبلہ اسلام لا کر کچھ دنوں کے بعد اسلام کی دولت سے محروم ہو گئے۔

۷ھ

غزوۂ خیبر ..... فتح فدک اور عمرہ قضا

سوال : ۷ھ میں سب سے بڑی لڑائی کون سی ہوئی ؟

جواب: خیبر اور فدک کی لڑائی۔

سوال : یہ لڑائی کون سے ماہ میں ہوئی ؟

جواب: جمادی الاولیٰ ۷ھ میں۔

سوال : اسلامی فوج کی تعداد کتنی تھی؟

جواب: تقریباً سولہ سو یا کچھ کم و پیش۔

سوال : اس لشکر کے سردار کون تھے، جھنڈا کس کے پاس تھا؟

جواب: سردار خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ جھنڈا جنگ کے روز حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا گیا۔

سوال : مدینہ طیبہ کا خلیفہ کس کو بنایا گیا؟

جواب: حضرت سباع بن ابی عرفتہ رضی اللہ عنہ کو۔

سوال : یہ لڑائی کیوں ہوئی ؟

جواب: یہ معلوم ہو چکا کہ بنونضیر کے یہودی مدینہ سے اجڑ کر خیبر چلے گئے تھے۔ اس کے بعد خیبر یہودیوں کا ''اڈا'' اور مرکز بن گیا۔ یہاں سے یہ لوگ اسلام کے برخلاف سازش کر کے مسلمانوں کے برخلاف کفار کو اُبھارتے تھے۔ چنانچہ احزاب کے موقع پر جو کچھ کیا گیا وہ پہلے معلوم ہو چکا ہے، لہٰذا حفاظت اسلام کے لئے ضروری ہوا کہ اُن کے ٹھکان کو توڑ دیا جائے تا کہ اُن کے شر سے امن ملے۔

سوال : اس لڑائی میں مسلمانوں کو فتح ہوئی یا شکست؟

جواب: فتح ہوئی۔ تمام قلعے مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے۔

سوال : خیبر کے یہودیوں کو نکال دیا گیا یا اُن سے کوئی معاہدہ ہوا؟

جواب: ایک معاہدہ ہو گیا۔

سوال : وہ معاہدہ کیا تھا؟

جواب: (۱) جب تک مسلمان چاہیں گے اُن کو خیبر میں رہنے دیں گے اور جب نکالنا چاہیں گے تو خیبر سے یہودیوں کو نکلنا ضروری ہوگا۔

(۲) پیداوار کا ایک حصہ مسلمانوں کو دیا جائے گا۔

سوال : حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فاتح خیبر کیوں کہتے ہیں؟

جواب: اس لئے کہ جھنڈا اُن کے ہاتھ میں تھا۔ اس جنگ کے کمانڈر وہی تھے۔ اس کے علاوہ خدا نے اُن سے ایک خاص بہادری ظاہر کرائی۔ خیبر کا پھاٹک تنہا اکھاڑ پھینکا باوجودیکہ وہ ستر آدمیوں سے بھی نہ اُٹھتا تھا۔

سوال : فدک پر کب چڑھائی ہوئی؟

جواب: اسی سفر میں خیبر کی فتح کے بعد۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک کی طرف رخ کیا۔

سوال : جنگ ہوئی یا نہیں اور نتیجہ جنگ کیا ہوا؟

جواب: فدک کے یہودیوں نے صلح کر لی لہٰذا جنگ نہیں ہوئی۔

سوال : اس سال کتنے دستے بھیجے گئے اور کتنے غزوے ہوئے؟

جواب: غزوہ اس کے علاوہ کوئی نہیں۔ البتہ پانچ دستے متفرق موقعوں پر بھیجے گئے۔

سوال : اس سال کے اور بڑے بڑے واقعات کیا ہیں؟

جواب: (۱) گزشتہ سال صلح حدیبیہ کے موقع پر جو طے ہوا تھا کہ اگلے سال عمرہ کریں گے۔ معاہدوں کی شرطوں کی پوری پابندی کے ساتھ اس سال وہ عمرہ ادا کیا گیا۔

(۲) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا اسی سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں داخل ہوئیں۔

۸ ھ

ایک نئے دشمن سے جنگ ..... اسلام کا آفتاب نصف النہار پر موتہ کی جنگ اور فتح مکہ

سوال : ۸ ھ کے بڑے بڑے واقعات کیا ہیں؟

جواب: موتہ کی طرف فوج کا جانا اور لڑائی اور مکہ مکرمہ کی فتح۔

سوال : موتہ کہاں ہے؟

جواب: شام کے علاقہ میں دمشق و بلقاء کے قرب و جوار میں۔ (۱)

سوال : یہ لڑائی کب ہوئی ؟

جواب: جمادی اولیٰ ۸ ھ میں۔

سوال : یہ لڑائی کن لوگوں سے ہوئی ؟

جواب: رومیوں سے جو بصریٰ کے گورنر کی طرف سے بھیجے گئے جو بیت المقدس کے پاس ہے۔

سوال : کیا اس سے پہلے بھی کوئی لڑائی رومیوں سے ہوئی تھی اور رومیوں کا مذہب کیا تھا؟

جواب: رومی عیسائی تھے اور تلوار کے ذریعہ سے اسلام اور عیسائیت کی یہ پہلی جنگ تھی جو دجال کے زمانہ تک باقی رہے گی۔

سوال : یہ جنگ کیوں ہوئی ؟

جواب: بصریٰ کے حاکم ''شرجیل'' نامی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تھا جبکہ وہ اسلام کا پیغام لے کر اس کے پاس پہنچے تھے۔ اس کی سزا کے طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فوج روانہ کی۔

ا۔ دروس التاریخ الاسلامی ایضاً زاد المعاد ۱۲

سوال : جبکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف نہیں لے گئے تھے تو اس کو غزوہ کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: اس لئے کہ اس لشکر کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت عظیم الشان خاص خاص وصیتیں کی تھیں۔

سوال : وہ وصیتیں کیا تھیں؟

جواب: (۱) تمہیں گرجاؤں (۱) اور کٹیوں میں کچھ لوگ ملیں گے جو دنیا چھوڑ چکے ہیں۔ اُن کی طرف کوئی تعرض نہ ہو۔

(۲) عورت، بچہ، بوڑھا ہرگز قتل نہ کیا جائے۔

(۳) درخت نہ کاٹے جائیں۔

سوال : اسلامی فوج کی تعداد کیا تھی اور شرجیل گورنر بصریٰ نے کتنی فوج تیار کی؟

جواب: اسلامی فوج کی تعداد کُل تین ہزار تھی اور شرجیل نے تقریباً ڈیڑھ لاکھ فوج فراہم کی تھی۔ (۲)

سوال : اسلامی فوج کے سردار کون تھے؟

جواب: اوّل اس کا سردار حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تھا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ وصیت بھی فرما دی تھی کہ اگر وہ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ (۳) پسر ابو طالب جھنڈا لیں گے اور اُن کے بعد بھی اگر (خدانخواستہ) ضرورت ہو تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جھنڈا لیں گے۔

۱۔ دروس التاریخ الاسلامی۔

۲۔ دروس التاریخ۔ عموماً ڈیڑھ لاکھ۔ زاد المعاد میں ایک لاکھ ۱۲

۳۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی۔ ۱۲ منہ

سوال : اس جنگ کا کیا نتیجہ ہوا؟

جواب: اس مٹھی بھر جماعت کا خدا نے وہ رعب بٹھایا کہ ڈیڑھ لاکھ کا ٹڈی دل لشکر پیچھے ہٹے بغیر نہ رہ سکا اور حق تو یہ ہے کہ ڈیڑھ لاکھ کے جبڑوں میں سے تین ہزار کی مٹھی بھر جماعت کا بچ کر نکل جانا ہی بڑی بہادری اور اعلیٰ کامیابی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ نامزد سردار تینوں ایک دوسرے کے بعد جھنڈے کی حفاظت میں شہید ہوگئے۔ (۱)

سوال : ان تینوں کی شہادت کے بعد جھنڈا کس نے سنبھالا؟

جواب: خدا کی ایک تلوار نے جن کا نام خالد بن ولید تھا خود آگے بڑھے، جھنڈا سنبھالا اور میدان جیت لیا۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین

فتح مکہ ..... خدا کے گھر پر آسمانی بادشاہت کا جھنڈا نکالے ہوؤں کی کامیاب واپسی

سوال : مکہ کب فتح ہوا؟

جواب: رمضان المبارک ۸ھ میں۔

سوال : اسلامی لشکر کی تعداد کس قدر تھی؟

جواب: دس ہزار۔

سوال : اس کے سردار کون تھے؟

جواب: سرور دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

۱۔ صرف حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی لڑائی ہی جس قدر رعب بٹھا دے تھوڑا ہے خدا کی پناہ داہنا ہاتھ کٹ گیا تو جھنڈا بائیں ہاتھ میں لیا اور جب وہ بھی کٹ گیا تو بغل میں تھاما، بے شمار زخم بدن پر لگے مگر لطف یہ ہے کہ سب سامنے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے سینے اور سامنے کے حصہ پر نوے زخم گنے ہیں۔ زاد المعاد ج ۱، ص ۴۰۶۔ ۴۰۷

سوال : مدینہ کا خلیفہ کس کو بنایا گیا ؟

جواب: حضرت ابورہم کلثوم بن حصین غفاری رضی اللہ عنہ یا حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو۔

سوال : کفار مکہ کی حرکتیں اگرچہ اس قابل ضرور تھیں کہ جب موقع ملتا اُن پر حملہ کیا جاتا۔ مگر دس سال کی صلح کے معاہدہ کے بعد تیسرے ہی سال اُن پر حملہ کیوں کیا ؟

جواب: قریش نے خود اس معاہدہ کو توڑ دیا تھا۔

سوال : اس کی کیا شکل ہوئی ؟

جواب: یاد ہوگا صلح حدیبیہ کے موقع پر بنوبکر قریش کے ساتھ تھے اور بنوخزاعہ مسلمانوں کے ساتھ اور یہ دونوں قبیلے بھی اس صلح میں داخل ہوگئے تھے مگر ابھی پورے دو سال بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ بنوبکر نے بنوخزاعہ پر اچانک حملہ کر دیا۔ اُن کی عورتوں اور بچوں تک کو قتل کر ڈالا۔ قریش نے بنوبکر کی مال اور ہتھیاروں سے امداد کی اور اس قتل و خون میں بھی حصہ لیا۔ اُن کے چند سرداروں نے نقاب اوڑھ اوڑھ کر حملہ کیا۔ افسوس یہ کہ خدا کا واسطہ دے کر پناہ مانگی گئی تو بنوبکر اور اُن کی پشت پناہ قریشی سرداروں نے (معاذ اللہ) جواب دیا ”آج خدا کوئی چیز نہیں“ بنوخزاعہ کے مظلوموں میں سے چالیس آدمی جنہوں نے بھاگ کر اپنی جان بچالی تھی۔ داد رسی کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دہائی دیتے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ عمرو بن سالم خزاعی نے پُر درد اشعار کے ذریعہ سے امداد کی اپیل کی۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب مبارک بے تاب ہوگیا۔ حمیت میں جوش پیدا ہوا اور تیاری کا حکم صادر ہوگیا۔

سوال : اس جنگ کے لئے مدینہ منورہ سے کب روانگی ہوئی ؟

جواب: ۱۰ رمضان المبارک بروز چہار شنبہ عصر کے بعد۔

سوال : اس سفر کی آئندہ تفصیلات بیان کرو؟

جواب: یہ فوج فتح موج مدینہ طیبہ سے روانہ ہو کر مکہ مکرمہ کے قریب جب اس مقام پر پہنچی جس

کو "مرالظہر ان" کہا جاتا ہے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھے خیال پیدا ہوا کہ اگر آج مکہ والوں نے امن نہ حاصل کرلیا تو اُن کا خاتمہ ہے۔ میں فوراً ایک خچری پر سوار ہوکر مکہ کی طرف روانہ ہوگیا کہ شاید کوئی مل جائے تو کہلا بھیجوں کہ "پناہ کے بغیر کوئی صورت نہیں" میں قریب کی پہاڑی کے پاس پہنچا تو دو شخص نظر آگئے ، بڑھا تو سنا۔

ایک یہ لشکر کس کا ہے جس کے الاؤ (۱) اور چراغوں کی روشنی سے جنگل جگمگا رہا ہے۔

پہلا تو بہ اُن کے پاس اتنا بڑا لشکر کہاں۔

دوسرا شاید بنوخزاعہ کا ہو۔

اتنی دیر میں اور آگے بڑھ گیا تھا۔ میں نے غور سے دیکھ کر پہچان لیا کہ ایک ابوسفیان ہیں اور دوسرے حکیم بن حزام۔ دونوں حیرت سے بولے آپ یہاں کیسے ؟ میں نے واقعہ کا اظہار کیا۔ دونوں نے گھبرا کر کہا اب پناہ کی کیا صورت ؟ میں نے بتایا صرف یہ کہ میرے ساتھ چلو اور پناہ مانگ لو۔ ابوسفیان فوراً میرے خچر پر بیٹھ گئے۔ ہم دونوں دربار رسالتؐ میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا :

"بولو ابوسفیان کیا اب بھی خدا کو ایک نہ مانو گے ؟"

ابوسفیان : "بیشک وہ ایک ہے ورنہ دوسرا خدا میری آج امداد تو کرتا۔"

اس کے بعد ابوسفیان اسلام لائے۔

سوال : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکہ میں کس شان سے داخل ہوئے ؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فوج کو حکم فرمایا کہ مختلف راستوں سے (۲) شہر میں داخل

۱۔ اوّل تو فوج میں روشنی کی ضرورت ہی ہے اس کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حکم بھی تھا کہ روشنی کی جائے۔ ممکن ہے اثر ڈالنا مقصود ہو۔ ۱۲ واللہ اعلم

۲۔ تھوڑی سی جماعت سے بڑی جماعت پر رعب ڈالنے کی یہ بہترین صورت ہے۔ دو تین لاکھ آبادی کے شہر میں اگر دس دس بیس بیس کے دستے مختلف راستوں سے نعرے لگاتے ہوئے داخل ہوں تو ظاہر ہے کہ تمام شہر میں سنسنی پھیل جائے گی۔ باقی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اعمال و احکام کی پوری حکمت رسول جانیں یا خدا۔
وما اوتینا من العلم الا قلیلا واللہ اعلم بالصواب ۱۲ منہ

ہوں اور ایک دستہ کا افسر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنا کر حکم فرمایا کہ مکہ معظمہ کے اوپر کی طرف سے داخل ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود بنفس نفیس مکہ کے نیچے کی طرف سے داخل ہوئے۔

آج فاتح مکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان یہ ہے کہ ایک اونٹنی سواری میں ہے، کالا عمامہ سر مبارک پر، سورۂ فتح زبان مقدس پر اور تواضع اور عاجزی تمام بدن پر یہاں تک کہ سر مبارک جھکتے جھکتے عمامہ کی کور ہودہ کے قریب آ پہنچی۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ اونٹنی پر دوسرا شخص کون سوار تھا؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ شہید موتہ کے فرزند ارجمند حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ۔

سوال : فاتحانہ داخلہ کے وقت قتل عام وغیرہ کے احکام صادر کئے جاتے ہیں اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کیا کیا احکام صادر فرمائے؟

جواب: رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان دنیا کے تمام فاتحین سے نرالی ہے۔ وہی شہر اور وہی لوگ جنہوں نے ہجرت کے وقت اس شخص کے لئے بڑے بڑے انعام مقرر کئے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو زندہ لائے یا آپؐ کا سر لائے۔ رحمت عالم جب اُس شہر میں، اُنہی لوگوں پر غلبہ پا کر داخل ہوتے ہیں تو مشفق دوجہاں کے سرکار کی طرف سے منادی ہوتی ہے۔

(۱) جو شخص ہتھیار پھینک دے اُسے قتل نہ کیا جائے۔ (۲) جو شخص خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے اُسے قتل نہ کیا جائے۔ (۳) جو اپنے گھر میں بیٹھ جائے اُسے قتل نہ کیا جائے۔ (۴) زخمی کو قتل نہ کیا جائے۔ (۵) قیدی کو قتل نہ کیا جائے۔ (۶) بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے اور ہاں وہی ابوسفیان جو کل تک نہ صرف اسلام اور مسلمانوں کا خونی دشمن تھا بلکہ دشمن گر تھا اور ''اُحد'' جیسے تمام قیامت نما ہنگاموں کا ذمہ دار تھا آج اُس پر غلبہ پالینے کے بعد اعلان ہوتا ہے۔ (۷) جو ابوسفیان کے گھر

میں پناہ لے اُسے قتل نہ کیا جائے اور اسی طرح (۸) جو حکیم بن حزام کے گھر میں گھس جائے اُسے قتل نہ کیا جائے۔

سوال : مکہ میں داخل ہونے کے وقت لڑائی ہوئی یا نہیں اور کتنی جانیں ضائع ہوئیں ؟

جواب: مذکورہ بالا اعلان کے بعد ظاہر ہے۔ لڑائی کی کوئی گنجائش نہیں رہتی مگر اس پر بھی کچھ سر پھرے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر آ ہی گئے۔ مجبوراً جواب دینا پڑا جس میں ۲۷ یا ۲۸ کافر ہلاک ہوئے اور دو مسلمان شہید ہوئے اور کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

سوال : مکہ کے داخلہ کے وقت جن ۶ عورتوں اور گیارہ مردوں کو امن سے محروم رکھا گیا۔ اس کی کیا وجہ تھی ؟

جواب: اُن میں سے کچھ مرتد تھے (۱) کچھ قاتل اور کچھ ایسے تھے جن کی چالاکیاں بہت کچھ نقصان پہنچا چکی تھیں اور آئندہ سخت خطرہ تھا۔

سوال : کیا وہ سب قتل کر دیئے گئے ؟

جواب: تقریباً سب بھاگ گئے اور پھر ایک ایک کر کے مدینہ طیبہ حاضر ہو کر مسلمان ہوتے رہے۔ صرف دو چار کے متعلق قتل کی روایت ہے۔

سوال : اس وقت خانہ خدا یعنی کعبہ مکرمہ کی کیا حالت تھی ؟

جواب: ۳۶۰ بت اُس کے اندر رکھے تھے۔ ایک بڑا بت جس کا نام ''ہبل'' تھا کعبہ کی چھت پر کھڑا تھا۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا کیا ؟

جواب: کمان یا چھڑی کی نوک سے اشارہ کرتے جاتے تھے اور بت منہ کے بل گر رہے تھے اور یہ آیتیں زبان مبارک پر تھیں۔

۱۔ یعنی مسلمان ہو کر کافر ہو گئے تھے۔ (معاذ اللہ) ۱۲ منہ

(۱) جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

ترجمہ : ''حق آیا باطل کافور ہوگیا یقیناً باطل مٹنے کے لئے ہی ہے۔''

(سورۂ بنی اسرائیل۔ رکوع ۹)

(۲) جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ

ترجمہ : ''حق آگیا باطل نہ پیدا ہوگا نہ لوٹے گا۔'' (سورۂ سبا۔ رکوع ۶)

سوال : خانہ کعبہ کے علاوہ آس پاس جو اور بڑے بڑے بت تھے اُن کا کیا کیا گیا؟

جواب: کچھ دستے روانہ فرما دیئے گئے اُنہوں نے اُن کو توڑا۔(۱)

سوال : اللہ ﷻ کے گھر کو بتوں کی ناپاکی سے پاک کر کے اللہ ﷻ کے رسول نے اُس کا طواف کب کیا؟

جواب: ۲۰ رمضان المبارک ۸ھ کو۔

سوال : فتح مکہ کے دن مکہ والوں کی کیا حالت تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا سلوک کیا؟

جواب: حرم میں مکہ کے بڑے بڑے لوگ اور عام آدمی موجود تھے۔ خوف و ہراس اُن پر چھایا ہوا تھا۔ ہر ایک کو اپنے دن یاد آرہے تھے کیونکہ کسی نے حضرت رسالت پناہ پر اینٹیں پھینکی تھیں اور کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بارہا دھول ڈالی تھی اور کسی نے صاحبزادی کے نیزہ مارا تھا۔ جس کے اثر سے وہ جانبر نہ ہوسکیں۔ کوئی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل تھا تو کوئی اُن کا کلیجہ چبانے والی کوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو میں قصیدے کہنے والا اور تقریریں کرنے والا تھا تو کوئی گا گا کر آگ بھڑکانے والی،

۱۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عزیٰ بت کو توڑا جو قریش کا بہت بڑا بت تھا اور نخلہ مقام پر کھڑا تھا اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ''سواع'' بت کو توڑا جس کو ہذیل قبیلہ والے پوجتے تھے اور مکہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر تھا اور حضرت سعد بن زید نے منات بت کو توڑا جو مشلل پہاڑ پر نصب اور کلب اور خزاعہ والے اس کی پوجا کیا کرتے تھے۔۱۲

غرض ہر ایک کو اُس کا جرم آج قتل کے خوف سے لرزا رہا تھا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب بتوں کے معاملہ سے فارغ ہو کر خانہ کعبہ سے باہر تشریف لائے تو اُن کانپنے والوں کو دیکھا اور رحیمانہ شان سے لبوں کے تبسم کے ساتھ ارشاد ہوا : ''جو کچھ ہونا تھا ہو چکا، آج کوئی شکوہ شکایت نہیں، سب قصے ختم (۱) اسی درمیان میں ایک شخص آیا جو خوف سے کانپ رہا تھا۔ ارشاد ہوا گھبراؤ مت ، میں بادشاہوں کی طرح نہیں ، میں قریش کی ایک عورت کا لڑکا ہوں جو عام عورتوں کی طرح کھاتی پیتی تھی۔

سوال : کعبہ کی کنجی کس کے پاس تھی ؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کس کو دی ؟

جواب: عثمان بن طلحہ شیبی کے پاس تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چند نصیحتیں فرما کر اُن کو ہی واپس عطا فرما دی۔ (۲)

سوال : کیا مکہ کے سب کافر اسی وقت مسلمان ہو گئے تھے؟

جواب: نہیں۔ بہت سے ایسے تھے جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے۔ ہاں رفتہ رفتہ سب مسلمان ہو گئے۔

سوال : جو لوگ مسلمان ہوئے اُن میں سے خاص خاص آدمیوں کے نام بتاؤ ؟

۱۔ اس موقع پر ایک تقریر فرمائی۔ خدا کی حمد و ثناء اور خون بہا کے متعلق کچھ احکام بیان کرنے کے بعد فرمایا۔ جماعت قریش خدا نے اس تکبر کو تم سے دور کر دیا جو پہلے تھا۔ دیکھو ہم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام کی پیدائش مٹی سے۔ پھر قرآن پاک کی آیت تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے۔ اے لوگو ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر ہم نے تمہارے خاندان اور قبیلے مقرر کر دیئے جس کا مقصد یہ ہے کہ ایک دوسرے کے پہچاننے میں آسانی ہو۔ یہ یاد رکھو کہ بارگاہ خداوندی میں وہی مکرم اور معظم ہے جس میں تقویٰ زیادہ ہو۔ ۱۲ زاد۔ ص، ۴۱۵

۲۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن طلحہ کا بیان ہے کہ خانہ کعبہ کی کنجی ہمارے پاس رہا کرتی تھی ہم صرف دوشنبہ اور جمعرات کو کھولا کرتے تھے۔ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کھولنے کی فرمائش کی تو عثمان رضی اللہ عنہ نے سختی سے انکار کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ ناگوار ہوا تو فرمایا عنقریب وہ دن آنے والا ہے کہ کنجیوں کا مالک میں ہوں گا جس کو چاہوں گا دوں گا۔ مگر اخلاق عالیہ کی انتہا یہ ہے کہ آج قبضہ پا لینے کے بعد۔ اسی عثمان رضی اللہ عنہ کو کنجی مرحمت فرما دی جاتی ہے۔ ۱۲ زاد المعاد۔ ص، ۴۱۵

جواب: حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب۔ اُن کے صاحبزادے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ماجد حضرت ابو قحافہ اور ابوسفیان بن حارث یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بڑے چچا کے بیٹے۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین

خلاصہ

صلح حدیبیہ کی عمر اگرچہ دس سال رکھی گئی تھی مگر دوسرے ہی سال بنوخزاعہ پر بنوبکر نے حملہ کر دیا اور قریش نے بنوبکر کی امداد کر کے اس تمام معاہدہ کی دھجیاں اُڑا دیں۔ بنوخزاعہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں شکایت پیش کی اور امداد کی درخواست کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس درندگی کا بدلہ لینے کے لئے تیاری کا حکم فرمایا۔ دس ہزار کا لشکر جرار لے کر مکہ کے قریب ''مرالظہر ان'' تک پہنچ گئے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے قریش پر رحم کھا کر ابوسفیان کو مشورہ دیا کہ وہ باز آجائیں اور توبہ کرلیں۔ ابوسفیان اور پورے مکہ والوں کے لئے لڑائی کا موقع نہ رہا تھا۔ ابوسفیان نے اسلام قبول کرلیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں انتہائی خشوع اور عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے مکہ کے نیچے کی جانب سے داخل ہوئے۔ فوج کو حکم فرمایا کہ مختلف راستوں سے داخل ہو۔ چونکہ چند آدمیوں کے علاوہ عام معافی کا اعلان کر دیا گیا تھا اس لئے نہ لڑائی ہوئی نہ قتل وخون، صرف حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے راستہ میں کچھ مقابلہ ہوا جس میں سے ۲۷ یا ۲۸ کافر مرے اور صرف دو مسلمان شہید ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور بتوں کو گرا دیا۔ ۲۰ تاریخ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور ۱۵ روز مکہ میں قیام فرمایا۔

جنگ حنین

سوال : حنین کیا ہے؟ (۱)

جواب: ایک مقام کا نام ہے جو مکہ معظمہ سے تین منزل کے فاصلہ پر طائف کے قریب ہے۔

سوال : یہ جنگ کب ہوئی ؟

جواب: فتح مکہ کے بعد ماہِ شوال ۸ ھ کو۔

سوال : اس جنگ میں کن لوگوں سے مقابلہ ہوا ؟

جواب: ہوازن اور بنی ثقیف سے۔

سوال : لڑائی کا سبب کیا تھا ؟

جواب: چونکہ یہ دونوں قبیلے بہت بڑے اور بہت زیادہ مشہور تھے۔ مکہ کی فتح پر اُن کو غیرت پیدا ہوئی (۲) اور اسلامی لشکر پر چڑھائی کر دی۔

سوال : اس مقابلہ کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو اسلامی لشکر تیار کیا اس کی مقدار کیا تھی اور کس تفصیل سے ؟

جواب: کُل مقدار (۱۲۰۸۰) بارہ ہزار اَسّی تھی۔ جس میں دو ہزار مکہ کے نومسلم تھے اور (۸۰) کافر باقی مدینہ والی فوج۔

۱۔ اس کو جنگ اوطاس بھی کہا جاتا ہے۔ اوطاس بھی ایک مقام کا نام ہے۔ مکہ اور طائف کے بیچ میں اور چونکہ ہوازن قبیلہ کے آدمی لڑنے کے لئے آئے تھے۔ اس لئے جنگ ہوازن بھی کہہ دیتے ہیں۔۱۲

۲۔ مکہ مکرمہ پر چڑھائی اور اس کا فتح ہونا تمام عرب کے لئے بہت بڑی غیرت کی بات تھی اور یقیناً تمام عرب مقابلہ کے لئے اُٹھ کھڑا ہوتا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ عرب کے بہت سے قبیلے اسلام کی حقانیت کو پوری طرح پہچان گئے تھے۔ مگر کچھ قریش کا خوف، کچھ اُن کی پرانی عظمت کا خیال اُن کو اسلام کی جرأت نہ دیتا تھا اور یہ بھی خیال تھا کہ اگر اس آواز میں سچائی ہے تو یقیناً قریش پر غلبہ ہوگا۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد جوق در جوق قبائل کا اسلام میں داخلہ شروع ہوگیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں ہزاروں سے لاکھوں تک نوبت پہنچ گئی۔۱۲ ماخوذ از صحاح

سوال : یہ خدا کی فوج مکہ سے کب روانہ ہوئی ؟

جواب: ۶ شوال کو۔

سوال : مکہ کا خلیفہ کس کو بنایا؟

جواب: حضرت عتاب رضی اللہ عنہ پسر اُسید کو۔

سوال : اُن کی عمر اس وقت کیا تھی ؟

جواب: کُل اٹھارہ سال ؟ (۱)

سوال : جنگ کی تفصیلات بیان کرو؟

جواب: اس لشکر کی خبر پاتے ہی زیادہ تر دشمن پہاڑوں میں چھپ گئے۔ اسلامی لشکر جب حنین کے میدان میں پہنچا تو پہاڑوں سے نکل کر اس پر ٹوٹ پڑے اور تیر برسانے شروع کر دیئے۔ اس اچانک حملہ کے باعث اوّل اوّل اسلامی فوج میں کچھ پسپائی ہوئی مگر آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تلوار کھینچ کر میدان میں اُتر آئے اور ترانہ پڑھا اور تلوار گھمانی شروع کر دی۔ (۲) اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم کے بموجب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ٹولیوں کے ٹڈوں کو دلیرانہ آواز دی۔ فوراً فوج کو توجہ ہوئی اور میدان کی طرف اس طرح جھپٹی جیسے شیرنی بچہ کی طرف آن کے آن میں میدان کا رنگ پلٹا ہوا تھا۔

سوال : نتیجہ کیا ہوا ؟

جواب: مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ سارا مال ہاتھ آیا اور چھ ہزار سے زائد آدمی قید ہوئے۔

سوال : مال کس قدر تھا اور اِس کو کیا کیا؟

جواب: چوبیس ہزار اونٹ ، چالیس ہزار سے زائد بکریاں ، چار ہزار اوقیہ چاندی جو تقریباً چالیس ہزار روپیہ کے برابر ہوگی۔ اس کو مسلمانوں پر تقسیم کیا گیا مگر مکہ کے نومسلموں کو زیادہ دیا گیا۔

۱۔ دروس التاریخ الاسلامی ۲۔ بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی وہیں رہے ۱۲

سوال : جنگ حنین میں کفار نے کس طرح تیاری کی تھی ؟

جواب: اپنے تمام جانور ، مال ، عورتیں ، بچے سب ساتھ لائے تھے تا کہ اگر شکست ہو تو بال بچوں اور مال کی وجہ سے بھاگیں نہیں ، لڑلڑ کر وہیں جان دے دیں۔

سوال : اس لڑائی میں مسلمانوں کی پسپائی کا سبب کچھ اور بھی ہے؟

جواب: حقیقت میں ایک اور سبب بھی ہے اور وہ یہ کہ کچھ مسلمانوں کو اپنی زیادتی کا گھمنڈ بھی ہو گیا تھا۔

سوال : اس غیبی تنبیہ سے کیا معلوم ہوا ؟

جواب: یہ کہ مسلمانوں کو اپنی کمی یا زیادتی پر ہرگز خیال نہ کرنا چاہئے اُن کو بھروسہ صرف خدا پر ہونا چاہئے۔

سوال : کیا ظاہری سامان کا کچھ بھی خیال نہ کیا جائے ؟

جواب: تدبیر کے مرتبہ میں ظاہری سامان بھی ضروری ہے۔

خداوندی ارشاد ہے :

وَاَعِدُّوْ لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّاللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ

ترجمہ : ”طاقت اور عمدہ عمدہ گھوڑے جس قدر بھی کر سکو دشمنانِ اسلام کے مقابلے کے لئے تیار کر لو تا کہ خدا کے اور اپنے دشمنوں کو ڈراتے رہو۔“

مگر اس پر گھمنڈ ہرگز نہ ہو۔ زیادتی پر زعم نہ ہو۔ کمی سے بزدلی نہ ہو ہر حال میں اللہ ﷻ پر بھروسہ رہے۔

سوال : اس موقع پر کوئی خاص غیبی امداد ہوئی ہو تو اُس کو بیان کرو؟

جواب: جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقابلہ کر رہے تھے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مٹی کی ایک مٹھی اُٹھا کر دشمنوں کی طرف پھینکی جس کو خدا کی قدرت نے ہر ایک مقابل کی آنکھ میں پہنچا دیا۔ اس کی آنکھیں بند ہوگئیں پھر ساری فوج کے پیر اُکھڑ گئے۔

سوال : اس موقع پر اس غیبی امداد کی کیا حکمت ہے؟

جواب: پورا پورا علم تو خدا کو ہے، لیکن بظاہر مسلمانوں کے لئے ایک سبق ہے کہ اُن کی کثرت کارآمد نہیں، خدا کی امداد اُن کی کارساز ہے۔

سوال : اس جنگ میں کتنے مسلمان شہید ہوئے اور کتنے کافر مارے گئے ؟

جواب: مسلمان کُل چار یا چھ شہید ہوئے اور اکہتر کافر قتل ہوئے۔

خلاصہ

مکہ کی فتح عام عرب کے لئے بڑی غیرت کی بات تھی۔ مگر چونکہ اسلام کی حقانیت اور سچائی کا سب کو اندازہ ہو چکا تھا اس لئے اس فتح سے کوئی غیرت پیدا نہیں ہوئی۔ البتہ ہوازن اور ثقیف کے قبیلے جو خود کو بہت بڑا اور بہت بہادر سمجھتے تھے، لڑنے کے لئے تیار ہو گئے اور بیوی بچوں اور تمام جانوروں سمیت پوری طاقت کے ساتھ اسلامی لشکر پر چڑھائی کے لئے روانہ ہو گئے۔ اُس کی خبر پا کر ۶ شوال کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکہ سے روانہ ہوئے۔ حضرت عتاب رضی اللہ عنہ پسر اُسید کو مکہ کا خلیفہ بنایا۔ دشمن، حنین کے اُس طرف پہاڑوں میں چھپ گئے اور جب اسلامی لشکر بیچ میں پہنچا۔ ایک دم اُس پر ٹوٹ پڑے جس سے اوّل اوّل مسلمانوں کے کچھ پیر اُکھڑے مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور بڑے بڑے صحابی جمے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ خچر سے اُتر آئے اور تلوار گھمانی شروع کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آواز دی، سارے مسلمان اکٹھے ہو گئے، تھوڑی دیر ہی میں میدان کا رنگ پلٹ گیا۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی صرف چار یا چھ آدمی شہید ہوئے، ۷۱ کافر کام آئے اور بہت کچھ سامان ہاتھ لگا۔

طائف کا محاصرہ

اسلام میں پہلی مرتبہ منجنیق کا استعمال

سوال : اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم طائف کیوں تشریف لے گئے اور وہاں جا کر کیا کیا؟

جواب: چونکہ طائف ہوازن اور بنی ثقیف کی رٹھان اور پناہ گاہ تھا اور وہ لوگ حنین سے بھاگ کر طائف میں قلعہ بند ہوگئے تھے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وہاں تشریف لے گئے اور تقریباً اٹھارہ روز اس کا محاصرہ کیا، طائف والوں نے مسلمانوں پر بے انتہا تیر برسائے۔ چنانچہ بہت سے مسلمان زخمی ہوئے اور ۱۲ شہید بھی ہوگئے تو اس کے جواب میں اسلامی فوج نے منجنیق کا استعمال بھی کیا جو اس زمانہ کی گویا توپ تھی۔ جس سے پتھر پھینکے جاتے تھے۔ اسلام میں منجنیق کا استعمال پہلی مرتبہ تھا۔ (۱)

سوال : منجنیق کی رائے کس نے دی تھی؟

جواب: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے۔ (۲)

سوال : اس محاصرہ کا کیا نتیجہ ہوا؟

جواب: ہوازن اور بنوثقیف کے غرور کا تو پورا پورا بدلہ مل گیا مگر باقاعدہ فتح نہیں ہوئی۔

سوال : اہل طائف کب مسلمان ہوئے اور کس طرح؟

جواب: جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم واپس مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تب طائف والوں کا ایک وفد حاضر ہوا اور خود درخواست کر کے اسلام سے مشرف ہوا۔

سوال : اس وفد کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہاں بٹھایا؟

جواب: مسجد میں۔

۱۔ دروس التاریخ الاسلامی ۲۔ دروس التاریخ الاسلامی ۱۲

سوال : حنین کے قیدیوں کا کیا کیا گیا؟

جواب: جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم طائف سے واپس ہو رہے تھے تو جعرانہ مقام پر اُن کا ایک وفد حاضر ہوا۔ (۱) اور قیدیوں کی رہائی کی درخواست کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چونکہ قیدیوں کو بھی تقسیم کر دیا تھا۔ اس وجہ سے مسلمانوں کے سامنے اُن کی درخواست پیش کی جس کو فوراً قبول کرلیا گیا اور تمام قیدی واپس کر دیئے گئے۔

سوال : کیا اس سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کوئی اور عمرہ بھی کیا اور کہاں سے کس وقت؟

جواب: جعرانہ مقام پر جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قیام فرما تھے تو وہیں سے عمرہ کا احرام باندھا۔ رات کو مکہ معظمہ جا کر عمرہ ادا فرمایا اور صبح سے پہلے واپس ہو گئے۔

سوال : اس سفر سے واپس ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ طیبہ کب پہنچے؟

جواب: ۶ ذیقعدہ ۸ ھ کو۔

سوال : ۸ ھ میں غزوے کتنے ہوئے اور سریہ کتنے بھیجے گئے؟

جواب: مذکورہ بالا جنگوں کے علاوہ دس دستے روانہ ہوئے۔ غزوہ کوئی اور نہیں ہوا۔

خلاصہ

ہوازن اور ثقیف کے لوگ حنین سے بھاگ کر طائف کے قلعوں میں آچھپے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کا محاصرہ کیا تقریباً اٹھارہ روز محاصرہ رہا۔ مسلمانوں پر ان لوگوں نے بے انتہا تیر برسائے چنانچہ بارہ مسلمان شہید ہوئے اور بہت سے زخمی بھی ہوئے جس کے جواب میں منجنیق کا استعمال کیا گیا۔ اٹھارہ روز کے بعد محاصرہ اُٹھا لیا گیا۔ اُن کے

۱۔ اس کی مقدار حافظ ابن قیمؒ نے چند نفر بتائی ہے۔ سردار زہیر بن صرو تھے اور ان ہی لوگوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رضائی چچا بھی تھے۔ جن کا نام ابو برقان تھا۔ ۱۲ زاد المعادج ۱، ص ۴۲۸

غرور کا پورا پورا جواب مل گیا۔ مگر باقاعدہ فتح نہیں ہوئی اس کے بعد اُن لوگوں کا ایک وفد مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسجد میں ٹھہرایا تاکہ قرآن شریف اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تقریریں سنیں اور اثر ہو۔ چنانچہ وہ چند دن میں مسلمان ہو کر واپس ہوئے۔ طائف سے جب واپس ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ''جعرانہ'' مقام پر پہنچے تو اُن لوگوں کا ایک وفد آیا اور حنین کے قیدیوں کی رہائی کی درخواست کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے منظور فرما کر سب کو مفت رہا کر دیا جن کی تعداد چھ ہزار تھی۔ جعرانہ مقام سے ایک عمرہ بھی رات کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کیا۔ ۶ ذیقعدہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ طیبہ واپس پہنچے۔

سنہ ۹ ھ

غزوۂ تبوک.....وفود کی آمد.....دینِ الٰہی میں فوج در فوج داخلہ

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا آخری غزوہ کون سا ہے؟

جواب: غزوۂ تبوک۔

سوال : مقام تبوک مدینہ سے کتنے فاصلہ پر ہے اور کس طرف ہے؟

جواب: تقریباً ۱۴ منزل ہے شام کے علاقہ میں۔

سوال : یہ غزوہ کن لوگوں سے ہوا؟

جواب: رومیوں سے جن میں اکثر عیسائی تھے۔

سوال : اس کی وجہ کیا تھی؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ معلوم ہوا تھا کہ ہرقل شاہ اٹلی اور موتہ کے ہارے ہوئے عیسائی مدینہ پر چڑھائی کے ارادہ سے تیاریاں کر رہے ہیں۔

سوال : اس وقت عام مسلمانوں کی اور موسم کی کیا حالت تھی ؟

جواب: سخت گرمیوں کا زمانہ تھا، قحط ہو رہا تھا۔ مسلمان بہت زیادہ تنگدست تھے۔

سوال : اس جنگ کا سامان کس طرح تیار کیا گیا ؟

جواب: چندہ سے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی اپنی حیثیت سے بڑھ کر دیا۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مکان کا سارا سامان لا کر رکھ دیا۔ جس کی قیمت چار ہزار درہم یعنی تقریباً ایک ہزار روپیہ تھی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مکان کا آدھا سامان پیش کر دیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دس ہزار دینار، تین سو اونٹ اور بہت کچھ سامان پیش کیا۔ اسی طرح دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی اپنی حیثیتوں سے بڑھ کر چندے پیش کئے۔ عورتوں نے اپنے زیور اُتار اُتار کر پیش کئے۔

سوال : اسلامی فوج کی تعداد کتنی تھی اور سامان جنگ کیا تھا ؟

جواب: تیس ہزار سپاہی مع ہتھیار تھے اور دس ہزار گھوڑے۔

سوال : لشکر کے سردار کون تھے اور مدینہ کا خلیفہ کون ہوا ؟

جواب: لشکر کے سردار خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اور مدینہ کا خلیفہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو کیا گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خانگی نگرانی کے لئے چھوڑا گیا۔

سوال : مدینہ طیبہ سے کس تاریخ کو روانگی ہوئی ؟

جواب: ۵ رجب روز پنجشنبہ ۹ ھ کو۔

سوال : جنگ ہوئی یا نہیں اور نتیجہ بیان کرو؟

جواب: جنگ نہیں ہوئی کیونکہ وہاں کوئی نہ تھا۔ ہرقل بادشاہ حمص چلا گیا تھا۔ اس سفر سے رومیوں پر بے حد رعب ہو گیا چنانچہ یوحنا پسر روبد۔ والی ایلہ حاضر خدمت ہوا۔ اُن کے ساتھ جربا اذرُح وغیرہ کے والی بھی تھے۔ اُن لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے صلح کرلی، خراج ادا کرنے کا عہد کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن لوگوں کو امان دے دی۔

سوال : یہ شہر کس ملک میں ہے؟

جواب: ملک شام میں۔

سوال : اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو کہاں بھیجا تھا اور جو پیشن گوئی فرمائی تھی وہ کیا تھی اور کیسی رہی؟

جواب: حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو اکیدر نصرانی کی طرف بھیجا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ تم رات کے وقت اس سے مل سکو گے جبکہ وہ شکار کھیل رہا ہوگا۔ چنانچہ ہو بہو ایسا ہی ہوا اور اس کو گرفتار کر کے بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر کر دیا۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں کتنے عرصہ قیام فرمایا اور مدینہ کب تشریف لے گئے؟

جواب: پندرہ یا بیس روز اور پھر رمضان المبارک میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

سوال : مسجد ضرار کی کیا حقیقت تھی اور اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیوں جلوا دیا اور کب؟

جواب: منافقوں نے (۱) مسلمانوں کے برخلاف مشورہ کرنے کے لئے مسجد کے نام سے قبا میں ایک مکان بنایا تھا اس کو مسجد ضرار کہا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سفر سے واپسی پر اس کو جلانے کا حکم فرما دیا۔

۱۔ وہی ابو عامر فاسق نے جنگ اُحد میں گڑھے کھود کر چھپا دیئے تھے کہ مسلمان اِس میں گریں۔ اُس کی رائے تھی کہ ایک مسجد بنائی جائے تاکہ اس قسم کی سازش آسانی سے کرسکیں اور یہ بھی کہا تھا کہ روم کے بادشاہ کے پاس فوج لینے جارہا ہوں۔ ایسے موقع پر یہ مسجد بہت کچھ کام دے گی۔ ڈھٹائی کی حد ہوگئی کہ اس تمام فریب کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس میں نماز پڑھنے کی بھی درخواست کی جو منظور ہوگئی۔ مگر خدا نے اس سے پہلے ہی اُن کے فریب پر مطلع کر دیا۔ اُس طرف عیاری کی حد ہے تو اِس جانب سادگی کی انتہا۔ ۱۲

سوال : اس سال اور غزوے کتنے ہوئے اور کتنے دستے روانہ کئے گئے ؟

جواب: غزوہ کوئی نہیں۔ البتہ تین دستے روانہ کئے گئے۔

خلاصہ

معلوم ہوا کہ ہرقل بادشاہ موتہ کی جنگ کا بدلہ لینے کے لئے مسلمانوں پر حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے ہی سے اس کی بندش کے واسطے تیس ہزار مسلمانوں کی فوج لے کر رجب ۹ھ میں مدینہ طیبہ سے روانہ ہوگئے۔ گرمی کا زمانہ تھا، قحط تھا، مسلمان بے حد تنگدست تھے۔ چندہ سے فوج کی ضروریات کا انتظام کیا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مرد اور عورتوں نے حیثیت سے بڑھ بڑھ کر چندے دیئے جب یہ لشکر تبوک کے مقام پر پہنچا تو وہاں کوئی نہ رہا تھا۔ ہرقل بادشاہ حمص چلا گیا تھا۔ پندرہ روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں قیام فرمایا پھر واپس تشریف لے آئے۔ رمضان شریف میں مدینہ پہنچے۔ اس قیام کے زمانہ میں اکیدر نواب کو گرفتار کر کے لایا گیا اور دوسرے نوابوں سے معاہدے ہوئے۔ واپسی پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد ضرار کو جلوانے کا حکم دیا جو منافقوں نے مسلمانوں کے خلاف مشورہ کرنے کے لئے بنائی تھی۔

سوال : اس سال کے اور بڑے بڑے واقعات کیا ہیں؟

جواب: (الف) حج ادا کیا گیا جو علماء کے ایک قول کے بموجب اس سال فرض بھی ہوا تھا۔ اس کا انتظام کرنے کے لئے تین سو مسلمانوں کے دستہ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سردار یعنی ''امیر'' بنا کر بھیجا گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے :

(ا) وہ مشہور خداوندی اعلان سنایا جس کی ہدایت قرآن پاک میں سورۂ برأت میں کی گئی تھی۔

(۲) اور اعلان کیا کہ آئندہ کوئی مشرک اللہ ﷻ کے گھر میں داخل نہ ہو سکے گا۔

(۳) کوئی شخص ننگا ہو کر خانہ کعبہ کا طواف نہ کر سکے گا۔

(۴) کافر جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ (۱)

(ب) بڑے بڑے قبیلوں کے وفد آئے جو اسلام سے مشرف ہو کر گئے۔

سوال : وفد کس کو کہتے ہیں؟

جواب: وفد اُس جماعت کا نام ہے جو کوئی مقصد لے کر کسی کے پاس جائے۔

سوال : زیادہ وفد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کب آئے ؟

جواب: اسی سال یعنی ۹ھ میں۔

سوال : اس کی وجہ کیا تھی ؟

جواب: معلوم ہو چکا ہے کہ صلح حدیبیہ سے پہلے تو دنیا کی زمین مسلمانوں پر تنگ تھی اس کے راستے اُن کے لئے بند تھے۔ قدم قدم پر خطرہ تھا۔ صلح نے ان دقتوں کو ختم کر دیا، اسلامی خیالات کو پھیلایا گیا۔ غلط بہتانوں کو اُٹھایا گیا مگر کفار مکہ کا غلبہ۔ اُن کا رعب داب اور اُن کی پرانی عزت دوسرے قبیلوں کو مسلمان ہونے سے اب بھی روکے ہوئے تھی۔

۱۔ جس کا حاصل یہ ہے (الف) جن لوگوں نے معاہدوں کی پوری پابندی کی اُن کے معاہدے اپنی اپنی مدت تک باقی رہیں گے۔ (ب) جن لوگوں نے معاہدوں سے خلاف ورزی کی یا اب تک کوئی معاہدہ نہیں کیا اُن کو چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے پھر اُن کے لئے اللہ ﷻ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جنگ کا اعلان ہے کیونکہ وہ غداری، مکاری اور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں انتہا کو پہنچ چکے ہیں۔ (ج) ان کو اختیار ہے کہ کوئی ایسا چارہ تجویز کرلیں جو اسلامی فریق کے لئے بھی قابل تسلیم ہو۔ قرآن پاک سورۂ توبہ۔ ۱۲

۸ھ میں فتح مکہ کے باعث جب یہ ظالم کی طاقت ٹوٹ گئی تو اسلامی جہاد (۱) کا مقصد سامنے آ گیا یعنی کمزوروں کو اپنی مرضی سے اپنی بھلائی کا دین اختیار کرنا آسان ہو گیا چنانچہ وفود آئے۔

خلاصہ

اس سال کے دوسرے بڑے واقعات میں سے یہ ہے کہ اسلامی حج ادا کیا گیا۔ جس کے انتظام کے لئے تین سو مسلمانوں کے دستہ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حج کا امیر بنا کر بھیجا گیا۔ اس حج میں وہ مشہور خداوندی اعلان حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سنایا جس کی ہدایت قرآن پاک میں سورۂ توبہ میں کی گئی تھی اور کفار قریش کی طاقت ٹوٹ گئی تھی اور مسلمان ہونے والے قبیلوں کے لئے راستہ صاف ہو گیا تھا، لہٰذا قبیلوں کے وفود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

۲۔ یہ بات ہمیشہ یاد رہنی چاہئے کہ اسلامی جہاد کا مقصد فتنہ فساد کا دنیا سے اُٹھا دینا ہے نہ زبردستی تلوار کے زور سے مسلمان بنانا۔ ورنہ مفتوحہ ممالک میں کوئی ایک بھی کافر نہ رہتا اور کم از کم فتح مکہ کے موقع پر لوگوں کو امن نہ دیا جاتا بلکہ یہ اعلان ہوتا کہ جو مسلمان نہ ہو وہ تلوار کے گھاٹ اُتار دیا جائے۔ یہ ایک عجیب لطیفہ ہے کہ بڑی بڑی طاقتوں والے مقابلہ کے وقت مسلمان نہیں ہوئے۔ فتح مکہ کی نظیر سامنے ہے۔ بنو ثقیف اور ہوازن کے کفار بھی اس وقت مقابلہ پر ڈٹے رہے پھر آ کر مسلمان ہوئے۔ قبیلہ بنو حنیف کا سردار ثمامہ بن اثال گرفتار کیا گیا۔ مگر مسلمان جب ہوا کہ اس کو بالکل رہا کر دیا گیا۔ اسی طرح حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا گرفتار کر کے لائے گئے۔ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے پھر خود بخود مسلمان ہوئے اور اس قسم کے سینکڑوں واقعات اس بات کی کھلی دلیل ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا۔ واللہ علی مانقول وکیل

۱۰ھ

مشرق میں دوبارہ آفتاب کا طلوع

حضور ﷺ کا حج

سوال : ۱۰ھ میں کتنے غزوے ہوئے اور کتنے دستے روانہ کئے گئے ؟

جواب: غزوہ کوئی نہیں ہوا۔ ہاں دو دستے روانہ ہوئے۔

سوال : حج کب فرض ہوا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کب ادا کیا ؟

جواب: ۵ھ میں (۱) یا ۹ھ میں یا ۱۰ھ میں۔ علماء کا اختلاف ہے۔ بہرحال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۰ھ میں ادا کیا۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حج کا نام کیا ہے اور اس نام کی وجہ کیا ہے؟

جواب: حجۃ الوداع یعنی رخصتی کا حج کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے تین ماہ بعد رحلت فرمائی۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ سے کب روانہ ہوئے ؟

جواب: پچیس (۲) یا چھبیس ذیقعدہ کو بروز سنیچر بعد ظہر۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ معظمہ کب پہنچے ؟

جواب: ۴ ذی الحجہ کو بروز اتوار (۳)

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس سال کتنے مسلمانوں نے حج ادا کیا ؟

جواب: ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں نے۔

۱۔ زاد المعاد۔ ج ۱۔ص ۱۸۶۔ ج ۱۔ص ۴۸۶۔　۲۔ زاد المعاد۔ ج ۱۔ص ۱۸۶

۳۔ زاد المعاد۔ ج ۱۔ص ۱۸۴

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حج کے موقع پر کتنی تقریریں فرمائیں اور کہاں کہاں ؟

جواب: (۱) تین ۹ ذالحجہ کو عرفہ کے مقام پر میدان کے بیچ میں۔ جبکہ آپؐ اپنی اونٹنی پر سوار تھے جس کا نام قصواء تھا۔

(۲) ۱۰ ذی الحجہ کو منیٰ کے مقام پر۔

(۳) ۱۱ ذی الحجہ کو منیٰ کے مقام پر۔

سوال : ان تقریروں کا حاصل کیا تھا ؟

جواب: (۱) مسائل کو پوری طرح سمجھ لو۔ (۱) ممکن ہے اس سال کے بعد میں اور آپ اکٹھے نہ ہوسکیں۔

۱۔ زاد المعاد۔ ص، ۲۳۵۔ ۱۲

ضروری یادداشت : اسلامی فرائض اور سلسلہ رحم و کرم۔ رابطہ اتحاد و اتفاق اور ہمہ گیر امن و امان۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رحمۃ اللعالمین تھے۔ اتحاد عالم امن عام کے مبلغ اور اسلام اُن کی تعلیم جبکہ حیات پاک کے آخری دور کے ساتھ اسلام کے آخری فرض ''حج'' کا بیان ختم ہو رہا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقدس خطبہ کی وہ دفعہ بھی سامنے ہے کہ میرے بعد کافر مت بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردن دباؤ۔ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جاؤ تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اتحاد و اتفاق۔ رحم و محبت اور امن و امان کے دوسرے رابطہ پر بھی تنبیہ کی جائے جو اسلامی تعلیمات کا گویا تار و پود ہے اور گوشت پوست اور امن عالم کا اصلی جوہر مثلاً اسلام کا سب سے عام فرض نماز ہے۔ ہر مسلمان واقف ہے کہ جماعت کو اس کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے حتیٰ کہ بعض علماء نے جماعت کے بغیر مرد کی نماز ہی جائز نہیں مانی۔

جماعت اور اتحاد : ظاہر ہے کہ جماعت کے ذریعہ سے (۱) اہل محلّہ کا روزانہ پانچ مرتبہ اجتماع ہوگا۔ (۲) اس میں سلام و کلام بھی ہوگا۔ (۳) ایک دوسرے کی خیریت بھی معلوم ہوجائے گی۔ (۴) کوئی بیمار ہوگا تو اُس کی مزاج پرسی بھی ہوگی۔ (۵) کوئی پریشان ہوگا تو اس سے ہمدردی بھی ہوگی۔ یہ سب باتیں اتحاد کے اصل اُصول ہیں۔ رحم و محبت کی جڑیں ہیں اور امن عالم کی بنیادیں۔ خصوصاً جب یہ بھی یاد رہے کہ (۱) چغلخوری، ریا، غیبت کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (لایدخل الجنة قنات ولا نمام) گالی گلوچ فسق ہے، لڑنا کفر (اسباب المومنین فسق وقتاله کفر) ایک دوسرے پر پھبتی حرام۔ (لایسخر قوم من قوم) (۴) جو کسی کی مصیبت دور کرتا ہے خدا اُس کی مصیبت قیامت کے روز دور کرے گا۔ (من فرج عن مومن کربته) (۵) تکبر خدا کی برابری کا دعویٰ ہے۔ متکبر خدا کی چادر چھینتا ہے کیونکہ عظمت صرف اسی کا خلعہ ہے۔ (الکبریاردائی)

(۶) ذرہ برابر غرور بھی جنت کی راہ میں بھاری چٹان ہے۔ (لایدخل الجنة من کان فی قلبه ، مثقال ذرہ او خردل من کبرہ) (۷) مسلمان وہی ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے تمام مسلمان محفوظ رہیں (المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده) (۸) مومن وہی ہے جس کے شر سے خدا کی ساری مخلوق امن میں رہے۔ (المومن من امن الناس بوائقه) (۹) افضل وہی ہے جس کے منافع عام ہوں جس کی خیر خواہی ساری مخلوق کو شامل ہو۔ (شمائل ترمذی) (۱۰) وہ شخص جماعت اسلام سے خارج ہے جو بڑوں کا احترام ، علماء کی تعظیم، چھوٹوں پر شفقت نہ کرے۔ من لم یوقو کبیرنا آہ۔

وحدت قبلہ : اسی مقصد اتحاد کی بناء پر اگر ایک طرف حکم ہوتا ہے کہ نماز کی صفیں بالکل سیدھی رہیں۔ ایک ٹخنہ دوسرے ٹخنہ کے برابر رہے اور غلام ہو یا آقا ، غریب ہو یا امیر۔ مفلس قلاش ہو یا شہنشاہ تاجدار۔ جب نماز میں کھڑے ہوں تو ایک دوسرے کے مونڈھے سے مونڈھا ملا کر تو اسی طرح دوسری طرف ایک خاص رخ پر ایک مرکز مقرر کر دیا گیا کہ سب کے سجدے اس طرف ہونے چاہئیں تا کہ مشرق و مغرب ، شمال و جنوب ، یورپ ایشیاء غرض اختلاف بلاد ، اختلاف ممالک ، اختلفا اقوام کی تفریق اُٹھ کر یکجہتی کے ایک خوبصورت رستہ سے سب منسلک ہو جائیں اس صورت کا شائبہ بھی نہ آئے کہ کوئی ''لات'' کو پوجتا تھا کوئی ''عزا'' ورنہ حقیقت یہ ہے کہ خدا ہر جگہ ہے اور ہر طرف۔ اسی کا سجدہ ہے اسی کی نماز نہ سجدہ خانہ کعبہ کا ہے نہ بوسہ حجر اسود کا۔ خانہ کعبہ ایک کوٹھڑی کا نام ہے اور حجر اسود ایک پتھر۔ نماز کے بعد اسلام کا دوسرا فرض روزہ ہے تا کہ بادشاہوں اور ناز پروردہ خوش اقبال لوگوں کو نوع انسان کے غریب مسکین بھوکے اور فاقہ مست افراد کے درد و جگر کا احساس ہو اور قدرتی طور پر اُن کی ہمدردی کا ایک تخم امیر دلوں میں بویا جائے ، لیکن اس بیج کو خاک میں ملا دینے کے لئے نہیں بویا جائے بلکہ اس پر عمل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ چنانچہ رمضان ختم ہوتے ہی غمخواری نوع انسان کی شاہراہ پر قدم اٹھوایا جاتا ہے اور وہ صدقہ فطر کی ادائیگی ہے یعنی یہ کہ جب تک ۲۷ چھٹانک ''گیہوں'' یا ۵۴ چھٹانک ''جو'' غریبوں کو نہ دیئے جائیں اس وقت تک روزے گویا معلق ہیں۔ اِدھر ہیں نہ اُدھر قبولیت کا درجہ بعد صدقہ فطر ہی کے ہے ، لیکن ایک فوری عمل ہے جو روزہ والی تعلیم کا گویا وقتی امتحان ہے۔ اس کے علاوہ مستقل طور پر اُن کے پاس یا اُن کے شہر میں رہنے والے غرباء کا وظیفہ مقرر کر دیا گیا جس کی مقدار ڈھائی فیصدی ہے جس کو زکوۃ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے ، لیکن اوّل خویش بعدہ درویش کے اُصول کے بموجب اُس کا دائرہ صرف مسلمانوں تک محدود رہا ، لیکن مسلم کی شان یہ بتائی گئی کہ اس کے دست کرم سے انسان تو انسان جانور بھی محروم نہ رہیں۔ ساتھ میں یہ تاکید بھی ہوگئی کہ ڈھائی فیصدی کے علاوہ کچھ اور بھی فقراء کا حصہ اپنے مال میں سمجھنا ضروری ہے جس قدر صَرف کرو گے ثواب پاؤ گے۔ اس ڈھائی فیصدی کے وظیفہ نے ایک طرف امراء کو غرباء کا عملی ہمدرد بنا دیا تو دوسری طرف غرباء کو اپنے محسن امراء کا جاں نثار۔ بھوکوں کا پیٹ بھرا اور اُن کی فدویانہ محبت نے امراء کے مال کو چوروں اور ڈاکوؤں سے محفوظ کر دیا۔ وہ سوائے اس کے کہ محلّہ کے غریب اُس کی حفاظت کریں گے کہ ہمارا محسن اُس کے مال میں ہمارا بھی حصہ

ہے، سرمایہ داری کا کوئی سوال اُٹھانے والا ہی نہ رہا تو سوال کیسا ہے یمحق اللّٰہ الربا ویربی الصدقات ''خدا سود کو گھٹاتا اور صدقوں کو بڑھاتا ہے'' نماز کے سلسلہ میں جماعت کی شکل سے جو محلّہ بہ محلّہ اتحادی انجمنیں اور کمیٹیاں بنائی گئی تھیں۔ اس کی ترقی کا دوسرا درجہ جمعہ کی نماز ہے یعنی پورے شہر کا اتحادی جلسہ جس میں دیہات کے نمائندے بھی آسکتے ہیں اور برابر کا حصہ پاسکتے ہیں۔ تیسرے قدم پر عیدین کی نمازیں رکھی گئیں جو جمعہ سے زیادہ وسیع ہیں۔ قرب و جوار کے دیہات پر اس کی شمولیت لازم تو نہیں قرار دی گئی کیونکہ اسلام انسان کو زیادہ تکلیف نہیں دیتا، لیکن وہاں اس کی شان اور سالانہ تقریب کی امنگ نے دیہات والوں کو کشاں کشاں یہاں پہنچا کر عملی شمولیت پیدا کر دی اور اُصولاً نہ سہی تو عملاً شہر اور قرب و جوار کی متحدہ کانفرنس ہوگئی مگر اب کالے اور گوروں کا اجتماع باقی تھا۔ مشرق و مغرب کو ایک جگہ نہیں کیا گیا تھا۔ جنس انسان کے لباس امتیازات کو بھی نہیں اٹھایا گیا تھا لہٰذا اسی خانہ کعبہ پر جو مسلمانوں کے ان تمام فطری اور جغرافیائی اصناف و اقسام کا متحدہ مرکز تھا اور قدرتی طور پر بھی ربع مسکون کے وسط پر واقع ہوا تھا، نیز اس کا بانی بھی وہ تھا جو اکثر اقوام انسانی کا نہیں۔ اس سے بھی اوپر تمام اولاد آدم کا باپ تھا (کیونکہ ابراہیم علیہ السلام بھی خانہ کعبہ کے بانی کہے جاتے ہیں مگر درحقیقت بنیادیں وہی تھیں جن پر حضرت آدم علیہ السلام پہلے اس مکان کو تعمیر کر چکے تھے مگر امتداد زمانہ نے ان کو مٹا دیا تھا) حج کے نام سے ایک سالانہ کانفرنس کی بنیاد رکھی گئی جس کی شرکت کے لئے روئے زمین کے تمام مسلمانوں کو دعوت دی گئی، نمائندگی کے لئے اسلام کے ساتھ صرف آزادانہ بلوغ کی شرط رکھی گئی یہاں مرد اور عورت کی تفریق بھی نہ تھی۔ البتہ خرچہ آنے والے کے ذمہ پر ڈال دیا گیا، اس موقع پر ان قربانیوں کی یاد دہانی کی گئی جو اُن کے باپ ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے خدا کے نام پر پیش کی تھیں۔ صرف فرق یہ رہا کہ بیٹے کی جگہ جانور کو خلیفہ بنا دیا گیا تاکہ اس ذبح کے ساتھ اس قائم مقام کی جنس پر شفقت بھی پوری پوری ہو۔ اس موقع پر کم از کم تین تقریریں رکھی گئیں۔ جن میں تمام ضروری مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہو۔ باقی وہ تمام مقاصد (۱) جو کسی ہفت اقلیم کے شہنشاہ کو مختلف الممالک، مختلف اللسان، مختلف النسل الرعایا کے اتحادی کونسل سے (۲) کسی کمانڈر کو اپنی تمام فوج کے اجتماع سے (۳) کسی عالمگیر قوم کو متحدہ کانفرنس سے (۴) کسی وسیع الدائرہ تجارت کو عالمگیر نمائش سے حاصل ہوسکتے ہیں۔ وہ اس حج سے حاصل ہوں گے۔ لباس کے اختلاف کو اُٹھا کر امیر و غریب کی امتیازی شان بھی اس موقع پر ختم کر دی گئی۔ تمدن اور تہذیب کی چمک دمک کو بھی الگ کر کے صرف وہ لباس رکھا گیا جو باوا آدم کے زمانے میں ہوگا یعنی بے سلا، تہبند اور چادر یہ ہے فلسفہ اتحاد۔ جو ان فرائض سے ٹپکتا ہے۔ پانچواں فرض جہاد ہے جس کے متعلق ممکن ہے اس کتاب میں کسی جگہ کوئی اور مضمون آپ کو مل جائے۔ ورنہ یار زندہ صحبت باقی، انشاء اللہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ولہ الحمد سوال یہ ہے کہ کیا چودھویں صدی کے مسلمان اسی واسطے پیدا کئے گئے ہیں کہ اس مقدس تعلیم کو (معاذ اللہ) مسلتے رہیں۔ اللھم اھد قومنا وسد وسیلھم . آمین

(۲) یاد رکھو تمہارے خون تمہارے مال تمہاری عزت وآبرو ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہے جیسے آج کے دن کی اس شہر اور اس مہینہ کی حرمت سمجھتے ہو۔

(۳) لوگو ! تمہیں عنقریب خدا کے دربار میں حاضر ہونا ہے ، یاد رکھو وہاں تم سے تمہارے اعمال کی بابت سوال کیا جائے گا۔

(۴) زمانہ جاہلیت کے تمام طریقے پیروں میں مسل دیئے گئے۔

(۵) اس زمانہ کے خونوں کا آئندہ مطالبہ نہ کیا جائے۔

(۶) جتنے سود تھے وہ سب معاف آئندہ قطعاً خاتمہ۔

(۷) میرے بعد ایک دوسرے کی گردن مت دبانا کافروں کی طرح ایک دوسرے کے خون کے پیاسے مت ہو جانا۔

(۸) خداوندی کتاب ، خداوندی احکام کے موافق جو تم پر حکومت کرے اس کی پوری پوری اطاعت کرنا۔

(۹) اپنے پروردگار کی عبادت۔ نماز ، روزہ ، مسلم حکام کی اطاعت۔ پوری پابندی سے کرتے رہو۔ جنت تمہاری ہے۔

(۱۰) عورتوں کے متعلق خدا کا خوف رکھنا۔ اُن کے حقوق کا پورا پورا لحاظ کرنا۔ تم ایک خاص ذمہ داری کے ساتھ اُن کے سردار بنائے گئے ہو۔ عورتیں بھی مردوں کی پوری پوری اطاعت کریں۔ اُن کے مرضی کے خلاف کسی کو گھر میں بھی نہ آنے دیں۔

(۱۱) تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں جب تک اُنہیں پکڑے رہو گے ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ ایک اللہ کی کتاب ..... دوسرے میرا طریقہ اور تعلیم۔

(۱۲) جو لوگ یہاں موجود ہیں میرے تمام پیغام دوسرے لوگوں تک پہنچا دیں کیونکہ بسا اوقات دوسرا شخص پہلے سننے والے کی نسبت زیادہ یاد رکھنے والا اور زیادہ سمجھدار ہوتا ہے۔

خاتمہ

لوگو ! قیامت کے روز میری بابت بھی تم سے سوال کیا جائے گا۔ بتاؤ کیا جواب دو گے۔ سب نے کہا شہادت دیں گے کہ آپؐ نے اللہ ﷻ کے احکام ہم تک پہنچا دیئے تبلیغ اور رسالت کا حق ادا کر دیا۔ ہماری بھلائی خوب طرح سمجھا دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (آسمان کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے) اے اللہ گواہ رہ خدایا گواہ رہنا، خداوند شاہد رہنا۔''

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کتنے اونٹ قربانی میں ذبح کئے؟

جواب: سو خود اپنے دست مبارک سے اور ۳۷ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے۔

سوال : آیت جس میں دین اسلام کے مکمل ہونے کی بشارت اور خدا کی نعمت تمام ہونے اور دین اسلام سے خداوند عالم کے خوش ہونے کی بشارت دی گئی ہے وہ کب نازل ہوئی۔

جواب: ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ کو عرفہ کے روز جمعہ کے دن۔

خلاصہ

۲۵ یا ۲۶ ذیقعدہ ۱۰ھ بروز سنیچر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حج فرض ادا کرنے کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ۴ ذی الحجہ کو مکہ معظمہ پہنچے اور حج ادا کیا۔ ایک لاکھ سے زائد مسلمان شریک تھے۔ ۹، ۱۰، ۱۱ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تقریریں فرمائیں۔ جن کے جملے گویا کوزے تھے جن میں علوم معارف، دنیاوی اور دینی بھلائیوں کے سمندر بھر دیئے گئے تھے۔ قربانی میں سو اونٹ ذبح کئے اور اسی موقع پر ۹ تاریخ کو وہ آیت نازل ہوئی جس میں دین اسلام کے مکمل ہونے اور مسلمانوں پر نعمت خداوندی کے پورے ہونے کی بشارت دی گئی۔

۱۱ھ

شامِ رسالت

سوال : وہ آخری لشکر کون سا تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج سے واپس ہو کر تیار کیا ؟

جواب: وہ لشکر (۱) جس کے سردار حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ تھے جس کو جیش اُسامہ کہا جاتا ہے۔

سوال : حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کون تھے اور اُن کی عمر اس وقت کیا تھی ؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب (۲) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت کُل ۱۷ برس تھی۔

سوال : یہ لشکر کہاں روانہ کیا جا رہا تھا؟

جواب: شام کی طرف۔

سوال : یہ لشکر کب پہنچا اور تاخیر کی وجہ کیا تھی؟

جواب: یہ لشکر روانہ ہو کر مدینہ سے کچھ دور ہی گیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بخار شروع ہو گیا اور پھر وفات ہوگئی ، لہٰذا یہ لشکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی مبارک میں روانہ بھی نہ ہو سکا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو روانہ کیا۔

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق ، حضرت عمر فاروق ، حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم اس میں شامل تھے۔

۲۔ یاد ہوگا غزوۂ موتہ میں اُن کے والد ماجد کو سردار بنایا گیا تھا۔ فتح مکہ کے دن یہی اُسامہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برابر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی پر سوار تھے۔ آج یہی اُسامہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر بزرگوں کا افسر بنا کر روانہ کیا جا رہا ہے اور صرف یہی نہیں۔ مخصوص عنایت کی حالت یہ ہے کہ ''محبوب رسول اللہ'' اُن کا لقب ہے۔ کیا اسلامی مساوات کی دنیا اب بھی قائل نہ ہوگی۔

فائدہ

علامہ مغلطائی کی تحقیق کے بموجب

تمام غزووں اور دستوں کی سنہ وار فہرست

سوال : ان تمام غزووں کی سنہ وار فہرست بیان کرو جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود تشریف لے گئے؟

جواب: ۲ھ پانچ غزوے (۱) جنگ ابوا یا جنگ دوان (۲) جنگ بواط
(۳) جنگ بدر بڑی (۴) جنگ بنی قینقاع (۵) جنگ سویق
۳ھ کُل تین غزوے (۱) جنگ غطفان (۲) جنگ اُحد (۳) جنگ حمراء الاسد
۴ھ کُل ۲ غزوے (۱) جنگ بنی نضیر (۲) جنگ بدر "چھوٹی"
۵ھ کُل چار غزوے (۱) جنگ ذات الرقاع (۲) جنگ دومۃ الجندل
(۳) جنگ مریسیع یا جنگ بنی مصطلق (۴) جنگ خندق
۶ھ کُل تین غزوے (۱) جنگ بنی لحیان (۲) جنگ غابہ یا جنگ ذی قرد
(۳) سفر حدیبیہ
۷ھ کُل ایک غزوہ (۱) جنگ خیبر
۸ھ کُل تین غزوے (۱) جنگ فتح مکہ (۲) جنگ حنین (۳) جنگ طائف
۹ھ کُل ایک غزوہ (۱) جنگ تبوک

سوال : ان تمام دستوں کی سنہ وار فہرست بیان کرو۔ جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف نہیں لے گئے۔

جواب: ۱ھ کُل ۲۔ سریہ حمزہ، سریہ عبیدہ رضی اللہ عنہ۔
۲ھ کُل ۳۔ سریہ عبداللہ بن جحش، سریہ عمیر، سریہ سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

۳ھ کُل دو سریہ محمد بن مسلمہ، سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما۔

۴ھ کُل چار سریہ ابوسلمہ، سریہ عبداللہ بن انیس، سریہ منذر، سریہ منذر۔

۵ھ اس میں کوئی سریہ وغیرہ نہیں ہوا۔

۶ھ کُل ۱۱ سریہ محمد بن مسلمہ "قرطا" کی طرف، سریہ عکاسہ، سریہ محمد بن مسلمہ "ذی العقلہ" کی طرف سریہ زید بن حارثہ بنی سلیم کی طرف، سریہ عبدالرحمٰن بن عوف، سریہ علی، سریہ زید بن حارثہ "ام قرفہ" کی طرف، سریہ عبداللہ بن عتیک، سریہ عبداللہ بن رواحہ، سریہ کرز بن جابر، سریہ عمر الضمری، رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

۷ھ کُل ۵ سریہ ابوبکر، سریہ بشر بن سعد، سریہ غالب بن عبداللہ، سریہ بشیر، سریہ احزم، رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

۸ھ کُل ۱۱ جنگ موتہ، سریہ غالب، بنی طوج کی طرف، سریہ غالب فدک کی طرف، سریہ شجاع، سریہ کعب، سریہ عمرو بن العاص، سریہ ابوعبیدہ بن الجراح، سریہ ابوقتادہ، سریہ خالد یا سریہ غمیصاء، سریہ طفیل بن عمرو دوسی، سریہ قطبہ، رضی اللہ عنہم اجمعین

۹ھ کُل تین سریہ علقمہ، سریہ علی، سریہ عکاشہ، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

۱۰ھ کُل دو سریہ خالد بن ولید، بجانب نجران، سریہ علی یمن کی جانب، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

۱۱ھ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کی سپہ سالاری میں ایک دستہ روانہ کیا تھا۔ مگر یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد روانہ ہوسکا۔

کُل غزوے : ۲۲ کُل دستے : ۴۴

ذکر کئے ہوئے دستوں اور جنگوں کے متعلق اجمالی نقشہ

نمبر شمار	غزوہ یا سریہ کا نام معہ تاریخ و ماہ و سنہ	اسلامی لشکر کے سردار اور مدینہ کے خلیفہ (اگر غزوہ تھا)	اسلامی لشکر کی تعداد ، سامانِ جنگ اور جھنڈا کس کے پاس تھا	مقابلین کون تھے اُن کی تعداد اور سردار اور اُن کا سامانِ جنگ
(۱)	سریہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ رمضان شریف ۱ھ	حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ	۳۰ مہاجر حضرت ابو مرثد کناز بن حصین غنوی رضی اللہ عنہ علمبردار تھے	قریشی قافلہ جو شام سے تجارت کا سامان لے کر آ رہا تھا۔ سردار ابو جہل۔ تعداد : ۳۰۰
(۲)	سریہ حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ شوال ۱ھ	حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ	۶۰ مہاجر۔ عبدالمناف کے پڑپوتے حضرت مسطح بن اثاثہ علمبردار تھے۔	کفار قریش سردار ابو سفیان۔ تعداد : ۲۰۰
(۳)	غزوۂ ابواء (۱) یا غزوۂ ودان صفر ۲ھ	خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلامی لشکر کے سردار۔ مدینہ کے خلیفہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ	حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ علمبردار تھے۔	قریش کا قافلہ۔
(۴)	غزوۂ ابواط (۲) ربیع الاوّل ۲ھ	خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مدینہ کے خلیفہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	۲۰۰ صحابی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ علمبردار تھے۔	قریش کا قافلہ ۱۰۰ آدمی۔ اونٹ تقریباً ڈیڑھ ہزار۔ امیہ بن خلف سردار۔

۱۔ ابواء اور ودان۔ اس مقام کے قریب دو جگہوں کے نام ہیں۔

۲۔ ابواط جہینہ کے پہاڑیوں میں سے ایک پہاڑی دو چوٹیوں کا نام ہے، شام کی جانب مدینہ سے تقریباً پچاس میل۔ ۱۲ منہ

(۵)	سریہ عبداللہ بن جحش ؓ یا سریہ نخلہ رجب ۲ھ	حضرت عبداللہ بن جحش ؓ	۱۲ مہاجرین	قریش کا قافلہ جو شام سے آرہا تھا۔ اس کے اندر عمرو بن حضرمی اور عبداللہ بن مغیرہ کے دو بیٹے عثمان اور نوفل بڑے تھے۔
(۶)	غزوۂ بدر کبریٰ یعنی بدر کی بڑی لڑائی ۱۷ رمضان ۲ھ بروز جمعہ	حضور ﷺ نے حضرت عثمان بن عفان ؓ کو مدینہ میں چھوڑ دیا کیونکہ حضور ﷺ کی صاحبزادی یعنی حضرت عثمان ؓ کی زوجہ سخت بیمار تھیں۔	مسلمان کُل ۳۱۳ انصار اور مہاجرین کُل دو گھوڑے، ستر اونٹ، چند تلواریں، بڑا جھنڈا، حضرت مصعب بن عمیر کے پاس انصار کا جھنڈا، حضرت سعد بن معاذ کے پاس ایک چھوٹا جھنڈا حضرت علی ؓ کے پاس۔	قریش کی ہتھیار بند فوج کی تعداد ۹۵۰ یا ۱۰۰۰ پورے ہتھیار۔ ۷۰۰ اونٹ، ۱۰۰ گھوڑے۔ ابوجہل سردار۔
(۷)	غزوۂ بنو قینقاع شوال ۲ھ	خود حضور ﷺ مدینہ کے خلیفہ حضرت ابوالبابہ ؓ		بنو قینقاع کا قبیلہ جس میں ۷۰۰ آدمی لڑ سکنے والے تھے۔
(۸)	غزوۂ غطفان یا غزوۂ انمار یا غزوۂ ذی امر ربیع الاول ۳ھ	خود حضور ﷺ مدینہ کے خلیفہ حضرت عثمان ؓ		بنو ثعلبہ اور بنو محارب کے ۴۵۰ سوار مع ہتھیار سردار دعثور بن حارث محاربی

(۹)	غزوۂ اُحد ۶ شوال ۳ھ	خود حضور ﷺ مدینہ کے خلیفہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ	ایک ہزار مگر ان میں سے تین سو منافق نکل گئے۔ سات سو باقی رہے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ علمبردار تھے اور گھوڑے کُل پچاس۔	کفار قریش، سردار ابوسفیان۔ تعداد ۳۰۰۰، زرہیں ۷۰۰، گھوڑے ۲۰۰، اونٹ ۳۰۰۰۔
(۱۰)	سریہ بیر معونہ صفر ۴ھ	حضرت منذر پسر عمرو انصاری رضی اللہ عنہ	ستر۔ سامان کچھ نہیں۔	جنگ کی خاطر نہیں گئے تھے بلکہ نجد میں تبلیغ کرنے کے لئے جارہے تھے۔ راستہ میں عامر، رعل، ذکوان اور عصیہ کے قبیلے والوں نے حملے کر کے سب حضرات کو شہید کر دیا۔ صرف ایک صاحب بچ گئے جو زخمیوں میں پڑے ہوئے تھے۔ ان کو مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا گیا تھا۔ مگر اتفاق سے زندہ تھے اچھے ہوگئے تب مدینہ آ کر خبر دی۔ حضور ﷺ کو سخت صدمہ ہوا مگر پھر یہ قبیلے مسلمان ہوگئے۔
(۱۱)	غزوۂ بنو نضیر ربیع الاوّل ۴ھ	حضور ﷺ، مدینہ کے خلیفہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ	جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔	بنو نضیر کا قبیلہ سردار حیی بن اخطب۔

(۱۲)	غزوۂ خندق یا غزوۂ احزاب ذیقعدہ ۵ھ	مدینہ میں رہ کر مقابلہ کیا۔	تین ہزار۔	تمام عرب کے مشرکوں اور یہودیوں کی بڑی جماعتیں اور بنو قریظہ کے یہودی کُل تقریباً پندرہ ہزار۔ ابوسفیان وغیرہ سردار۔
(۱۳)	غزوۂ بنو قریظہ ذی الحجہ ۵ھ	حضور ﷺ، خلیفہ مدینہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ	جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا۔	بنو قریظہ کا قبیلہ، سردار کعب بن اسد
(۱۴)	غزوۂ حدیبیہ ذیقعدہ ۶ھ	حضور ﷺ	مسلمان ۱۴۰۰ مگر چونکہ جنگ کا ارادہ نہ تھا۔ اس وجہ سے سامانِ جنگ بھی نہ تھا۔	
(۱۵)	غزوۂ خیبر۔ محرم ۷ھ	حضور ﷺ اور مدینہ کے خلیفہ حضرت سبابہ بن ابی عرفطہ رضی اللہ عنہ	۱۴۰۰ یا ۱۶۰۰ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔	خیبر کے یہودی کنانہ بن ابی حقیق وغیرہ سردار۔
(۱۶)	غزوۂ موتہ جمادی الاولیٰ ۸ھ	حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ	۳۰۰۰ مسلمان۔ جھنڈا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ پھر حضرت جعفر پھر حضرت عبداللہ بن رواحہ نامزد ہوئے تھے۔ پھر جھنڈا حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے سنبھال لیا۔	غسانی عیسائی اور کافر شرجیل غسانی سردار ایک لاکھ یا ڈیڑھ لاکھ فوج۔

(۱۷)	فتح مکہ۔ رمضان ۸ھ	حضور ﷺ اور مدینہ کے خلیفہ ابورہم کلثوم بن حصین غفاری یا حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ	دس ہزار مسلمان تھے۔ جھنڈے متعدد تھے۔	مکہ کے کفار
(۱۸)	غزوۂ حنین یا اوطاس یا ہوازن شوال ۸ھ	حضور ﷺ، مدینہ کے خلیفہ حضرت ابورہم یا عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ	بارہ ہزار۔	ہوازن اور ثقیف وغیرہ قبیلوں کے تمام آدمی۔ سردار مالک بن عوف نضری
(۱۹)	غزوۂ طائف شوال ۸ھ	حضور ﷺ، مدینہ کے خلیفہ حضرت ابورہم یا عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ	بارہ ہزار۔	بنو ثقیف وغیرہ سردار عروہ بن مسعود وغیرہ۔
(۲۰)	غزوۂ تبوک رجب ۹ھ	حضور ﷺ مدینہ کے خلیفہ حضرت محمد بن مسلمہ انصاری اور بال بچوں کے نگران حضرت علی رضی اللہ عنہ	تیس ہزار مسلمان دس ہزار گھوڑے	ہرقل قیصر روم

جنگ کا نتیجہ مسلمانوں کا اور مقابلین کا نقصان	جنگ کی وجوہات	کوئی خاص بات
جنگ نہیں ہوئی بیچ بچاؤ ہوگیا	مقصد یہ تھا کہ قریش کی تجارت کو بند کیا جائے تاکہ اُن کے ظلم کا زور ٹوٹے۔	یہ دستہ اسلام میں پہلا دستہ تھا جو تلوار سے لڑنے کی غرض سے نکلا۔
جنگ نہیں ہوئی البتہ تیر اندازی ہوئی	بطن رابغ مقام پر ابوسفیان ۲۰۰ آدمی لے کر مدینہ پر حملہ کی غرض سے پہنچنے والا تھا۔	حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے تیر چلایا جو اسلام میں سب سے پہلا تیر تھا۔
جنگ نہیں ہوئی	قریش کے قافلہ پر حملہ کرنا مقصود تھا۔	اس سفر میں حضور ﷺ نے قبیلہ بن ضمرہ سے ایک معاہدہ کرلیا۔ بنوضمرہ کا سردار عمرو بن فحشی تھا۔
جنگ نہیں ہوئی۔ قافلہ نکل گیا۔	قریش کے قافلہ پر حملہ کرنا مقصود تھا۔	
مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ کفار میں سے ایک قتل۔ دو قید اور مالِ غنیمت ہاتھ لگا۔	درحقیقت قریش کے قافلہ کی خبر لانے کے لئے نخلہ مقام پر بھیجا گیا تھا وہاں اتفاقیہ جنگ کی شکل پیش آگئی۔	یہ قتل اور یہ قیدی نیز اس قافلہ سے جو مال حاصل ہوا۔ یہ اسلام میں پہلی مرتبہ تھا۔
مسلمانوں کو فتح ۸ انصاری ۶ مہاجرین کُل ۱۴ مسلمان شہید اور کافر ستر ۷۰ قتل ہوئے اور ستر ۷۰ ہی قید ہوئے۔	ابوسفیان کا قافلہ جو شام سے آرہا تھا۔ اس کے روکنے کے لئے یہ فوج نکلی تھی مگر ابوسفیان نکل گیا اور اس کے اشارہ کے بموجب مکہ سے ایک بڑی فوج مسلمانوں کو کچلنے کی غرض سے مقام بدر پر پہنچ گئی۔	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اگرچہ شریک نہیں ہوسکے مگر حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ خدا کے رسول کے کام میں ہیں شریک ہونے کا ثواب ملے گا۔ اس شکست پر کفار کو بہت صدمہ ہوا۔ اُن کے سردار مارے گئے جن میں ابوجہل بھی تھا۔ آئندہ بدلہ لینے کے لئے فوراً تیاریاں شروع کردیں۔ ابوسفیان نے قسم کھالی کہ جب تک بدلہ نہ

		لے لوں سر نہ دھوؤں گا۔ اس فتح کی خبر مدینہ میں اس وقت پہنچی کہ حضرت رقیہ زوجہ حضرت عثمان ؓ حضور ﷺ کی صاجزادی کو دفن کر کے لوگ مٹی سے ہاتھ جھاڑ رہے تھے۔
پندرہ روز محاصرہ رہا۔ آخر کار مدینہ سے جلا وطن ہو جانے کی شرط پر محاصرہ اُٹھالیا گیا۔	جب مسلمان بدر گئے تھے تو اُن لوگوں نے مدینہ میں بغاوت کی تھی اور زیادہ فتنہ کا خطرہ تھا۔	یہ لوگ عموماً تجارت پیشہ سنہار تھے۔
دشمن مرعوب ہو کر پہاڑوں میں چھپ گئے۔	دعثور نے اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے مدینہ پر حملہ کیا تھا۔ یہ حملہ قریش کی سازش کا نتیجہ تھا۔	دعثور عجیب طرح سے مسلمان ہو کر واپس ہوا۔ تفصیل کتاب میں گزری۔
مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ ۷۰ شہید ہوئے۔ کافر کُل ۲۲ یا ۲۳ قتل ہوئے مگر اُن پر رعب ضرور چھا گیا چنانچہ فوراً ہی دوبارہ حملہ کی ہمت نہ ہوئی۔	بدر کا بدلہ لینے اور اپنی قسم پوری کرنے کے لئے مکہ والوں نے حملہ کیا تھا۔	حضرت مصعب بن عمیر ؓ کی شہادت پر جھنڈا حضرت علی ؓ نے سنبھالا۔
محاصرہ کیا گیا جو چھ روز رہا۔ آخرکار وہ مدینہ سے نکلنے پر راضی ہوگئے مع اس سامان کے جو اونٹوں پر لے جاسکیں باقی ضبط کرلیا گیا۔	نبی کریم ﷺ کے قتل کی سازش۔	اُن کی زمین ضبط کر لی گئی۔ ہتھیار لے لئے گئے۔ تلواریں ۳۴ ، زرہیں ۵۰ ،خود ۵۰۔
معمولی تیراندازی اور معمولی تلوار بازی۔ مسلمان ۶ شہید۔ کافر ۱۰ قتل اور پندرہ روز کے بعد ناکام واپس ہوئے۔	پورے عرب کے یہودیوں اور مشرکوں نے متفقہ حملہ کیا تھا کہ اسلام کو جڑ سے اُکھاڑ ڈالیں۔	حضرت سلمان فارسی ؓ کی رائے کے بموجب مدینہ کے گرد خندق کھودی گئی۔

۲۵ روز محاصرہ رہا۔ یہودی ۴۰۰ قتل ۲۰۰ قید۔	غزوۂ خندق کے موقع پر بدعہدی کر کے کفار کا ساتھ دیا۔	بنو قریظہ کے یہودی نے اپنا اور حضور ﷺ کا معاملہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا تھا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہود کے مذہبی احکام کے بموجب یہ فیصلہ کیا کہ لڑ سکنے والے قتل، عورتیں بچے قید، جائیدادیں ضبط۔
	حضور ﷺ خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے گئے تھے کفار نے اجازت نہ دی البتہ باہمی صلح کا ایک معاہدہ ہوگیا جس کی معیاد دس سال رکھی گئی۔	
مسلمانوں کو فتح ہوئی تمام قلعوں وغیرہ پر قبضہ ہوگیا۔ ۹۲ یہودی قتل ۱۸ مسلمان شہید، ۵۰ زخمی	یہودیوں نے مدینہ سے اُجڑ کر خیبر کو اپنی سازش کا مرکز بنالیا تھا۔	حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خیبر کے اس پھاٹک کو تن تنہا اکھاڑ پھینکا جو ستر آدمیوں سے بھی نہ اُٹھا تھا۔ یہود خیبر کو خیبر میں رہنے دیا گیا مگر اس شرط پر جب مسلمان چاہیں گے خالی کرالیں گے۔ اور پیداوار کا ایک حصہ مسلمانوں کو دیا جائے گا۔
مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ کُل بارہ مسلمان شہید ہوئے باقی بچ کر نکل آئے۔ مقابل پر رعب پڑ گیا۔	حضور ﷺ کے سفیر حارث بن عمیر ازدی کو شرجیل نے قتل کر دیا تھا۔	اس دستہ کے تین علمبرداروں کا نام حضور ﷺ نے فرما دیا تھا کہ ضرورت ہو تو یکے بعد دیگرے وہ جھنڈا سنبھالتے رہیں وہ تینوں شہید ہوگئے اور پھر جھنڈا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے سنبھالا۔

جنگ نہیں ہوئی۔ صرف ایک دستہ کا معمولی سا مقابلہ ہوا جس میں دو مسلمان شہید ہوئے اور ۲۷ یا ۲۸ کافر قتل۔	کفار مکہ نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی جو حدیبیہ کے موقع پر ۶ ھ میں ہوا تھا۔	
جنگ میں مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ چھ ہزار سے زائد گرفتار اور بہت سا مال حاصل ہوا۔ مسلمان کُل چھ شہید ہوئے۔ کافر ۷۱ مقتول۔	فتح مکہ پر اُن لوگوں کو غیرت آئی اور اسی جوش میں مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔	مقابلہ کے لئے اس قدر آمادہ ہوئے تھے کہ عورتوں بچوں اور تمام مال کو ساتھ لائے تھے جو مسلمانوں کے قبضہ میں آیا جس میں اونٹ چالیس ہزار، بکریاں چالیس ہزار، چاندی تقریباً چالیس ہزار روپیہ کی۔
قلعہ بند ہو گئے۔ ایک ماہ محاصرہ رہا پھر حضور ﷺ واپس تشریف لے آئے۔	حنین کے بھاگے ہوئے اپنی قوت جمع کر کے یہاں پہنچ گئے تھے۔	منجنیق کا استعمال کیا گیا جو گویا اُس زمانہ کی توپ تھی۔
جنگ نہیں ہوئی مقابل کی فوج واپس ہو گئی تھی مگر رعب خوب پڑ گیا۔	سنا گیا تھا کہ جنگ موتہ کا بدلہ لینے کے لئے ہرقل تیاریاں کر رہا ہے۔	مسلمانوں پر بہت تنگدستی تھی۔ اسی وجہ سے اس کو غزوہ عسرت بھی کہتے ہیں۔ چندہ سے سامان کیا گیا۔ مسلمانوں نے بے نظیر جوش کا اظہار کیا۔

اہم اور بڑے بڑے واقعات کی سنہ وار فہرست

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک کے بڑے بڑے واقعات سنہ وار بیان کرو؟

جواب:

نبوت کے پہلے سال

حضرت ابوبکر صدیق ، حضرت خدیجۃ الکبریٰ ، حضرت علی ، حضرت زید بن حارثہ ، حضرت اُمِ ایمن ، حضرت عثمان ، حضرت زبیر بن عوام ، حضرت عبداللہ بن مسعود ، حضرت ابوذر غفاری مسلمان ہوئے۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین

نبوت کے پانچویں سال

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت ہجرت کر کے حبشہ گئی جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گوشہ جگر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور اُن کے شوہر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

نبوت کے ساتویں سال

دوبارہ ہجرت ہوئی اور ماہِ محرم میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مع آپؐ کے تمام ساتھیوں کے شعب ابی طالب میں محصور کر دیا گیا۔

نبوت کے دسویں سال

شعب ابی طالب کا محاصرہ ختم ہوا۔ جس سے چھ ماہ بعد (۱) جناب ابو طالب صاحب

۱۔ زاد المعاد۔ ج ۱،ص ۲۹۹

نے وفات پائی اور پھر تین روز بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے۔ مدینہ میں اسلام کا آغاز ہوا اورقبیلہ اُوس کے دو بزرگ حضرت اسعد بن زرارہ اور حضرت ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے اور اسی سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف تشریف لے گئے۔

نبوت کے گیارہویں سال

اکثر علماء (۱) کے خیال کے بموجب معراج ہوئی اور پانچوں نمازیں فرض ہوئیں اور مدینہ طیبہ کے چھ یا آٹھ نفوس مسلمان ہوگئے۔

نبوت کے بارہویں سال

عقبہ کی پہلی بیعت ہوئی۔

نبوت کے تیرہویں سال

مدینہ کی طرف ہجرت ہوئی اور عقبہ کی دوسری بیعت ہوئی۔

ہجرت کے بعد

۱ ھ۔ مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) اور اذان کی تعلیم اور مشہور لوگوں میں سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔

۲ ھ۔ بیت المقدس (۱) کے بجائے خانہ کعبہ کو قبلہ قرار دیا گیا۔ (۲) روزے (۳) زکوٰۃ فرض ہوئے (۴) صدقہ فطر اور (۵) نماز عید اور (۶) قربانی کی تعلیم دی گئی۔ (۷) حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی اور (۸) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا۔

۳ ھ۔ شراب حرام ہوئی۔

۱۔ زاد المعاد۔ ج ۱، ص ۲۹۹

۴ھ۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ارشاد نبوی کے بموجب یہودیوں کی لکھائی سیکھی تاکہ اُن سے خط و کتابت ہو سکے۔

۵ھ۔ حج فرض ہوا۔ متبنّیٰ یعنی لے پالک بنانے کا قاعدہ منسوخ ہوا۔ جو عرب میں بہت رائج تھا جس کی رو سے منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے جیسے حقوق ملتے تھے۔ وہی وارث ہوتا تھا اور اُس کی بیوی بیٹے کی بیوی کی طرح حرام مانی جاتی تھی۔

۷ھ۔ حضرت خالد بن ولید، حضرت عمرو بن العاص، حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم اسلام لائے۔

۸ھ۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب اُن کے صاحبزادے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ والد ماجد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابوسفیان بن حارث (۱) پسر عبدالمطلب یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تائے زاد بھائی رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے۔

۹ھ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حج کا امیر بنا کر مکہ معظمہ روانہ کیا گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جا کر وہ مشہور اعلان کیا جس کی ہدایت قرآن پاک میں سورۂ برأت میں نازل ہوئی تھی اور ۹ھ یا ۱۰ھ میں بعض علماء کے خیال کے بموجب حج فرض ہوا۔

وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

آفتابِ نبوت کا نظروں سے اوجھل ہونا

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کب بیمار ہوئے؟

جواب: ۲۸ صفر ۱۱ھ بروز منگل۔

سوال : کیا بیمار ہوئے؟

جواب: سر میں درد شروع ہوا پھر تیز بخار آخر تک رہا۔ بخار اس قدر تیز تھا کہ کبھی کسی پر دیکھا نہیں گیا۔

۱۔ حارث حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سب سے بڑے تائے تھے۔ زاد المعاد سرور المحزون۔۱۲

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کتنے دنوں بیمار رہے؟

جواب: چودہ دن۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کتنی نمازیں مسجد میں نہیں پڑھ سکے؟

جواب: سترہ۔

سوال : ان نمازوں کو کس نے پڑھایا؟

جواب: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس عرصہ میں پہلی تقریر کیوں فرمائی ؟

جواب: انصار کے دلاسے اور تسلی کے لئے۔

سوال : اس کی صورت کیا ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکان سے مسجد میں کس طرح تشریف لائے؟

جواب: حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے دیکھا کہ انصار بیٹھے رو رہے ہیں۔ سبب دریافت کیا تو انصار نے کہا مجلس کی وہ شمع یاد آرہی ہے جس کے ہم پروانے ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انصار کے رنج وغم کی اطلاع دی۔ امت مرحومہ کے روحانی باپ کو اپنے نور چشم ، روحانی فرزندوں کا رنج کب گوارا ہوسکتا تھا۔ اگرچہ چلنا مشکل تھا مگر حضرت فضل پسر حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مونڈھوں پر ہاتھ رکھ کر مسجد میں تشریف لائے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آگے آگے تھے۔ مسجد میں تشریف لا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ممبر کی پہلی سیڑھی پر تشریف فرما ہوگئے اور ایک مختصر سی تقریر فرمائی۔ افسوس .....! یہ آخری نشست تھی۔

سوال : اس تقریر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کیا فرمایا؟

جواب: خلاصہ یہ تھا : مجھے معلوم ہوا کہ میری وفات کا تصور آپ حضرات کو گھبرائے ہوئے ہے۔ کیا دنیا کا کوئی نبی کوئی رسول مجھ سے پہلے اپنی امت میں ہمیشہ ہمیشہ رہا ہے؟ یقیناً

یہ وقت آنے والا ہے اور آپ لوگ بھی اسی طرح دنیا کو چھوڑ دیں گے اور پھر جلد ہی مجھ سے ملیں گے۔ ہم سب کے ملنے کی جگہ حوضِ کوثر ہوگی جو شخص اس سے سیراب ہونا چاہے اُس پر لازم ہے کہ اپنے ہاتھ اور زبان کو بے کار کام اور بے فائدہ بات سے روکے۔ انصار کی طرف خطاب کر کے، آپ مہاجرین سے اچھا سلوک کرتے رہیں اور مہاجرین پر لازم ہے کہ وہ بھی محبت اور سلوک رکھیں۔

دیکھو.....! اگر آدمی اچھے ہوتے ہیں تو اُن کا بادشاہ اور حاکم بھی اچھے ہوتے ہیں اور بُرے طریقے اختیار کر لینے پر خداوند عالم بُرے بادشاہ اور ظالم حکمران اُن پر مسلط کر دیتا ہے۔

سوال : کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِس کے بعد دوبارہ بھی تشریف لائے اور اس مرتبہ کیا کیا؟

جواب: ایک مرتبہ اور زیارت سے مشرف فرمایا، بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپؐ کے برابر کچھ پیچھے کو ہٹے ہوئے کھڑے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکبیر فرماتے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کو بلند آواز سے پہنچا رہے تھے۔ نماز کے بعد بیٹھے بیٹھے کچھ نصیحتیں بھی فرمائیں پھر تشریف لے گئے۔ افسوس.....! یہ آخری نکلنا تھا۔

نصیحتوں کے سلسلہ میں ارشاد ہوا

ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ میرے محسن ہیں۔ خدا کے سوا کسی کو خلیل (۱) بناتا تو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوتے۔ مگر اب وہ میرے بھائی اور دوست ہیں اور ارشاد ہوا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دروازہ کے سوا مسجد میں جتنے دروازے ہیں وہ سب بند کر دیئے جائیں۔ (۲)

سوال : کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی علاج بھی فرمایا اور وہ کیا تھا؟

جواب: کئی مرتبہ بخار کی تیزی میں غسل فرمایا۔ گویا پانی سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

۱۔ خلیل ایسے محبوب کو کہا جاتا ہے کہ اس کی محبت میں کسی دوسرے کا تصور بھی نہ آسکے۔ ۱۲ زاد ص ۱۶

۲۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دروازے کی اجازت اُن کی خلافت کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ واللہ اعلم

علاج کیا اور کچھ دوائیں بھی استعمال کرائی گئیں۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عالم فانی سے کس روز اور کس وقت کوچ فرمایا؟

جواب: ۱۲ ربیع الاوّل بروز دوشنبہ بوقت دوپہر۔

سوال : نزع کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا شغل تھا؟

جواب: ایک پانی کا پیالہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دست مبارک ڈالتے تھے اور چہرہ مبارک پر پھیرتے تھے اور زبان مبارک پر یہ دعا تھی۔ اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی سَکَرَاتِ الْمَوْتِ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات سے کچھ پہلے مسواک فرمائی اور اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی (۱) خداوند میں رفیق اعلیٰ کو پسند کرتا ہوں۔ فرماتے ہوئے دنیا کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

سوال : وفات کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چارپائی پر کون بیٹھا تھا؟

جواب: صدیقہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔

سوال : وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن مبارک پر کیا ڈھانپا گیا؟

جواب: حبرہ یعنی یمنی چادر۔ حاضرین نے ڈال دی۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ چادر فرشتوں نے ڈالی تھی۔

سوال : وفات کی خبر نے صحابہ رضی اللہ عنہم پر کیا اثر ڈالا؟

جواب: بے خودی اور بدحواسی عام تھی۔ یہاں تک کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو وفات کا یقین ہی نہ آیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ گونگے ہو گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسے ششدر رہ گئے کہ گویا سکتہ ہو گیا۔

سوال : سب سے زیادہ کون کون بزرگ ضبط کئے ہوئے تھے؟

جواب: حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر کتنی ہوئی؟

جواب: ۶۳ سال۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کیسے کپڑوں میں ہوئی اور وہ کیا کیا تھے؟

جواب: دو چادروں میں جن میں سے ایک تہبند تھا، ایک چادر۔ یہ دونوں بہت موٹے کپڑے کے بنے ہوئے تھے۔ جابجا پیوند لگے ہوئے تھے۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کس طرح غسل دیا گیا؟

جواب: کپڑے اُتارے بغیر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن مبارک پر پانی بہایا گیا اور کپڑوں کے اوپر سے ہی ہاتھ پھیر دیا گیا۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دینے والے کون کون لوگ تھے؟

جواب: حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور اُن کے دو صاحبزادے فضل اور قثم ، حضرت علی رضی اللہ عنہ و اُسامہ رضی اللہ عنہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت شقران رضی اللہ عنہ۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کفن میں کیا کیا کپڑے تھے اور کس رنگ کے؟

جواب: سفید رنگ کے تین کپڑے تھے۔ تہبند، قمیص اور چادر۔

سوال : یہ کہاں کے بنے ہوئے تھے؟

جواب: شہر سحون کے جو یمن کے علاقہ میں ہے۔

سوال : سلے ہوئے تھے یا بغیر سلے ہوئے؟

جواب: بغیر سلے۔ ویسے ہی لپیٹ دیئے گئے تھے۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کس نے پڑھائی؟

جواب: کسی نے نہیں بلکہ تنہا پڑھی گئی۔ امام کوئی نہیں بنا۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کہاں بنی؟

جواب: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں جہاں وفات ہوئی تھی۔

سوال : وہاں کیوں بنائی گئی تھی؟

جواب: انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہی قاعدہ ہے کہ جہاں وفات پاتے ہیں وہیں دفن ہوتے ہیں۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قبر بغلی ہے یا لحدی؟

جواب: بغلی۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قبر میں کڑا کس چیز کا لگایا گیا؟

جواب: کچی اینٹوں کا۔

سوال : کتنی اینٹیں لگیں؟

جواب: نو۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کب دفن ہوئے؟

جواب: وفات سے دو روز بعد بدھ کی رات میں۔

سوال : قبر مبارک زمین سے ملی ہوئی ہے یا اونچی اُٹھی ہوئی اور کوہان نما ہے یا کسی اور شکل کی؟

جواب: ایک بالشت اوپر اُٹھی ہوئی۔ کوہان نما۔

سوال : پختہ ہے یا خام؟

جواب: خام۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ اس حجرے میں اور کون کون دفن ہیں؟

جواب: صدیقین یعنی صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما۔

سوال : کچھ اور جگہ بھی باقی ہے یا نہیں؟

جواب: ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔

سوال : اس میں کون دفن ہوں گے؟

جواب: حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب زندہ ہیں۔ خدا کے حکم سے آسمان پر اُٹھا لئے گئے اور خداوند عالم کے حکم سے دجال کے زمانہ میں زمین پر آئیں گے اور پھر وفات پا کر اس خالی جگہ میں دفن ہوں گے۔




لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

تاریخ الاسلام

(حصہ سوم)

جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے مقدس اخلاق و آداب ، حلیہ مبارک
اور پاکیزہ ترین تہذیب کا جامع و بہترین مرقع درج ہے

از

مولانا محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ

فہرست مضامین



بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ ربنا ورب الخلق والصلوة علی رسولہ الذی خلق لہ الخلق

ہمارے پیارے آقا ﷺ کا حلیہ شریف

سوال : سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ شریف کیا تھا؟

جواب: ہماری روحوں کے بادشاہ کا!

قد مبارک

دیکھنے میں درمیانی تھا، نہایت مناسب مگر معجزہ تھا کہ جب چند آدمیوں کے ساتھ چلتے تو سب سے اونچے معلوم ہوتے تھے۔

سر مبارک

کلاں و بزرگ۔ سرداری کا تاج عقل و تدبر کا پیکر۔

بدن مبارک

گھٹا ہوا۔ خوبصورت سجاوٹ کے ساتھ بھرا ہوا۔ خوبصورتی کھچی ہوئی۔ جتنا کوئی غور کرتا خوبصورتی زیادہ معلوم ہوتی تھی۔ بدن مبارک پر بال بہت کم۔ چمک زیادہ، سر مبارک کے بال سیاہ چمکدار کسی قدر گھونگریالے بالوں میں تیل یا مشک جیسی چیزوں کا بھی استعمال فرماتے تھے۔

کچھ عمر کی رسیدگی کچھ خوشبو کے استعمال سے بالوں میں کسی قدر ہموار پن سا آ گیا تھا۔

ریش مبارک

گھنی اور خوبصورتی کے ساتھ بھرپور ریش اور سر مبارک میں گنتی کے کچھ بال سفید بھی ہو گئے تھے۔ بعضوں نے تعداد بھی بتائی ہے کہ ریش مبارک اور سر میں ۲۰ بال سفید تھے۔

مقدس پیشانی

کشادہ اور روشن گویا آفتاب کا کنارہ بلکہ حسن و جمال کا سجدہ گاہ۔

بھوئیں

گنجان دراز اور باریک ان کی نازک خمیدگی قوس وقزح کے لئے باعث صدرشک جن کے بیچ میں کشادگی یعنی اقبال اور برکتوں کی کھلی دلیل ان دونوں کے بیچ میں ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت اُبھر جاتی اور پھڑکتی تھی۔

مبارک آنکھیں

بڑی بڑی تھیں۔ موتی چور جن کے سرخ ڈورے جمال کے ساتھ جلال کی شان بھی دوبالا کرتے تھے۔ پتلی سیاہ، بھرہ گویا نور کے آبگینے پر سیاہ مخمل کی بندکی یا موتی کی آبدار سطح پر رخ حور کا کالا تل پلکیں گنجان اور سیاہ اور تلوار جیسے خم کے ساتھ دراز۔

رنگ

سفید سرخی کھپی ہوئی جس میں رونق اور چمک حسن کو دوبالا کر دینے والی۔

مبارک رخسار

نرم، سرخی مائل، گویا چاند گلاب کی سرخی ہموار ہلکے نہ گوشت لٹکے ہوئے۔

مقدس ناک

بلندی مائل مگر زیادہ اونچی نہ تھی کہ بدنما معلوم ہوتی اس پر چمک اور نور کی عجیب بلندی تھی کہ پہلے پہل دیکھنے والا اونچی سمجھتا مگر غور سے معلوم ہوتا کہ نور اور چمک کے باعث بلند معلوم ہوتی ہے۔ بانسا خوبصورتی کے ساتھ اوپر اُٹھا ہوا۔

دہن مبارک

مناسب طور پر کشادہ۔ پاکیزگی اور فصاحت کا دیباچہ۔

دندان مبارک

باریک آبدار اور روشن چمکدار۔ سامنے کے دانت ایک دوسرے سے کسی قدر چھیدے۔ مسکراہٹ کے وقت ایسا معلوم ہوتا کہ اولوں کی لڑی سے نازک نقاب ہٹ گیا۔ گفتگو کے وقت ایسا معلوم ہوتا کہ تاروں کی کرنیں دندانِ مبارک سے پھوٹ پھوٹ کر شوخیاں کر رہی ہیں۔

شاندار چہرۂ انور

چودہویں رات کا چاند نہیں چاند بھی اس سے شرمندہ۔ خدا کی قسم چاند سے بہت پیارا کتابی تھا۔ (۱) مگر کسی قدر گولائی لئے ہوئے۔ وجاہت سے بھرا ہوا۔ خاموشی کے وقت ہیبت اور

۱۔ یعنی چہرۂ انور نہ بالکل گول تھا نہ بالکل لانبا بلکہ دونوں کے درمیان تھا۔ ۱۲

عظمت ٹپکتی۔ دیکھنے والا مرعوب ہو جاتا۔ گفتگو کے وقت موتی برستے۔ پیاری بول چال دل میں جگہ کرلیتی، محبت کا بیج بو دیتی۔ خیال ہوتا کہ موتیوں کی بارش ہو رہی ہے۔

پاکیزہ گردن

سانچے میں ڈھلی ہوئی ایسی صاف کہ مرمر کی صفائی اس کے سامنے ہیچ۔ ایسی سپید کہ چاندی کی خوبصورتی سفیدی اس سے شرمندہ۔

دونوں شانے

دونوں شانوں کے بیچ میں خاتم نبوت یعنی نبوت کی مہر۔

خزانہ معرفت یعنی سینۂ مبارک

چوڑا اور بھرا ہوا۔

شکم مبارک

سینہ کے برابر نہ آگے بڑھا ہوا۔ سینہ مبارک کے بالائی حصہ پر کسی قدر بال تھے باقی سینہ اور شکم بالوں سے صاف صرف سینہ مبارک سے ناف تک بالوں کی باریک سی ایک دھاری تھی۔

شانے مبارک

بھاری پُر گوشت اور ایک دوسرے سے فاصلہ پر۔

کلائی مبارک

دراز اور چوڑی گویا شیر بلکہ اس سے بھی قوی اور مضبوط۔

ہتھیلیاں مبارک

گداز پُر گوشت چوڑی۔ ایسی نرم کہ ریشم اور حریر بھی اُن کے سامنے مات۔ ایسی خوشبو کہ عطر شرمندہ۔

اعضاء کے جوڑ

اُن کی ہڈیاں بڑی، چوڑی اور مضبوط۔

پائے مبارک

پُر گوشت۔ زیبائش کے ساتھ ہموار ایسے صاف کہ پانی کے قطرے اُن پر ٹھہرنے سے لرزاں ایسے ستھرے کہ بلور ان پر سو جان سے قربان۔ جو وقت اور تیزی سے اُٹھتے اور کشادگی پھرتی و متانت کے ساتھ رکھے جاتے۔

ایڑی مبارک

پُر گوشت کم۔

انگلیاں مبارک

انگلیاں کے ساتھ درازی کی خوبصورتی سے آراستہ پسندیدگی کا مظہر۔

پسینہ اور لعاب مبارک

پسینہ اور لعاب کی خوشبو، مشک وغیرہ کی خوشبو کو بھی مات کرتی تھی۔ لعاب مبارک عاشقانِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ہتھیلیوں پر لیتے اور پھر گویا مشک کی لوٹ ہوتی جس کو جھپٹ جھپٹ کر لوگ چہرے اور سر پر ملتے۔ پسینہ مبارک کا کوئی قطرہ مل جاتا تو عطر کی طرح رکھتے۔

بول و براز

زمین نگل جاتی تھی۔ غلطی سے ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بول پی لیا تھا جو شب کے وقت پیالہ میں کیا گیا تھا اور ابھی زمین پر نہ پڑا تھا۔ ہمیشہ اس شخص کے بدن سے خوشبو آتی رہی۔

رفتار مبارک

تیز ہوتی۔ قدم مبارک کسی قدر کشادہ پڑتا۔ زمین پر آہستہ پڑتا۔ مگر اس کا اُٹھنا قوت کے ساتھ ہوتا نہ متکبروں کی سی اکڑ نہ پوستیوں جیسی بے جان چال۔ نگاہ نیچی رہتی۔ ایسا معلوم ہوتا گویا ڈھلان میں اُتر رہے ہیں یعنی کسی قدر آگے کو جھکے ہوئے۔

مہر نبوت

سوال : مہر نبوت کہاں تھی؟

جواب: دونوں شانوں کے بیچ میں بائیں طرف کو سخت ہڈی کے قریب۔

سوال : اس کی شکل کیا تھی؟

جواب: مسہ کی طرح خوبصورتی کے ساتھ گوشت مبارک اُبھرا ہوا تھا جو بدن کی عام رنگت سے کسی قدر زیادہ سرخی لئے ہوئے تھا۔ اس کی شکل کچھ بند مٹھی کے مشابہ تھی۔ چاروں طرف بڑے بڑے تل تھے جو بڑائی کی وجہ سے مسوں کی برابر معلوم ہوتے تھے اور گردا گرد بال تھے۔

سوال: مہر نبوت کس قدر بڑی تھی؟

جواب: کبوتر کے بیضہ یا بیچ بند کی گھنڈی کے برابر۔

حضور ﷺ کے پیدائشی اوصاف

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیدائشی اور فطری اوصاف بیان کرو؟

جواب: خداوند عالم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تمام اوّلین اور آخرین کا علم عطا فرمایا تھا۔ ذکاوت، ذہانت، تدبر، عقل، سیاست، ملکی اور خانگی انتظام حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات سے اور آپؐ کے واقعاتِ زندگی سے ظاہر ہیں۔ حق یہ ہے کہ ہر ایک وصف کی انتہا نہ تھی کیوں نہ ہو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہر ایک وصف معجزہ تھا۔ بہادری اور دلیری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیان ہے کہ جب لڑائی سختی پر ہوتی تو ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پناہ لیا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دشمن کے بہت زیادہ قریب رہتے تھے۔ ہم میں سے کوئی بھی اتنا قریب نہ رہتا۔ غور سے دیکھا جائے تو حنین کی جنگ میں تن تنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فتح حاصل کی تھی۔ باوجودیکہ ہزاروں سے مقابلہ تھا۔ ایک رات مدینہ والوں کو حملہ کا خطرہ تھا۔ لوگ فکر مند تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تن تنہا گھوڑے پر سوار ہو کر اطمینان سے تمام مدینہ کا چکر کاٹ آئے اور فرمایا کہ آرام کرو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ تم پہلے پڑھ چکے ہو کہ اُحد اور حنین جیسے موقعوں پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدم مبارک میں کوئی حرکت تو کیا پیدا ہوتی اور استقلال پیدا ہو گیا

تھا۔ خیالات بلند ارادہ مضبوط ہمت عالی، تمام کاموں میں استقلال، تمام معمولات میں پائیداری، اوقات کی پوری پابندی، کسی چیز کی محبت یا دنیا کا کوئی نقصان۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارادہ میں فرق نہ پیدا کرسکتا تھا۔

سچائی امانتداری

کافروں میں بھی اس قدر مشہور تھی کہ صادق اور امین لقب رکھ رکھا تھا۔ ہجرت کے وقت قتل کے منصوبے ہو رہے تھے مگر اس خونی دشمنی کے باوجود امانتیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہی رکھی جاتی تھیں۔

بہادر شخص، رحمدل اور سنجیدہ نہیں ہوا کرتا۔ ایک کے لئے دل کی سختی درکار ہے دوسرے کے لئے نرمی لازمی ایک گرمی کو چاہتا ہے۔ دوسرا ٹھنڈک کو مگر یہ معجزہ تھا کہ دونوں وصف برابر کے تھے۔ یہاں آگ اور پانی دونوں اکٹھے ہو رہے تھے۔

سخاوت

گویا رگ اور پٹھوں میں بھری ہوئی تھی۔ کسی چیز کے ہوتے ہوئے محال تھا کہ زبان مبارک سے ''نا'' نکل جائے۔ کیا مجال کہ بال بچوں کی بھوک پیاس (۱) سخاوت میں رکاوٹ پیدا کر دے، اس دربار رحم وسخا سے مسلم، کافر بلکہ انسان حیوان برابر کی سیرابی حاصل کرتے تھے۔ ایسا بھی ہوا کہ جب تک درہم یا دینار مکان میں رہا اور کوئی مستحق نہ ملا جس کو دیا جائے تو حضور

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا چکی خود پیستی تھیں، پانی خود لاتیں، جھاڑو خود دیتی تھیں۔ ہاتھوں میں چکی سے گٹے پڑ گئے۔ مبارک اور نازک مونڈھے مشکیزہ سے چھل گئے۔ نورانی لباس گرد سے بھر گیا۔ غلام کی درخواست کی۔ فرمایا فلاں شہید کے یتیم بچوں سے اس مرتبہ وعدہ کر چکا ہوں۔ اس دفعہ تو وہ پورا ہوگا۔ آئندہ تمہیں دیدوں گا۔ مگر بہترین غلام وہ ہے جو آخرت میں خدمت کرے۔ تم ہر نماز کے بعد سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر تینتیس تینتیس بار پڑھ لیا کرو۔ یہ آخرت کے خادم ہیں۔ اس قسم کے واقعات بہت سے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک کا ذکر کیا۔

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دولت خانہ میں تشریف نہ لے گئے۔

تواضع اور عاجزی کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پیکر تھے۔ حاتم طائی کے بیٹے عدی صرف تواضع ہی کو دیکھ کر سچائی کے قائل ہو گئے تھے۔

یہود کے بہت بڑے عالم حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام نے بے تکلفی اور سادگی ہی دیکھ کر حلقہ بگوش ہوئے تھے اور کہہ دیا تھا کہ یہ چہرہ جھوٹا نہیں ہے۔ تمام عظمت اور بزرگی کے باوجود حیا اور شرم کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ تھی۔ عفت اور پاکدامنی، زندگی کا جز تھا۔ یاد ہوگا لڑکپن میں جب ایک مرتبہ ستر کھل گیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بے ہوش ہو گئے تھے۔

حضور ﷺ کے اخلاق اور عادتیں

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عام عادتیں اور اخلاق کیا تھے؟

جواب: سچ تو یہ ہے کہ بیان کرنا ناممکن۔ حد ہوگئی کہ زوجہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یعنی پاک زندگی کی سمجھدار رازدار بھی اس سوال کے جواب میں اس کے سوا کچھ جواب نہ دے سکیں "حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خلق مبارک قرآن پاک تھا۔" مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے اخلاق، قرآن پاک یعنی خدا کے احکام اور اُس کی رضا کے عملی نمونہ تھے۔

لڑائی، صلح، دشمنی، دوستی، آرام، عبادت، خوراک، پوشاک، اُٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، غرض تمام موقعوں پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وہی طرز ہوتا جو خدا کی مرضی ہوتی۔ جو لوگ برسوں اور مدتوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں رہے۔ اُن کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی وجہ سے کبھی کسی پر خفا نہ ہوتے، اپنے نقصان کا کبھی کسی سے بدلہ نہ لیتے۔ ہاں اگر شریعت کا کوئی حق ضائع ہوتا تو پھر غصہ کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس وقت آپ کی سزا سے نہ کوئی سفارش بچا سکتی نہ کسی کی محبت۔ (۱)

۱۔ یہاں تک ارشاد ہوا کہ اگر میری بیٹی فاطمہ (خدانخواستہ) چوری کرے تو اُس کے بھی ہاتھ کاٹوں گا۔۱۲

وسعت اور عمدگی اخلاق ہی تھی جس کو نبوت کے ثبوت میں پیش کیا جاتا اور بڑے بڑے کٹر کافر اور جانی دشمن گردن جھکا دیتے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت کے متوالے بن جاتے۔

گستاخی، بے ادبی، تکلیف، رنج کا بدلہ محال تھا کہ معافی کے علاوہ کوئی اور ہوتا۔ یاد خدا سے کوئی وقت خالی نہ تھا۔ سونے کے وقت آنکھیں سوتیں مگر دل یاد خدا میں جاگتا رہتا۔ ایک ایک مجلس میں ستر اور سو مرتبہ استغفار تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سن لیتے۔

خدمت خلق

پاکیزہ زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا۔

ہمدردی خلق

ایک دوسرا سانس تھا۔ جس پر زندگی کا گویا مدار تھا۔ زندگی انتہائی خطرہ میں ہوتی تب بھی ہمدردی مخلوق کا ولولہ تمام خطروں سے آزاد رہتا بلکہ پورے جوش پر ہوتا۔ (۱) اُحد کی لڑائی میں چہرۂ مبارک میں دو کڑیاں چھبی ہوئی ہیں۔ خون کے چشمے چہرۂ مبارک کی رگوں سے اُبل رہے ہیں۔ مگر مخلوقات کا سب سے بڑا ہمدرد ایک ایک قطرہ کی حفاظت کر رہا ہے کہ اگر زمین پر گرا تو قہر الٰہی جوش میں آجائے گا۔ اس کا افسوس نہیں کہ اتنی بڑی گستاخی، اتنی بڑی درندگی اور بے دردی کیوں کی گئی۔ افسوس اس کا ہے کہ اس قوم کی فلاح وترقی میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہو جائے۔ بار بار یہ ارشاد زبان مبارک پر ہے۔ ہائے وہ قوم فلاح کیوں کر پائے گی جس نے اپنے سب سے بڑے خیر خواہ کے ساتھ یہ برتاؤ کیا۔

۱۔ طائف میں جب جسد اطہر کو اینٹوں اور پتھروں کے حملوں سے خون سے رنگ دیا گیا۔ ملک الجبال کہتا ہے بددعا کیجئے مگر ہمدردی خلق کا ولولہ پکارتا ہے نہیں۔ ممکن ہے ان کی نسل میں کوئی بچہ پیدا ہو جو صداقت کو تسلیم کرے۔ اُحد میں سب کچھ ہوتا ہے، پے در پے حملے ہو رہے ہیں کہ مخلوق کے سب سے بڑے ہمدرد کو مخلوق سے جدا کر دیا جائے مگر زبان پر یہی ہے۔ اے اللہ میری قوم کو معاف فرما وہ مجھے جانتی نہیں۔ ۱۲ منہ

تواضع اور انکساری

حد درجہ کی تھی۔ غریب سے غریب بھی اگر دعوت کرتا تو بلا تکلف منظور فرمالی جاتی اور پھر شاہ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غریب کے جھونپڑے میں جانے میں کوئی عذر نہ ہوتا۔ معمولی سے معمولی شخص جہاں چاہتا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کر سکتا تھا نہ دروازہ پر کوئی دربان تھا نہ راستہ میں کوچوان کی ہٹو بچو نہ ساتھیوں کے ساتھ چلنے میں کوئی نرالی شان ہوتی نہ بیٹھنے میں کوئی امتیازی شان، راحت و آرام میں سب سے کم حصہ ہوتا۔

مگر مشقت اور جفاکشی میں سب کے برابر بلکہ زیادہ۔ جوتے یا پھٹے ہوئے کپڑے خود سی لیتے۔ دراز گوش پر سوار ہونے میں بھی کوئی تکبر نہ ہوتا۔ ارشاد ہوا تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کی اصل مٹی ہے۔ جب کبھی دو چیزوں میں اختیار دیا جاتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسان کو پسند فرماتے۔ ہاں اگر اس میں بدسلوکی یا ناانصافی ہوتی تو آپؐ اس سے کوسوں دور رہتے۔

کم گوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت تھی۔ اگر فرماتے تو مفید بات دوسروں کو بھی تعلیم ہوتی کہ جو اللہ ﷻ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو لازم ہے وہ خاموش رہے اور بولے تو اچھی بات۔ ارشاد ہوا مسلمان کی خوبی اس میں ہے کہ بے کار بات اس سے سرزد نہ ہو۔

رنج اور خوشی ہر حالت میں خدا کی طرف توجہ ہوتی۔ اگر کوئی ناگوار بات پیش آتی تو فرماتے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ یا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ ۔ خوشی کے موقع پر فرمایا جاتا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غصہ اور خوشی دونوں چہرۂ مبارک سے ظاہر ہو جاتے۔ جب خفا ہوتے تو منہ پھیر لیتے اور خوشی کے وقت آنکھ نیچی ہو جاتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن رحمت میں جانور بھی اسی طرح پناہ لیتے جیسے انسان اور کافر بھی اس سایہ میں ویسے ہی آرام پاتے جیسے مسلمان۔

ارشاد ہوا مومن وہ ہے جس سے آدم کی ساری اولاد کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

جانوروں پر مہربانی

بلی آتی تو اُس کے پانی کا برتن اس وقت تک جھکائے رکھا جاتا جب تک وہ سیراب نہ ہو جائے۔ فرمایا ایک بدکار عورت کی اسی میں نجات ہوگئی کہ پیاس سے سسکتے ہوئے کتے کو پانی پلا دیا تھا جس سے وہ زندہ ہوگیا۔ ایک عورت اسی باعث دوزخ میں جل رہی ہے کہ بلی کو باندھ لیا تھا مگر کچھ کھانے کو نہ دیا یہاں تک کہ بلی مرگئی۔

سوار ہونے والوں کو وصیت ہوتی کہ سواریوں پر سختی نہ کریں۔ ذبح کرنے والوں کو حکم ہوتا کہ ذبح میں تکلیف ہو وہ طریقہ اختیار نہ کریں۔ گھوڑے والوں کو نصیحت ہوتی اپنے گھوڑوں کے منہ کو چادر یا آستین سے صاف کرلیا کریں۔ اسی عام رحم و کرم کا بھروسہ تھا کہ جانور بھی اپنی شکایتیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں پیش کرتے تھے۔

سوال : عبادت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرز کیا تھا؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام کاموں میں درمیانی رفتار پسند تھی جو ہمیشہ نبھائی جاسکے۔ فرضوں اور سنتوں کے علاوہ مندرجہ ذیل وقتوں کے پڑھنے کا عموماً تذکرہ احادیث میں ہے۔

(۱) اشراق، دو چار یا آٹھ رکعت۔ چاشت کے وقت نصف النہار سے کچھ پہلے۔

(۲) عصر سے پہلے چار رکعت۔

(۳) مغرب کے بعد صلوٰۃ الاوابین ۶ رکعت سے ۲۰ رکعت تک۔

(۴) مسجد میں داخلہ کے وقت ۲ رکعت تحیۃ المسجد۔

(۵) وضو کے بعد دو رکعت تحیۃ الوضو۔

(۶) تہجد ۱۲ رکعت تک۔

سفر میں چار رکعت فرض کے بجائے دو رکعت پڑھتے تھے۔ نوافل عموماً فرضوں کی شان سے نہ پڑھتے تھے۔ ایسا بھی ہوا کہ سواری پر ہی نفلیں پڑھ لیں۔

نماز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طویل ہوتی تھی۔ خصوصاً جب تنہا پڑھتے تھے۔ قیام اتنا طویل ہوتا کہ پیروں پر ورم آجاتا تھا۔ سجدہ میں اتنی دیر پڑے رہتے کہ خیال کرنے والے کو وہم ہونے لگتا۔ قرأت میں ایک ایک حرف کر کے صحیح صحیح طرز سے جدا جدا پڑھتے۔ نفلیں بیٹھ کر بھی پڑھ لیتے تھے۔ رات کے تین حصے فرما لیتے۔

(۱) پہلا حصہ مغرب اور عشاء وغیرہ کی نماز کا۔

(۲) دوسرا حصہ سونے کا۔

(۳) تیسرا حصہ تہجد کی نماز کا۔

فرض روزوں کے علاوہ عموماً پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے۔ نیز مہینے کے پہلے یا بیچ کے یا آخر کے تین دنوں میں روزہ رکھتے۔ ان کے علاوہ ۹ ذی الحجہ، ۱۰ محرم، ۱۵ شعبان کا روزہ بھی رکھتے اور بلا کسی قید کے بھی روزہ رکھ لیتے۔ نیز ایسا بھی ہوا کہ جب معلوم ہوا گھر میں کچھ نہیں تو روزہ رکھ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو دو تین تین دن کا روزہ بھی رکھ لیتے۔ جس کو صوم وصال کہا جاتا ہے۔ جو صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خاص طور پر جائز تھا اور کسی کے لئے نہیں۔

سوال: ملنے جلنے کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کیا اخلاق تھے؟

جواب: ملنے جلنے کا کچھ ایسا طریقہ تھا کہ ہر ایک شخص یہی خیال کرتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے زیادہ عنایت میرے ساتھ ہے جس سے ملتے خندہ پیشانی کے ساتھ۔ تبسم اور تازہ روئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت تھی۔ جس کی نظیر نہ ملتی تھی۔ اپنے ساتھیوں کی بہت عزت فرماتے۔ اُن کے لئے تکلیفیں برداشت کرتے تھے۔ شرعی وجہ سے بدون محال تھا کہ کوئی ایسی بات زبان مبارک سے ادا ہو جس سے کسی کو تکلیف پہنچے جب تک ملنے والا خود نہ اُٹھتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ اُٹھتے مگر بہ مجبوری جس کی معذرت فرما لیتے مجلس میں کبھی پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے۔ لوگوں کے لئے جگہ چھوڑ دیا کرتے۔ اُٹھنے بیٹھنے میں کوئی جدا شان نہ ہوتی۔ زانو مبارک ہمنشینوں کے برابر

رہتے نہ آگے جدا۔ مجلس میں جہاں جگہ ملتی وہیں بیٹھ جاتے۔ صدر مقام کی کبھی خواہش نہ کرتے۔

خاص موقعوں پر ملاقات کے لئے عمدہ لباس بھی زیب تن فرما لیتے تھے، بال وغیرہ بھی درست فرما لیتے۔ اگر کوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دفعۃً دیکھتا تو بیشک اُس پر رعب چھا جاتا۔ مگر جوں جوں ملتا، بات چیت ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دیوانہ ہو جاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خوش طبعی بھی فرماتے تھے مگر جھوٹ بات کبھی زبان پر نہ آتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھی آپس میں پہلے زمانہ کی باتیں کرتے۔ آپؐ خاموش بیٹھے سنا کرتے۔ وہ کسی بات پر ہنستے تو آپؐ بھی مسکرا دیتے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کوئی بات فرماتے تو سب خاموش ہو کر سننے لگتے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کسی سے ملتے پہلے ہی سلام کر لیتے۔ اپنے ساتھیوں کی ہمیشہ خیریت دریافت فرماتے۔ اگر کوئی بیمار ہو جاتا تو اُس کی مزاج پرسی کے لئے مکان پر تشریف لے جاتے۔ اگر کوئی سفر میں جاتا تو اُس کے لئے دعا فرماتے رہتے۔ اگر معلوم ہوتا کوئی رنجیدہ ہے تو اُس کی دلداری فرماتے۔ اگر کسی سے کوئی خطا ہو جاتی تو اُس کا عذر قبول فرماتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دربار میں امیر و غریب، کمزور قوی سب برابر تھے۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے اوقات کی کس طرح تقسیم فرماتے تھے یعنی روزانہ کا عام پروگرام کیا تھا؟

جواب: مجلس مبارک کی دو صورتیں تھیں جن پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وقت تقسیم ہوتا تھا۔

(۱) مکان کے اندر (۲) مکان کے باہر

پھر مکان کے اندر کے وقت کو تین حصوں پر تقسیم فرماتے تھے۔

(۱) عبادت کے لئے (۲) گھر والوں کے کام کاج۔ بات چیت ہنسنے بولنے کے لئے (۳) آرام کے لئے

پھر آرام کے وقت میں سے بھی ایک حصہ امت کے کاموں کے لئے وقف کر دیتے جس کی صورت یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خواص کو باریابی کا موقع دیتے اور پھر خواص کے ذریعہ سے عوام تک فیوض اور تعلیمات پہنچاتے۔ یہ خواص وہ ہوتے جن سے دینی یا دنیوی ضرورتوں میں سے کسی چیز کو مخفی نہ رکھا جاتا۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں خصوصیت کا مدار کیا تھا؟

جواب: دینی فضیلت۔ مخلوق کی خدمت اور غمگساری۔

اندرونِ خانہ

سوال : گھر والوں کے لئے جو وقت مخصوص ہوتا اُس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کس شان سے رہتے تھے؟

جواب: جیسے عام گھر والے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ پہلے زمانہ کے قصے بھی بیان فرماتے۔ دلچسپی کی باتیں بھی ہوتیں۔ ہنسی مذاق اور کبھی کبھی شکر رنجی وغیرہ بھی ہوتی۔ گھر کے کام میں بھی حصہ لیتے، بکری کا دودھ بھی دوھ لیتے، اپنا کام خود ہی کرتے۔
حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی بیویوں میں سے روزانہ رات کو نمبر وار ایک ایک کے یہاں رہتے۔ باقی دن میں ایک مرتبہ عموماً عصر کے بعد ہر ایک مکان پر جاتے اور مغرب کے بعد سب اس مکان میں آتیں۔ جن کے یہاں اس رات کو رہنے کو نمبر ہوتا۔

دربار خاص

سوال : آرام کے وقت میں سے جو حصہ امت کے لئے نکالا جاتا تھا اُس کی کیا خصوصیات تھیں؟

جواب: (۱) اہل فضل یعنی زیادہ علم وعمل والوں کو حاضری کی اجازت میں اوّل رکھا جاتا ہے۔
(۲) اُس وقت کو اُن کی دینی فضیلت کے لحاظ سے اُن پر تقسیم فرمایا جاتا۔

(۳) ایک یا دو تین غرض جتنی بھی ضرورتیں کوئی لے کر آتا۔ (۱) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کو پوری فرماتے۔

(۴) اُن اشخاص کو اپنے کاموں میں مشغول فرماتے جو خود اُن کے اور تمام امت کی اصلاح کے لئے مفید ہوں۔

(۵) اُن کو یہ ہدایت ہوتی کہ وہ ان باتوں کو غائب لوگوں تک پہنچا دیں۔

(۶) نیز ہدایت ہوتی کہ جب لوگ کسی وجہ سے مثلاً دوری یا شرم یا رعب یا کسی عذر کے باعث اپنی ضرورتوں کا اظہار مجھ پر نہیں کر سکتے۔ تم لوگ اُن کی ضرورتیں مجھ تک پہنچا دیا کرو۔

(۷) صرف ضروری باتیں ہوتیں۔

(۸) اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہی صحابہ رضی اللہ عنہم جو طالب بن کر آتے علم نبوت کے موتیوں سے دامن بھر کر واپس ہوتے اور ہدایت کے رہبر بن کر مجلس سے باہر نکلتے۔

دربار عام

سوال : دوسرا حصہ یعنی باہر کی نشست اور عام مجلس کی کیا کیا خصوصیتں اور کیا شان تھیں؟

جواب: (۱) صبر، امانت، حلم، حیا، اس نورانی مجلس کے روشن تارے ہوتے تھے۔

(۲) صرف اہل ضرورت کا تذکرہ ہوتا۔ ضروری باتیں ہی خوشی سے سنی جاتیں۔

(۳) وہ باتیں ہوتیں جن میں ثواب کی توقع ہو۔ سنجیدگی اور متانت مجلس پاک کی روشنی ہوتی۔ سکون اس کا فرش اور تہذیب سائبان، نہ شور ہوتا نہ غوغا نہ جھگڑا نہ بیہودہ مذاق، نہ کسی کی آبروریزی نہ توہین، تہذیب کے لحاظ سے خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی پیر تک نہ پھیلاتے۔

(۴) وقت کی پوری قدر کی جاتی۔

۱۔ یعنی دینی مثلاً احکام یا مسائل کی تحقیق۔

(۵) آنے والے دینی باتوں کے طالب بن کر آتے اور ہدایت اور خیر کے راستوں کے روشن چراغ بن کر جاتے۔

(۶) ذات رسالتؐ کی طرف سے آنے والوں کی دلداری ہوتی اُن کو مانوس کیا جاتا۔

(۷) ہر قوم کے شریف، سربرآوردہ اور معزز لوگوں کی تعظیم کی جاتی۔

(۸) اگر موقع ہوتا تو دربار رسالتؐ سے بھی اسی معزز شخص کو اس کی قوم کا سردار بنایا جاتا اور لوگوں کو خدا کے عذاب سے ڈرایا جاتا۔ نقصان دہ باتوں سے بچنے کی تعلیم فرمائی جاتی۔

(۹) کوئی بات ایسی نہ کی جاتی جس سے کسی کو تکلیف پہنچے۔

(۱۰) خندہ پیشانی، خوش خلقی، دلجوئی سے کوئی شخص بھی محروم نہ رکھا جاتا۔

(۱۱) دوستوں کی خبر گیری ہوتی۔

(۱۲) آپس کے معاملات کی تحقیق فرما کر اصلاح ہوتی۔

(۱۳) اچھی بات کی تعریف فرما کر تقویت کی جاتی۔

(۱۴) بُری بات کی بُرائی بتا کر اس سے بچنے کی ہدایت کی جاتی۔

(۱۵) ہر بات اور ہر عمل میں درمیانی رفتار سے کام لیا جاتا۔

(۱۶) لوگوں کی اصلاح کا پورا خیال رکھا جاتا۔ کسی قسم کی کوئی غفلت نہ ہوتی۔

(۱۷) ہر کام کے لئے مناسب انتظام ہوتا۔

(۱۸) حق بات میں نہ کوتاہی ہوتی نہ حد سے زیادتی۔

(۱۹) جو باتیں چھپانے کی ہوتیں وہ امانت سمجھی جاتیں۔

(۲۰) حاجت والوں اور مسافروں کی پوری خبر گیری کی جاتی۔

(۲۱) محبت کی چاندنی پھیلی ہوئی ہوتی۔ ہر شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا باپ سمجھتا اور تمام مخلوق بیٹے ہوتے جو حقوق میں مساوی۔

(۲۲) ہر شخص کی طرف برابر توجہ کی جاتی۔ سب کے سب آپس میں برابر شمار

کئے جاتے۔(۱)

(۲۳) حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بیٹھنے کا طرز بھی ایسا ہوتا کہ اجنبی شخص نہیں پہچان سکتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کون سے ہیں۔

(۲۴) حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ پسند نہ تھا کہ استقبال کے لئے اُٹھا جائے یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بیٹھے ہوں اور لوگ کھڑے رہیں۔

(۲۵) البتہ بڑوں کی تعظیم ہوتی، چھوٹوں پر مہربانی۔

(۲۶) افضل وہی مانا جاتا جس کی خیر خواہی عام ہو۔ بڑا وہی ہوتا جو مخلوق کی غمگساری اور مدد میں زیادہ حصہ لے۔

(۲۷) کسی کی بات نہ کاٹی جاتی۔

(۲۸) پہلے بولنے والے کی جب تک بات پوری نہ ہو کسی کو بولنے کا حق نہ ملتا سب خاموشی سے سنتے۔

(۲۹) جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کچھ ارشاد فرماتے تو حاضرین پر ایسی خاموشی چھا جاتی گویا بے جان قالب ہیں۔

۱۔ ساتھیوں کے ساتھ مساوات کے سلسلہ میں یہ دو واقعے ضرور محفوظ رہنے چاہئیں جو سرور المحزون سے مختصر طور پر یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ پہلا واقعہ : ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سفر میں تھے بکری ذبح کرنے کی رائے ہوئی۔ کسی نے کہا میں ذبح کروں گا۔ کسی نے کہا میں کھال کھینچوں گا۔ غرض اسی طرح علیحدہ علیحدہ کام تقسیم کر لئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا میں لکڑیاں چن کر لاؤں گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، یارسول اللہ ہم خادم کس لئے ہیں۔ مساوات اسلام کے معلم نے فرمایا میں نہیں چاہتا کہ کسی سے بڑھ کر رہوں۔ اللہ تعالیٰ ایسے بندے سے ناراض رہتا ہے جو اپنے ساتھیوں پر بڑائی جتلائے۔ پھر سب اُٹھے۔ ہر ایک نے اپنا کام کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لکڑیاں چنیں۔ ایک دوسرے سفر کا واقعہ ہے کہ نماز کے لئے قافلہ ٹھہرا۔ لوگ اونٹوں سے اُترے، نماز کی تیاری ہونے لگی۔ ایک دم حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے اونٹ کی طرف چلے۔ عرض کیا گیا ''حضرتؐ کہاں؟'' فرمایا اپنے اونٹ کو باندھ آؤں۔ عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہم حاضر ہیں، باندھ دیتے ہیں۔ فرمایا نہیں کسی کو دوسرے سے مدد مانگنا جائز نہیں۔ مسواک کی لکڑی بھی دوسرے سے نہ مانگے۔

(۳۰) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین چیزوں سے ہمیشہ محفوظ اور معصوم رہے :

(۱) جھگڑا (۲) تکبر (۳) غیر مفید باتیں

اور تین چیزوں سے ہمیشہ عام لوگوں کو محفوظ رکھا :

(۱) مذمت (۲) عیب شماری (۳) مخفی باتوں کا اظہار

(۳۱) اٹھنا بیٹھنا۔ غرض تمام باتیں اللہ ﷻ کے ذکر کے ساتھ ہوتیں۔

حضور ﷺ کا کلام اور طرز گفتگو

سوال : کلام اور گفتگو کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیا کیا خصوصیتیں اور کیا عادتیں تھیں؟ طرز گفتگو کیا تھا؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں عرب کی زبان فصاحت ، بلاغت ، خوبی اور عمدگی کی سب سے اونچی سیڑھی پر تھی۔ اعلیٰ شاعروں اور جادو بیان مقرروں کی کمی نہ تھی۔ عوام کی قدر دانی کی یہ حالت تھی کہ عمدہ شعروں اور قصیدوں کو سجدہ کرتے۔ شاعروں کے متعلق یہ عقیدہ ہوگیا تھا کہ ان کے جن تابع ہوتے ہیں۔ وہی اُن کو شعر سکھاتے ہیں۔ شاعروں کی بہت قدر کرتے مگر اس تمام عروج اور ترقی کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری اور شیریں گفتگو میٹھی بول چال ایسی اونچی اور ایسی عمدہ ہوتی کہ شاعروں نے اُس کے سامنے سر جھکائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھوٹے چھوٹے فقرے آج بھی حدیثوں میں موجود ہیں۔ حق یہ ہے کہ علم و معانی کے دریا کوزوں میں بھر دیئے گئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مختصر مگر مکمل کلام حق و باطل ، سچ و جھوٹ کا ایک ٹک فیصلہ ہوتا ، بیہودگی یا کسی کی توہین سے پاکیزہ تکلفات سے بلند ، بلا ضرورت ایک حرف بھی زبان پر نہ آتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو سہولت کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر ہوتی تھی۔ ہر ہر حرف

ایک ایک کلمہ جدا کہ سننے والا سن کر یاد بھی کر سکے۔ بات کا چبانا جلدی یا تیزی اس میں قطعاً نہ ہوتی۔ آپؐ ایک جملہ کو دو تین مرتبہ دہرا بھی دیتے تا کہ خوب سمجھ لیا جائے۔ اوّل سے آخر تک پوری صفائی کے ساتھ گفتگو فرماتے۔(۱)

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم گھر کے آدمیوں کے ساتھ کس طرح رہتے تھے؟

جواب: جیسے باہر ہنسی خوشی رہتے اسی طرح گھر میں بھی ہنسی خوشی سے رہتے اور اسی کو ثواب فرماتے سفر کے وقت قرعہ ڈالتے۔ جس بیوی کا نام نکلتا اُس کو ہمراہ لے جاتے۔ آپؐ کا قول ہے کہ اچھے آدمی وہ ہیں جو گھر کے آدمیوں سے اچھی طرح رہیں، وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نو بیویاں تھیں۔ مگر کوئی ایسی نہ تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فدائی نہ ہو، کسی کو آپؐ سے شکایت نہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُن کی جائز دلداری میں بھی کمی نہ کرتے۔ جائز فرمائشوں کو پورا فرماتے۔ بیویوں کی سہیلیوں کی بھی عزت فرمایا کرتے، اُن کے پاس ہدیہ بھجوایا کرتے۔ مردوں کے لئے حکم تھا کہ عورتوں کا پورا لحاظ رکھو۔ وہ تمہاری ماتحت ہیں۔ اچھے برتاؤ میں کمی نہ کرو۔ عورتوں کو حکم تھا کہ شوہروں کی پوری پوری اطاعت کرو، اسی میں تمہاری نجات ہے۔ اگر خدا کے علاوہ کسی کو سجدہ جائز ہوتا تو وہ شوہر تھا۔

سوال : غلام باندیوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کیا برتاؤ تھا؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عام مہربانیوں میں باندی غلام اور آزاد سب کا برابر حصہ تھا۔ غلاموں کو اولاد کے برابر رکھا جاتا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بیٹا کہا جاتا۔ شہرت یہاں تک ہوئی کہ زید بن محمد مشہور ہو گئے۔ اپنی پھوپھی زاد بہن سے اُن کی شادی کر دی۔ تم پڑھ چکے ہو کہ غزوۂ موتہ میں تین ہزار مسلمانوں کی فوج کے یہی سردار تھے جن کے ماتحت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا زاد بھائی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

۱۔ مناسب طور پر جو نا گوار نہ ہو۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ آج تک محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام سے مشہور ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر آقائے دو جہاں کے برابر ایک ہی اونٹنی پر یہ بھی سوار تھے اور پھر وفات سے کچھ دنوں پہلے انہی کو اس بڑے لشکر کا افسر بنایا تھا جس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ عام مسلمانوں کو بھی اسی برتاؤ کی تعلیم دی گئی۔ ارشاد ہوا :

موالی القوم من انفسھم کسی قوم کے آزاد کردہ غلاموں کو اسی قوم میں شامل ماننا چاہئے۔ چنانچہ بنو ہاشم کے آزاد کردہ غلاموں کو زکوٰۃ دینا شریعت میں اسی طرح حرام قرار دیا گیا جیسے خود بنو ہاشم کو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دس سال میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں رہا۔ مگر سفر، حضر، گھر، باہر سب موقعوں پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میری خدمت اس سے زیادہ کیا کرتے جس قدر میں آپؐ کی خدمت کرتا تھا۔ کبھی بھی مجھے نہیں فرمایا۔ ایسا کیوں کیا؟ ایسا کیوں نہیں کیا؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملات

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دوسرے لوگوں سے کیا کیا معاملات کئے ہیں اور کس شان سے؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خریدا بھی ہے بیچا بھی ہے مگر نبوت سے پہلے فروخت کی مقدار زیادہ تھی۔ نبوت کے بعد اس سے کم اور ہجرت کے بعد اس سے بھی کم۔ ہاں ان زمانوں میں خرید کی مقدار زیادہ ہوتی رہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نقد بھی خریدا ہے بیچا ہے اور اُدھار بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مزدوری بھی کی ہے۔ بکریاں بھی اُجرت پر چرائی ہیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے منیجر بن کر شام بھی تشریف لے گئے ہیں اور دوسروں کو مزدور یا نوکر بھی رکھا ہے۔ منیجر وکیل خود بھی بنے

اور دوسروں کو بھی اپنا وکیل بنایا۔ ہدیہ لینا، ہدیہ دینا، ہبہ لینا، ہبہ دینا، یہ تمام معاملات پائے گئے مگر ہدیہ یا ہبہ دینے سے جس قدر خوش ہوتے تھے لینے سے اتنا نہیں۔ اگر کسی سے قرض لیا ہے تو اس سے بہتر ادا کیا ہے اور ساتھ میں جان اور مال کی برکت کی دعا بھی فرمائی ہے، لیکن سود لینا، سود دینا، سود کا معاملہ لکھنا اس کے متعلق دلالی وغیرہ وغیرہ سب حرام قرار دی اور سود کے گناہ کا چھتیسواں حصہ معاذ اللہ ماں کے ساتھ زنا کے برابر ہے۔ ایک مرتبہ کوئی چیز اُدھار خریدی قیمت ادا کرنے سے پہلے اُس کو فروخت کر دیا۔ اتفاقاً اُس میں نفع رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نفع کو بیواؤں اور یتیموں پر تقسیم فرما دیا۔

ایک مرتبہ ایک شخص سے ایک اونٹ قرض لیا۔ وہ تقاضہ کرنے آیا اور سخت گفتگو کی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غصہ آیا۔ آپؐ نے سب کو خاموش فرما دیا اور ارشاد ہوا حقدار کو کہنے کا حق ہے۔

دوسری مرتبہ دوسرے شخص سے ایسا ہی معاملہ پیش آیا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ اُن کو بہت غصہ آیا۔ آپؐ نے سب کو ٹھنڈا کر دیا اور فرمایا "تم کو مجھے کہنا چاہئے تھا نہ اس کو۔"

ایک یہودی سے ایک مرتبہ ایسی ہی صورت پیش آئی وہ وقت سے پہلے ہی مانگنے کے لئے کھڑا ہوا اور بہت سخت گفتگو کی۔ یہاں تک کہا کہ آپؐ لوگوں کا طرز یہی ہے۔ ہمیشہ ٹالتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دینا چاہا مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاموش کر دیا۔ پھر بھی یہودی کی طرف سے سختی بڑھ رہی تھی مگر اس کا جواب نرمی کی زیادتی سے اور حلم و بردباری کی ترقی سے دیا جا رہا تھا۔ آخر یہودی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا متوالا بن گیا اور عرض کرنے لگا، آپؐ میں تمام علامتیں نبوت کی سچی پا چکا تھا۔ صرف سخت کلامی اور غصہ کے وقت بردباری کا امتحان باقی تھا۔ آج پورا ہو گیا۔ اب مجھے خادم بنا لیجئے اور اسلام سے مشرف فرمائیے۔

حضور ﷺ کے کھانے پینے کے متعلق اخلاق

سوال : کھانے پینے کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کیا اخلاق تھے؟

جواب: خدا کی معمولی سی نعمت کو بھی بڑی نعمت سمجھتے جو سامنے آتا اُس کو واپس نہ کرتے بڑھیا ہو گھٹیا بشرطیکہ ناجائز نہ ہو، اگر نہ ملتا تو صبر کرتے۔ چنانچہ کئی کئی دن صاف گزر جاتے، پیٹ پر پتھر باندھتے مگر صبر میں فرق نہ آتا، رضا میں کمی نہ ہوتی۔ ایسا بھی ہوا مہینے گزر گئے اور دولت خانہ میں چولہا ٹھنڈا پڑا رہا جب کھانے کے لئے بیٹھتے اوّل ہاتھ دھو لیتے اور بسم اللہ پڑھتے، ہاتھ پر یا کسی چیز پر تکیہ لگا کر سینی یا میز پر کھانا نہ کھاتے نہ پُرتکلف چھوٹے چھوٹے برتنوں میں ایک ہی طشت یا قاب میں بہت سے آدمی کھاتے۔

زمین پر دستر خوان بچھایا جاتا اسی پر کھاتے۔ خدا کی نعمت کی بُرائی نہ کرتے، کھانا پسند آتا تو کھاتے ورنہ ہاتھ کھینچ لیتے، عیب ہرگز نہ نکالتے۔ فارغ ہونے کے بعد جب کھانا اُٹھایا جاتا تو فرماتے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَاَرْوَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

ترجمہ : ''اس خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں کھانا کھلایا سیراب وشاداب کیا اور ہمیں مسلمان بنایا۔''

آپؐ کا کھانا تکلفات سے بالکل سادہ ہوتا۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جو کھانا پسند تھا وہ ہمیں پکا کر کھلاؤ۔

حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا : پیارے بچو! آج تمہیں وہ کھانا پسند نہیں آسکتا۔

امام حسن رضی اللہ عنہ : نہیں اچھی سلمٰی رضی اللہ عنہا ضرور پسند آئے گا؟

حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا اُٹھیں۔ تھوڑے جَو دل کر ہانڈی میں ڈالے ذرا سا زیتون کا تیل اُن کے اوپر ڈالا اور کچھ مرچیں کچھ زیرہ وغیرہ ملا کر فرمایا۔ یہ کھانا حضور صلی اللہ علیہ

وآلہٖ وسلم کو پسند تھا۔
چھلنی اس زمانہ میں نہ تھی جو کا آٹا پیسا جاتا اور پھونکوں سے اُس کا پھوکٹ اُڑا دیا جاتا۔ چپاتی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے کبھی نہیں پکائی گئی، لیکن اُس کے باوجود بھی دو دن متواتر جو کی روٹی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پیٹ بھرائی عمر بھر میسر نہ آئی، کئی کئی راتیں فاقہ سے گزر جاتی تھیں۔ کمر سیدھی کرنے اور سہارا دینے کے لئے پیٹ پر پتھر باندھتے مگر نہ اس وجہ سے کہ آمدنی کم تھی بلکہ اس لئے کہ دنیا کے یتیم اور فقراء حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مال میں برابر کے حصہ دار تھے جو کچھ آتا فوراً خرچ ہو جاتا۔ ارشاد ہوا : سرکہ بہترین سالن ہے نمک کی بھی تعریف کی گئی کہ غریب کی روٹی کو لذت کے ساتھ حلق سے نیچے اُتار دیتا ہے سیر شکم کبھی نہ تناول فرماتے کچھ بھوک چھوڑ دیتے۔
تر چیزوں کو تین اُنگلیوں سے کھاتے اور فراغت کے بعد اُن کو چاٹ لیتے۔ بیچ میں سے اور چھانٹ چھانٹ کر کھانے سے منع فرماتے جب تک ہڈی میں گوشت رہتا پھینکنے کی اجازت نہ دیتے۔ گری ہوئی چیز کو صاف کر کے کھانے کی ترغیب دیتے اور دستر خوان پر گرے ہوئے ریزوں کے کھالینے کو برکت کا باعث قرار دیتے۔ پیالہ یا ہنڈیا کی تلچھٹ خاص طور سے کھاتے تھے۔ صدقہ کی چیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہرگز نہ کھاتے، ہاں ہدیہ شوق سے کھالیتے۔ پینے کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ بیٹھ کر اطمینان کے ساتھ تین سانس میں پانی نوش جان فرماتے۔ ہر مرتبہ برتن کو منہ سے الگ کر کے سانس لیتے۔

سوال : صدقہ اور ہدیہ میں کیا فرق ہے؟

جواب: صدقہ تو یہ ہے کہ ثواب کے خیال سے کسی ضرورتمند کو کوئی چیز دی جائے اور کسی خاص شخص کی خصوصیت منظور نہ ہو اور ہدیہ یہ ہے کہ اس شخص کا اکرام اور تعظیم منظور ہو۔

سوال : اگر کوئی ہدیہ بھیجتا تو آپؐ کا طرز کیا ہوتا؟

جواب: آپؐ قبول فرمالیتے، دعا فرماتے اور اس سے بہتر چیز دینے کی کوشش فرماتے۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عام غذا کیا تھی؟

جواب: چند چھوارے، جو کی روٹی، ستو، دودھ، گوشت۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کون کون سی چیزیں مرغوب تھیں؟

جواب: کدو، شہد، دودھ، گوشت اور خصوصیت کے ساتھ ران کا گوشت۔ (۱)

سوال : کون کون سی چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناپسند تھیں؟

جواب: لہسن، پیاز اور بدبو کی چیزیں۔

راحت اور آرام

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سونے اور لیٹنے کا کیا طرز تھا؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عموماً باوضو ہوتے جب بستر پر جاتے تو اوّل اس کو جھاڑ لیتے اس کے بعد پہلے داہنا پیر رکھتے پھر دائیں ہاتھ پر داہنا رخسار رکھ کر دائیں کروٹ پر اس طرح لیٹتے کہ قبلہ کی طرف رخ رہتا یعنی قبلہ داہنی جانب ہوتا اور یہ دعا فرماتے :

رَبِّ قِنِیْ عَذَابَکَ یَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَکَ

ترجمہ : ”اے پروردگار جس دن تو اپنے بندوں کو اُٹھائے مجھے عذاب سے بچانا۔“

سونے سے پہلے تینتیس مرتبہ سبحان اللہ اسی طرح تینتیس تینتیس مرتبہ الحمدللہ اور اللہ اکبر اور ایک مرتبہ آیۃ الکرسی اور چاروں قل خود بھی پڑھتے اور اس کی تعلیم امت کو بھی فرماتے اور فرمایا کہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھ کر دونوں ہاتھوں پر دم کر کے تمام بدن پر پھیر لئے جائیں۔ تین مرتبہ ایسا کیا

۱۔ لیکن اس کی وجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ بیان کی کہ گوشت کبھی کبھی پکتا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرصت کم ہوتی تھی یہ چونکہ گل جاتا اسی لئے اسی کو جلدی جلدی کھالیتے۔

جائے ، ان کے علاوہ اور بھی بہت سی سورتیں پڑھنے کی عادت تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کپڑے کے بستر پر بھی سوئے ہیں اور چمڑے کے بستر پر بھی ، کالے کمبل اور محض چٹائی پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سوئے ہیں اور ٹاٹ یا کھال پر بھی ، تخت اور چارپائی پر بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سوئے ہیں اور فرش خاک پر بھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں ٹاٹ کا۔ جس کو دوہرا کر کے بچھا دیا جاتا۔ ایک روز اُس کو چوہرا کر کے بچھا دیا گیا تو تہجد میں دیر سے آنکھ کھلی۔ فرمایا آئندہ ایسا ہرگز نہ کرنا ، دوہرا ہی رہنے دینا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سونے کے وقت کچھ سانس ضرور سنائی دیتا۔ مگر ناگوار خراٹے نہ ہوتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آنکھیں سوتیں مگر قلب مبارک وحی کا منتظر اور حضرت اقدس کی طرف متوجہ رہتا جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بیدار ہوتے تو فرماتے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَا تَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ

ترجمہ : ’’یعنی اس خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی عطا فرمائی اُسی کے پاس جانا ہے۔‘‘

پوشاک ولباس وغیرہ

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پوشاک کیسی ہوتی تھی؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا لباس مبارک سادہ ہوتا تھا۔ تکلف سے پاک بسا اوقات پرانا پیوند لگا ہوا۔ مگر صاف ستھرا اور اکثر خوشبو سے معطر سبز یا سرخ دھاری دار یمن کے بنے ہوئے تہبند اور چادر اور سفید لباس حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عام طور سے پسند تھا۔ لباس کے متعلق عام سنت یہ تھی کہ جو میسر آتا وہ استعمال فرماتے۔ چنانچہ چادر ،

تہبند اور کرتا۔ عمامہ ٹوپی چمڑے کے موزوے یہ سب بھی استعمال فرمائے ہیں اور وقت پر جو میسر ہوا ضرورت کے وقت چوغا اور تنگ آستین والی اچکن بھی استعمال فرمائی ہے۔ پاجامہ بھی خریدا ہے مگر پہننے سے پہلے وفات ہوگئی۔

البتہ لباس میں چند باتیں ضروری تھیں :

(۱) ریشم کا نہ ہو (۲) زربفت نہ ہو (۳) ایسا لباس نہ ہو جس سے تکبر ٹپکے چنانچہ ٹخنوں سے نیچا تہبند یا پاجامہ منع فرمایا کیونکہ یہ تکبر کا شیوہ ہے (۴) ایسا نہ ہو جس سے دکھاوا مقصود ہو، خواہ گھٹیا اور ردی ہی ہو (۵) ایسا نہ ہو جس سے عورتوں کی مشابہت پیدا ہو۔ چنانچہ سرخ لباس وغیرہ سے منع فرمایا (۶) ایسا نہ ہو جو کسی دوسری قوم کا مخصوص لباس ہو۔

یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ تکبر بڑھیا لباس میں نہیں تصوف گھٹیا لباس میں نہیں بلکہ تکبر یہ ہے کہ اپنے ہم جنسوں پر بڑائی جتلانا مقصود ہو۔ تصوف یہ ہے کہ تکبر اور دکھلاوے کا اس میں اثر نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ کی پیروی ہو۔ وہ سادہ لباس بھی بُرا ہے جو دکھلاوے کے لئے ہو، وہ بڑھیا لباس بھی اچھا ہے جو تکبر اور غرور کے لئے نہ ہو بلکہ خدا کی نعمت اور اُس کے احسان کے اظہار کے لئے ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلیٰ درجہ کا لباس بھی پہنا ہے اور گھٹیا بھی۔ جن کپڑوں میں وفات پائی وہ موٹے کپڑے تہ بہ تہ پیوند لگے ہوئے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد تھا جب تک پیوند نہ لگوا لیا جائے، کپڑے کو نہ اُتارا جائے اور جب اُتارا جائے تو کسی غریب کو دیدیا جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمامہ میں شملہ بھی چھوڑتے تھے اور کبھی دونوں کنارے بھی نیچے کو لٹکا لیتے تھے۔ عمامہ کا باندھنا اس طرح ہوتا کہ داہنا حصہ اوپر رہتا اور ٹوپی نیچے ہوتی۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چادر۔ تہبند اور عمامہ کا طول وعرض کتنا ہوتا تھا؟

جواب: چادر چھ ہاتھ لانبی تین ہاتھ چوڑی۔ تہبند چار ہاتھ، ایک بالشت لانبا اور دو ہاتھ، ایک

بالشت چوڑا، عمامہ سات ہاتھ لانبا۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی یا سونے کی کون سے ہاتھ میں پہنتے تھے اور اس کا نگ کس طرف رہتا تھا۔

جواب: چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی میں مہر تھی اور مہر کی ضرورت ہوتی تھی۔ اس وجہ سے ضرورت کے وقت عموماً داہنے ہاتھ میں ڈال لیتے تھے۔ کبھی بائیں ہاتھ میں بھی اس کا نگ اندر کی جانب ہتھیلی کی طرف رہتا تھا۔ انگوٹھی چاندی کی تھی، سونے کی منع فرمائی ہے۔

صفائی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص بال رکھنے چاہے تو وہ صاف کرتا رہے۔ آپ دوسرے تیسرے روز کنگھا بھی فرمایا کرتے تھے۔ آٹھویں روز غسل مسنون قرار دیا اور مسواک ہر وضو کے وقت۔

ایسے ہی جمعہ یا عید یا مجمع میں جانے کے وقت عطر، مسواک۔ عمدہ لباس کا استعمال مسنون قرار دیا۔ حجامت کی زائد سے زائد مدت چالیس روز قرار دی۔ مونچھوں کو کٹانا ڈاڑھی کو بڑھانا مسلمان کی علامت قرار دی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سونے کے وقت سرمہ کا استعمال فرماتے تھے۔ ہر آنکھ میں تین سلائی لگاتے۔ پیشاب کو مکان میں رکھنے سے منع فرمایا۔ مکانوں کو صاف رکھنے کا حکم فرمایا۔ ارشاد ہوا اس مکان میں رحمت کے فرشتے نہیں جاتے جس میں جنبی (ناپاک) یا تصویر یا کتا ہو۔ رات کو بسم اللہ کہہ کر برتنوں کو ڈھکنے کا حکم فرمایا۔

استنجا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانی سے بھی کرتے تھے اور ڈھیلوں سے بھی اور دونوں سے استنجا کرنا بہتر قرار دیا۔ پاس بیٹھ کر قضاء حاجت سے منع فرمایا۔ (۱) سایہ کی جگہ، لوگوں

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہونے کے لئے دور دراز چار چار میل نکل جاتے تھے۔ ۱۲

کے بیٹھنے کی جگہ اور راستہ میں پیشاب پاخانہ کرنے سے منع فرمایا۔

آبدست بائیں ہاتھ سے ہونا چاہیئے۔ آبدست کے ہاتھ کو مٹی سے مل کر پانی سے دھولینا چاہیئے۔ نجاست کے موقعوں پر بایاں پیر آگے رہنا چاہیئے اور اچھے موقعوں پر داہنا پیر۔ پیشاب کے وقت نرم زمین تلاش کرنی چاہیئے ورنہ کرید کر ایسا کرلینا چاہیئے کہ چھینٹیں نہ اُٹھیں۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دو قبروں پر گزرے فرمایا اُن کے مردوں کو معمولی معمولی باتوں پر عذاب ہو رہا ہے۔ ایک تو چغلی کرتا تھا، دوسرا ناپاک چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔ پیشاب پاخانہ میں جانے کے وقت پڑھنا چاہیئے : اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ باہر نکلتے وقت کہنا چاہیئے : اَللّٰھُمَّ غُفْرَانَکَ ۔ یہ تھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم روحی فداہ کی مبارک اور پاکیزہ سنت۔

اللھم وفقنا لا تباع سنن حبیبک ونبیک خاتم الانبیاء والمرسلین

وصل علیه وعلی اله واصحابه اجمعین امین یارب العالمین

نکاح

سوال : نکاح مذہبی چیز ہے یا دنیاوی؟

جواب: مذہبی۔

سوال : مذہبی طور سے نکاح کے کیا کیا مقصد ہیں؟

جواب: (۱) پاکدامن رہے، نظر نیچی رہے۔ (۲) خدا کی عبادت کے لئے ہر ایک کو دوسرے سے مدد(۱) ملے۔ (۳) خدا کے نیک بندوں میں زیادتی ہو۔ (عورتیں جو خدا کی مخلوق ہیں اُن کی زندگی بخوبی بسر ہو۔ (۴) اندرونِ خانہ انتظامات سے بے فکر ہو کر مذہبی فرائض مثلاً جہاد یا حلال کمائی وغیرہ میں مشغول ہو۔ (۵) اپنے بال بچوں

۱۔ چنانچہ میاں بیوی کی تعریف کی گئی جو رات کو اُٹھ کر تہجد پڑھیں اور ایک نہ اُٹھے تو دوسرا اس پر پانی چھڑک دے۔ ارشاد ہوا دنیا کی بہترین پونجی نیک بی بی ہے۔۱۲

کے دکھ درد کو دیکھ کر مخلوقِ خدا کے درد دکھ کا پتہ چلے اور نیک سلوک اور خدمت خلق کی عادت ہو۔

سوال : اسلام میں ایک وقت میں کتنے نکاح جائز ہیں؟

جواب: چار۔

سوال : کیا اس کے لئے کوئی شرط بھی ہے؟

جواب: (۱) سب کے اخراجات برداشت کر سکے۔

(۲) سب کے ساتھ برابر کا برتاؤ کر سکے۔

(۳) سب کے ساتھ اچھا سلوک کر سکے۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت کتنی بیویاں تھیں؟

جواب: نو۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کا ذکر ہمیں کس طرح کرنا چاہئے یعنی اُن کا لقب کیا ہے اور مسلمانوں سے کیا رشتہ ہے؟

جواب: ام المومنین کے ساتھ یعنی مسلمانوں کی ماں۔ یہی اُن کا لقب اور رشتہ ہے۔

سوال : جبکہ مسلمانوں کے لئے صرف چار نکاح جائز ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتنے نکاح کیوں کئے؟

جواب: جس خدا نے عام مسلمانوں کے لئے صرف چار نکاح ایک وقت میں جائز رکھے ہیں۔ اُسی خدا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اس سے زائد نکاح جائز رکھے۔

سوال : کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاحوں میں کوئی ظاہری حکمت بھی ہے؟

جواب: چند حکمتیں بالکل ظاہر ہیں۔ زیادہ کا علم خدا کو ہے۔

سوال : وہ حکمتیں کیا ہیں؟

جواب: (۱) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ تھا کہ جس چیز کی تعلیم دوسروں کو دیتے تو خود اس پر سختی سے عمل کر کے دکھاتے۔

نماز (۱)، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ، جہاد، معاملات۔ مثلاً خرید و فروخت، قرض تجارت وغیرہ وغیرہ میں سب میں یہی حالت تھی۔ تو اسی طرح جب چار نکاح جائز رکھے گئے اور حکم یہ ہوا کہ سب کے ساتھ اچھی طرح سے رہیں، کسی کو شکایت کا موقع نہ آنے دیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نو نکاح کر کے دکھائے کہ بہت سی بیویوں کے ہوتے ہوئے اسی طرح محبت اور برابری کا سلوک کیا جا سکتا ہے۔

(۲) اگر نکاح عیش ہے تو یہ دنیا کو بتا دیا کہ انسان ایک بیوی نہیں۔ نو بیویوں میں پھنس کر بھی دنیا دار نہیں بنتا بلکہ سخت سے سخت اور اعلیٰ سے اعلیٰ دینی خدمت انجام دے سکتا ہے۔

(۳) اگر نکاح آفت ہے تو ضروری تھا کہ دنیا کی دوسری مصیبتوں کی طرح یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے زائد ہوں تا کہ ثابت قدمی اور استقلال کا سبق خدا کے بندوں کو مل سکے۔

(۴) بہت سے مسئلے اس قسم کے ہیں کہ مردوں کے ذریعہ سے اُن کی تبلیغ ناممکن ہے اور غیر عورتوں کے سامنے اُن کا بیان کرنا حیا کے مخالف ہو تو اس طرح اُن کی تبلیغ بآسانی ہو۔

(۵) کچھ خاص حکمتیں تھیں، جن کا تذکرہ ''ماؤں'' کے تفصیلی ذکر میں آئے گا۔ اگر

۱۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم و مغفور تھے مگر فرماتے ہیں کہ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ عام نمازوں کے علاوہ صرف تہجد میں اتنا کھڑے ہوتے ہیں کہ پائے مبارک ورم کر جاتے ہیں اسی طرح مسلمانوں کے لئے جائز نہیں کہ دو دو تین تین دن کے روزے بلا افطار رکھیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عموماً ایسا کرتے تھے۔ عام مسلمانوں کا ترکہ اُن کی اولاد کو ملتا ہے بلکہ مرنے کے وقت تہائی مال کا وقف کر دینا یا ہبہ کر دینا جائز ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام ترکہ مسلمانوں کے لئے تھا، اُن کی اولاد کو کچھ نہ ملا، اُس کی آمدنی زندگی میں بھی اور بعد میں بھی فقیروں، مسکینوں، مسافروں وغیرہ کے لئے تھی۔ جہاد کے بارے میں حالات کا کسی قدر علم ہو چکا ہے۔ حد ہوگئی بدر کے موقع پر بیٹی لب دم اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاد میں وطن سے باہر اور اس قسم کے سینکڑوں واقعات ہیں۔

معاذ اللہ کوئی بُرا مقصد ہوتا تو یہ شادیاں جوانی میں کرنی چاہیئے تھیں نہ کہ پچپن سال کے بعد بڑھاپے میں۔

سوال : کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پہلے انبیاء نے بھی ایک سے زائد شادیاں کی ہیں؟

جواب: کی ہیں۔

سوال : اُن کی تفصیل بیان کرو؟

جواب: سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویاں۔ سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام کی چار بیویاں۔ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چار بیویاں۔ سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام کی نو سے بھی زائد۔ سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کی نو سے بھی زائد بروایت تورات ایک ہزار۔

سوال : کیا ہندوؤں کے بڑے بزرگوں نے بھی ایک سے زائد بیویاں رکھی ہیں؟

جواب: رکھی ہیں۔

سوال : اُن کی تفصیل بیان کرو؟

جواب: رام چندر جی (۱) کے والد مہاراجہ دسرت کی تین بیویاں۔ کرشن جی جو بہت بڑے اوتار ہیں، عام شہرت کے مطابق سینکڑوں بیویاں۔ راجہ پانڈو کی دو بیویاں۔ راجہ شنتن کی دو بیویاں۔ بچھتر اتیج کی دو بیویاں اور ایک لونڈی۔

سوال : امہات المومنین کے مہر کیا کیا تھے؟

جواب: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ۲۰ اونٹ (۲) اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے چار سو دینار تقریباً دو ہزار روپے باقی سب کے پانچ سو درہم تقریباً سوا سو روپیہ۔

سوال : حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے مہر اتنے زیادہ کیوں تھے؟

جواب: اس لئے کہ حبشہ کے بادشاہ نے یہ مہر رکھے تھے، اُسی نے ادا کئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نہیں۔

۱۔ ماخوذ از رحمۃ اللعالمین۔ ج ۲۔ ص ۱۲۱۵۶۔ لالہ جپت رائے آنجہانی نے بہت کم کیں۔ مگر پھر بھی آٹھ مائیں۔

۲۔ طبقات ابن سعد۔ الرحیق المختوم۔

سوال : حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مہر کتنا تھا؟

جواب: وہی پانچ سو درہم تقریباً سوا سو روپیہ۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواتین کے اور اُن کے والدین کے نام کیا کیا تھے اور کون کون سے خاندان سے تھیں؟ نکاح کب ہوا؟ پہلے بھی اُن کا کوئی نکاح ہو چکا تھا یا نہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کتنے عرصہ رہیں۔ کب وفات ہوئی؟

جواب: ان تمام سوالات کے جوابات ذیل کے نقشہ سے نکال لو۔ (نقشہ آئندہ صفحہ پر)

حضور اکرم ﷺ کی بیبیاں یعنی مسلمانوں کی مائیں۔ رضوان اللہ علیہن

نمبر شمار	اصل نام مع عرف اور والدہ کا نام	والد کا نام اور خاندان	پہلے نکاح ہوا یا نہیں اور کتنے نکاح ہوئے	حضورؐ سے کب نکاح ہوا اور اُن کی عمر کیا تھی	کتنے عرصہ حضورؐ کی خدمت میں رہیں	وفات کب اور کہاں ہوئی	کیفیت اور کوئی خاص بات
(۱)	اُمُّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا۔ لقب طاہرہ۔ دختر "فاطمہ" بنت زائدہ۔	خویلد قریش از اولاد قصی	دو نکاح ہوئے (۱) عتیق بن عائد مخزومی جو لاولد مرے (۲) ابوہالہ ہند بن نباش جن کے اولاد ہوئی۔	حضور ﷺ کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال۔	۲۵ برس یا ۲۴ برس چھ ماہ۔	مکہ مکرمہ میں جبکہ حضور ﷺ کی عمر ۵۰ سال تھی اور حضرت خدیجہؓ کی عمر ۶۵ سال تھی۔	ابوہالہ سے تین بیٹے زندہ تھے جو مسلمان ہوئے۔ (۱) ہند (۲) طاہر (۳) ہالہ۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مہر ۲۰ اونٹ۔
(۲)	اُمُّ المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا۔ دختر شموس بنت قیس۔	زمعہ قریش از اولاد لوی۔	پہلے سکران بن عمرو بن عبد ود سے نکاح ہوا۔	نبوت سے دسویں برس حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضور ﷺ کی عمر ۵۰ سال۔ نیز حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۵۰ سال۔	تقریباً ۱۴ سال	مدینہ منورہ ۱۹ھ بہ عمر ۷۲ سال	پہلے مسلمان ہوگئی تھیں پھر شوہر کو مسلمان کیا پھر حبشہ (ہجرت کر کے) تشریف لے گئیں وہاں شوہر کی وفات ہوگئی۔ حضور ﷺ نے نکاح کر کے مصیبت زدہ بیوہ کی ہمدردی فرمائی اور دارین کی بادشاہت سے نوازش کر دی۔

(۳)	حبیبہ محترمہ اُمّ المومنون عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔ صدیقہ لقب۔ دختر اُمّ رومان زینب۔ جن کو دنیا میں جنتی ہونے کی بشارت دی جاچکی تھی۔	صدیق اکبر۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ قریشی ازاولادمرہ	نکاح نہیں ہوا	شوال ۱۱ھ نبوت یعنی جب حضور ﷺ کی عمر مبارک ۵۰ سال ۶ ماہ تھی نکاح ہوا۔ تین سال بعد ہجرت کے پہلے سال شوال میں رخصتی ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر بوقت نکاح ۶ سال بوقت رخصتی ۹ سال۔	تقریباً ۹ برس ۵ ماہ	مدینہ طیبہ میں ۱۷ رمضان المبارک ۵۷ھ کو بہ عمر ۶۳ سال وفات ہوئی۔	ذہانت، ذکاوت، عقل، سمجھ علم و عمل کے باعث حضور ﷺ کی بیگمات میں سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ بڑے بڑے صحابہؓ بڑے بڑے مسائل میں ان سے فتویٰ لیتے تھے۔ تقریباً سوا دو ہزار حدیثیں اُن سے روایت ہیں۔
(۴)	اُمّ المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا۔ دختر حضرت زینب بنت مظعون بہت پہلے مسلمان ہوچکی تھیں۔ مدینہ میں وفات ہوئی۔	حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ۔ قریشی ازاولادکعب	پہلے حضرت حسین بن حذافہ سے نکاح ہوا تھا جنہوں نے حبشہ اور مدینہ دونوں جگہ ہجرت کی پھر جنگ اُحد میں شریک ہوکر زخمی ہوئے اور مدینہ میں وفات پائی۔	شعبان ۳ھ حضور ﷺ کی عمر ۵۵ سال ۶ ماہ۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی عمر تقریباً ۲۲ سال۔	۸ سال	جمادی الاولیٰ ۴۱ھ بہ عمر ۶۰ سال مدینہ منورہ	

(۵)	اُمّ المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا۔ لقب اُمّ المساکین۔	خزیمہ قریش از اولاد بنو ہلال بن عامر	تین نکاح ہوئے۔ (۱) طفیل سے (۲) عبیدہ سے۔ دونوں حضور ﷺ کے بڑے چچا حارث کے بیٹے تھے۔ (۳) عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے جو جنگ بدر میں شہید ہوئے۔	۳ھ حضور ﷺ کی عمر ۵۵ سال۔ اُمّ المومنین کی عمر تقریباً تیس سال۔	دو یا تین ماہ	۳ھ مدینہ طیبہ بہ عمر ۳۰ سال	
(۶)	اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا۔ اصل نام ہند۔	ابی امیہ عرف زادہ الراکب قریشی از بنی مخزوم حضرت خالد بن ولید اسی خاندان سے تھے۔	حضرت عبداللہ بن عبدالاسد مخزومی سے نکاح ہوا تھا جو حضور ﷺ کی پھوپھی برہ کے صاحبزادے تھے اور حضور ﷺ کے دودھ شریک بھائی بھی۔	۴ھ یا ۸ جمادی الثانی ۵ھ۔ اُمّ المومنین کی عمر ۲۴ سال۔ حضور ﷺ کی عمر ۵۶ سال۔	سات سال ۹ ماہ یا سات سال	مدینہ میں ۵۹ھ یا ۶۰ھ میں بہ عمر ۸۴ سال۔ کہا گیا ہے کہ ازواج میں سب کے آخر میں اِن کی وفات ہوئی۔	اسلام میں بہت پختہ تھیں۔ مدینہ آنے کے وقت اپنے شوہر کے ساتھ یہ بھی ہجرت کر رہی تھیں مگر اُن کے رشتہ داروں نے اُن کو اور ایک اُن کے شیر خوار بچہ کو روک لیا۔ شوہر نے خدا کی راہ میں بیوی کی کوئی پرواہ نہیں کی جس جگہ فرق ہوا تھا ایک سال برابر وہاں آئیں اور پھوٹ پھوٹ کر روئیں۔ آخرکار سخت دلوں کا دل نرم ہوگیا اور اجازت دیدی۔ یہ تنہا مدینہ کو روانہ ہوگئیں اور ایک شخص نے رحم کھا کر اُن کو مدینہ کے پاس تک پہنچادیا۔ شوہر کی وفات کے وقت کئی ایک بچے تھے۔

(۷)	اُمّ المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ۔ لقب اُمّ الحکم۔ دختر امیمہ جو حضور ﷺ کی پھوپھی تھیں۔	جحش بن ایاب۔ قبیلہ خزیمہ از خاندان بنی اسد	پہلا نکاح حضرت زید بن حارثہ سے ہوا تھا جو حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے پھر اُنہوں نے طلاق دے دی۔	ذیقعدہ ۵ھ اُمّ المومنین کی عمر ۳۶ سال حضور ﷺ کی عمر ۵۷ سال۔	تقریباً ۵ سال ۴ ماہ	مدینہ میں ۲۰ھ تقریباً بہ عمر ۵۲ سال	اس نکاح سے عرب کے اس مشہور عقیدہ کو باطل کیا گیا کہ متبنّٰی یعنی لے پالک کا رشتہ خاص بیٹے جیسا ہوتا ہے اور اُس کی بیوی حرام ہو جاتی ہے کیونکہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے متبنّٰی تھے۔
(۸)	اُمّ المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا۔	حارث بن ابی ضرار۔ قبیلہ بنو مصطلق کے سردار	پہلی شادی مسافع بن صفوان مصطلقی سے ہوئی۔	غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر شعبان ۵ھ۔ اُمّ المومنین کی عمر ۱۶ یا ۲۰ سال۔ حضور ﷺ کی تقریباً ۵۷ سال ۶ ماہ۔	تقریباً ۵ سال ۶ ماہ	مدینہ طیبہ میں ۶ ھ میں بہ عمر ۶۵ سال یا ۷۱ سال	غزوۂ بنو مصطلق میں گرفتار ہو کر حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی تھیں۔ اُنہوں نے آزاد کرنے کا وعدہ کرلیا مگر اس شرط پر کہ روپیہ ادا کریں۔ روپیہ کے متعلق امداد کے لئے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضور ﷺ نے روپیہ ادا کر دیا اور چونکہ سردار کی بیٹی تھیں۔ حضور ﷺ نے نکاح میں قبول فرمالیا۔ جس کا فائدہ یہ ہوا کہ سو آدمی جو اس قبیلہ کے گرفتار کر کے غلام بنائے گئے تھے اور تقسیم کئے جاچکے تھے۔ مسلمانوں نے فوراً آزاد کر دیئے کہ اُن کے خاندان سے حضور ﷺ کا رشتہ قائم ہوگیا ہے۔ حارث مذکور کا کام عموماً ڈکیتی تھا اُس کے بعد وہ بند ہوگیا۔ مسلمانوں کو بھی امن ملا دوسرا فائدہ یہ تھا۔

(۹)	اُمّ المومنین حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا۔ اصل نام رملہ۔ دختر صفیہ بنت ابوالعاص۔	ابوسفیان بن امیہ حضور ﷺ کے مشہور دشمن جو ۸ھ میں مسلمان ہوئے۔ قریشی از خاندان بنو امیہ	پہلا نکاح عبید اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے ہوا۔	۶ھ اُمّ المومنین کی عمر ۳۶ سال اور حضور ﷺ کی عمر ۵۰ سال سے زائد۔	تقریباً ۵ سال	مدینہ طیبہ میں بہ عمر ۷۲ سال۔ ۴۴ھ میں وفات ہوئی۔	شوہر کے ساتھ حبشہ گئی تھیں۔ مگر شوہر شرابی تھے وہاں کے لوگوں سے مل کر اسلام سے پھر گئے۔ حضور ﷺ کو جب علم ہوا تو نکاح کا پیغام بھیجا۔ ابوسفیان پر جو حضرت اُمّ حبیبہ کے باپ تھے اس کا کیا اثر ہونا چاہئے۔ وہ ظاہر ہے واقعہ یہ ہے کہ پھر کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ صلح کے زمانہ میں ابوسفیان مدینہ آئے۔ بیٹی سے ملنے گئے تو حضور ﷺ کے بستر پر بیٹھنے لگے۔ حضرت اُمّ حبیبہ نے بستر اُٹھا دیا کہ رسول اللہ ﷺ کے بستر پر کافر نہیں بیٹھ سکتا۔ ابوسفیان بولے میرے بعد۔ بیٹی بگڑ گئی۔

(۱۰)	اُمّ المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا۔ دختر برو بنت سموآں۔	حیئی بن اَخطب سردار بنونضیر	کنانہ بن ابی حقیق سے نکاح ہوا جو خیبر کا سردار تھا۔ جنگ خیبر میں مارا گیا۔ یہ بھی روایت ہے کہ اس سے پہلے اسلام بن شکم یہودی سے نکاح ہوا۔	جمادی الآخر ۷ھ۔ اُمّ المومنین کی عمر ۱۷ سال۔ حضور ﷺ کی عمر تقریباً ۵۹ سال۔	تقریباً ۴ سال	مدینہ طیبہ میں وفات ہوئی بہ عمر ۶۰ سال رمضان۔	غزوۂ خیبر میں گرفتار ہوئی تھیں اور حضرت وحیہ کلبی ﷺ کے حصہ میں آئی تھیں مگر چونکہ سردار کی بیوی اور سردار کی بیٹی تھیں لہٰذا اُن سے واپس لے کر ملکہ دوجہاں کا شرف عنایت فرمایا گیا۔ حضور ﷺ نے اوّل روز دیکھا کہ چہرہ پر نیل ہے وجہ دریافت کی تو بتایا کہ حضور ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے میں نے خواب دیکھا تھا کہ چاند اپنی جگہ سے ہٹا اور میری گود میں آپڑا۔ حضور ﷺ کے متعلق واللہ مجھے کوئی خیال بھی نہ تھا۔ میں نے اپنے شوہر سے ذکر کیا تو اُس کمبخت نے طمانچہ رسید کیا اور کہا کہ اُس شخص کی آرزو رکھتی ہے جو مدینہ میں ہے۔
(۱۱)	اُمّ المومنین حضرت اُمِ میمونہ رضی اللہ عنہا۔ حضرت زینب بنت خزیمہ کی ماں شریک بہن۔	حارث بن حزن از خاندان بنو ہلال بن عامر	پہلا نکاح مسعود بن عمر سے ہوا۔ دوسرا نکاح ابو رہم بن عبدالعزیٰ سے۔	ذیقعدہ ۷ھ بموقع عمرہ قضا۔ اُمّ المومنین کی عمر ۳۶ سال۔ حضور ﷺ کی عمر تقریباً ۵۹ سال۔	تقریباً سوا تین سال	بمقام سرف جہاں نکاح ہوا تھا وہیں ۵۱ھ میں وفات ہوئی۔ بہ عمر ۸۰ سال۔	

رشتہ دار اور لواحقین

حضور ﷺ کے چچا، تائے اور پھوپیاں

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کتنے تائے اور چچا تھے اور کیا کیا نام تھے؟

جواب: گیارہ یا تیرہ۔

(۱) سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ۔

(۲) حضرت عباس رضی اللہ عنہ۔

(۳) جناب ابو طالب اصل نام عبد مناف۔

(۴) ابولہب۔ اصل نام عبدالعزیٰ۔

(۵) زبیر۔ (۶) عبدالکعبہ۔

(۷) ضرار۔ (۸) قثم۔

(۹) مصعب۔ عرف عیدق۔ (۱۰) حارث۔

(۱۱) مقوم۔ (۱۲) مغیرہ۔

(۱۳) حجل یا حجلاء (اول حا پھر جیم) علماء کا قول یہ بھی ہے کہ حارث ہی کا نام مقوم بھی تھا۔ اسی طرح مغیرہ کا نام حجل یا حجلاء بھی مانا گیا ہے۔ اس صورت سے کُل گیارہ ہوتے ہیں۔

سوال : ان سب میں بڑے اور چھوٹے کون اور کون کون مسلمان ہوئے؟

جواب: سب سے بڑے حارث رضی اللہ عنہ اور سب سے چھوٹے عباس رضی اللہ عنہ اور صرف دو مسلمان ہوئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ۔

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کتنی پھوپیاں تھیں اور نام کیا تھے؟

جواب: چھ۔

(۱) صفیہ (حضرت زبیر بن عوام کی والدہ ماجدہ)

(۲) عاتکہ۔

(۳) برہ۔

(۴) اردی۔

(۵) امیمہ۔

(۶) ام حکیم بیضا۔

سوال : مسلمان کون کون ہیں؟

جواب: حضرت صفیہ کے متعلق تو یقین ہے۔ باقی اردی اور عاتکہ کے متعلق اختلاف ہے۔

آزاد کردہ غلام اور باندیاں

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آزاد کردہ باندیاں اور غلام کتنے تھے؟

جواب: تقریباً تیس غلام اور نو یا گیارہ باندیاں اور اِن سے زیادہ کی بھی روایتیں ہیں۔

خدمت کرنے والے

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاص خاص خادم کون کون تھے؟

جواب: حضرت انس بن مالک۔ حضرت عبداللہ بن مسعود۔ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی۔ حضرت عقبہ بن عامر جہنی۔ حضرت بلال بن رباح۔ حضرت سعد۔ حضرت ذومخبر یا دومخبر۔ (نجاشی بادشاہ کے بھتیجے یا بھانجے) بکیر بن شداخ لیثی۔ حضرت معیقیت بن ابی فاطمہ دوسی۔ حضرت ابوذر غفاری۔ حضرت اسلع بن شریک۔ حضرت ایمن بن عبید رضی اللہ عنہم۔

خدمت کرنے والی عورتیں

ہند اسماء حضرت حارثہ کی صاحبزادیاں اور ام ایمن رضی اللہ عنہن۔

سوال : ان میں کن کن صاحب کے کیا کیا خدمت سپرد تھی؟

اسمائے گرامی	خدمات
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔	ضروریاتِ خانگی وغیرہ۔
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔	جوتا اور مسواک کی نگرانی۔
حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ۔	خچری کی نگہبانی، سفر میں لے چلنا۔
حضرت اسلع بن شریک رضی اللہ عنہ۔	لگام کی دیکھ بھال اونٹنی کی نگرانی۔
حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ۔	اذان، مصارف اور اخراجات۔
حضرت ایمن رضی اللہ عنہ۔	وضو اور استنجا کا پانی اور لوٹا۔
حضرت معیقیت بن ابی فاطمہ دوسی رضی اللہ عنہ۔	انگوٹھی کی نگرانی۔

مؤذن

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس کس کو مؤذن اور کہاں کہاں مقرر کیا؟

اسمائے گرامی	مقام
حضرت بلال رضی اللہ عنہ۔	مسجد طیبہ نبویؐ میں۔
حضرت عمرو ابن اُمِ مکتوم رضی اللہ عنہ۔	مدینہ طیبہ مسجد نبویؐ میں باری باری کبھی کوئی رات کو کبھی دن کو۔
حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ۔	مکہ مکرمہ، مسجد حرم۔
حضرت سعد قرط رضی اللہ عنہ۔	مسجد قبا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہرہ دار

سوال : کس کس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کہاں پہرہ دیا؟

جواب: حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جنگ بدر کے دن جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جھونپڑی میں آرام فرمارہے تھے۔

ا۔ زاد المعاد۔ ج ۱۲، ص ۳۳۳۰

اسمائے گرامی	جنگ
حضرت ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ عنہ۔	جنگ اُحد کے دن۔
حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ۔	جنگ اُحد کے دن۔
حضرت زبیر رضی اللہ عنہ۔	جنگ احزاب کے دن۔
حضرت عباد بن بشیر رضی اللہ عنہ۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ ۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ۔	وادیٔ قریٰ۔

سوال : پہرہ کا طریقہ کب تک جاری رہا؟

جواب: یوں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بھروسہ ہمیشہ خدا کی ذات پر رہتا تھا۔ جیسا کہ غزوۂ غطفان کے موقع پر دعثور محاربی کے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے جو ربیع الاوّل ۳ھ میں پیش آیا تھا۔ مگر تدبیر کے درجہ میں لوگ پہرہ لگالیا کرتے تھے۔

مگر جب یہ آیت نازل ہوئی : وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ''یعنی لوگوں کے شر سے خدا تمہاری حفاظت کرتا ہے۔'' تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو بھی بند فرمادیا۔

حدی خواں

سوال : قافلہ میں اگلے اونٹ پر جو حدی خواں ہوتے ہیں یعنی جو شعر پڑھا کرتے ہیں تاکہ اونٹ تیز چلیں وہ کون کون رہے ہیں؟

جواب: حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت انجشہ، حضرت عامر اکوع اور سلمہ بن اکوع کے چچا(۱) رضی اللہ عنہم اجمعین۔

محرر

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرامین وغیرہ وقتاً فوقتاً کون کون حضرات لکھا کرتے تھے؟

ا۔ زاد المعاد۔۱۲

جواب: حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی، حضرت عامر بن فہیرہ، حضرت عبداللہ بن ارقم، حضرت ابی بن کعب، حضرت ثابت بن قیس بن شموس، حضرت شرجیل بن حسنہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ (۱)

نجبا (یعنی جن پر خاص توجہ رہتی ہے)

سوال: وہ حضرات کون تھے جن پر خاص عنایت رہتی ہے؟

جواب: چاروں خلفاء حضرت حمزہ، حضرت جعفر، حضرت ابوذر غفاری، حضرت مقداد، حضرت سلمان، حضرت حذیفہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمار اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم اجمعین

عشرہ مبشرہ

سوال: عشرہ مبشرہ یعنی وہ دس حضرات جن کو دنیا ہی میں جنگ کی بشارت دی گئی تھی وہ کون کون ہیں؟

جواب: چاروں خلفاء۔ حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت عبیدہ بن جراح اور حضرت سعید بن زید رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

جانور، ہتھیار اور خانگی سامان وغیرہ

گھوڑے

(۱) **سکب:** اُحد کی جنگ میں اس پر سوار تھے۔ پیشانی اور تین ہاتھ پیر سفید۔ بدن کا رنگ کمیت (عنابی) داہنا ہاتھ بدن کے رنگ کا گھوڑ دوڑ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر سوار ہوئے وہ آگے بڑھا۔ یہ پہلا گھوڑا ہے جس کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مالک ہوئے۔

ا۔ سرور المحزون وزاد المعاد۔۱۲

(۲) مرتجز : اشہب یعنی سفید۔ مائل بسیاہی۔

(۳) لحیف : ربیعہ نے ہدیہ میں بھیجا تھا۔

(۴) لزاز : مقوقس نے ہدیہ میں بھیجا تھا۔

(۵) ظرب (۱) یا طرب (۲) : فروہ جذامی نے ہدیہ میں بھیجا تھا۔

(۶) سبحہ : یمن کے سوداگروں سے خریدا تھا۔ گھوڑ دوڑ میں تین مرتبہ اس پر سوار ہوئے اور آگے بڑھے۔ اس کو دست مبارک سے تھپکتے ہوئے فرمایا بَحْرٌ یعنی تیز رفتار اور لانبے قدم والا گھوڑا ہے۔ سمندر کی طرح بہتا ہے۔

(۷) ورد : تمیم داری نے ہدیہ میں بھیجا تھا۔

(۸) ضریس

(۹) ملاوح : (دسویں کا نام معلوم نہیں ہوسکا) اور اس سے زائد ۱۵ تک کی بھی روایتیں ہیں۔

خچر

(۱) ولدل : مقوقس نے ہدیہ میں بھیجا تھا، سفید سیاہی مائل رنگ تھا۔ یہ سب سے پہلا خچر ہے کہ اسلام کے زمانہ میں اس پر سواری ہوئی۔

(۲) فضہ : حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا فروہ جذامی نے پیش کیا تھا۔

(۳) ایلیہ : مقام ایلہ کے بادشاہ کا ہدیہ۔

(۴) اس کا ذکر صرف علامہ ابن قیمؒ نے کیا ہے، نام بیان نہیں کیا۔ دومۃ الجندل کے بادشاہ کا ہدیہ تھا۔

دراز گوش (گدھا)

(۱) یعفور یا عفیر : مقوقس نے ہدیہ کیا تھا، سفید رنگ تھا۔

(۲) علامہ ابن قیمؒ نے اس کا ذکر کیا ہے، نام بیان نہیں کیا۔ فروہ جذامی کا ہدیہ تھا۔

۱۔ زاد المعاد۔۱۲ ۲۔ سرور المحزون

دودھ کی اور لادو اونٹنیاں

بیں اور بروایت علامہ ابن قیمؒ پینتالیس تھیں جو غابہ مقام پر رہا کرتی تھیں۔

سانڈنیاں

دو یا تین تھیں۔

(۱) **قصواء:** جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ہجرت کے وقت سواری میں تھی۔

(۲) **عضباء**

(۳) **جدعاء** : بعض نے یہ دونوں نام ایک ہی قرار دیئے ہیں اور بعض حضرات نے تینوں ایک ہی اونٹنی کے نام قرار دیئے ہیں۔

سواری کا اونٹ

ایک تھا جو اصل میں ابوجہل کا تھا۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ اُس کی ناک میں چاندی کا کڑا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے دن مکہ والوں کے پاس بطور ہدیہ بھیج دیا۔ (۱)

بکرے اور بکریاں

سو تھیں۔ اُن میں سے جب بچہ پیدا ہوتا تو ایک کو ذبح فرمالیتے۔ سو سے زائد نہ ہوتیں۔ اُن میں سے ایک خاص بکری حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دودھ کے لئے مخصوص تھی۔

مرغ

ایک مرغ تھا، سفید رنگ کا۔ (۲) واللہ اعلم

۱۔ زاد المعاد۔۱۲ ۲۔ سرور المحزون

ہتھیار

تلواریں

(۱) ماثور : یہ سب سے پہلی تلوار ہے جو والد ماجد کے ترکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملی تھی۔

(۲) ذوالفقار : بنی الحجاج کی تھی۔ جنگ بدر میں ہاتھ لگی تھی جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ اُحد سے پہلے ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر یہ لگائی تھی کہ شکست ہوگی جو جنگ اُحد میں پوری ہوئی۔

(۳) قلعی (۴) بتار

(۵) حنف : یہ تینوں تلواریں بنوقینقاع کے مال میں سے ملی تھیں۔

(۶) قضیب : یہ سب سے پہلی تلوار ہے جس کو حمائل کے طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہنا تھا۔

(۷) عضب : حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے پیش کی تھی۔

(۸) دسوب (۹) مجذم

نیزے

(۱) مثوی

(۲) منثنی

(۳) حربہ : ایک قسم کا چھوٹا نیزہ جس کو نبعہ کہتے ہیں۔

(۴) غمزہ : چھوٹا سا نیزہ۔ اس کو بقرہ عید میں آگے لے جایا جاتا اور نماز کے وقت سامنے گاڑ کر سترہ بنایا جاتا۔ کبھی کبھی اس کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلتے بھی تھے۔

(۵) بیضاء : بڑا نیزہ۔

لاٹھیاں

(۱) مجن : چھوٹی سی چھڑی تھی تقریباً ایک ہاتھ لانبی۔ موٹھ مڑی ہوئی۔ اونٹ کی سواری کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رہتی۔ چلنے اور سوار ہونے میں بھی اس سے سہارا لیتے تھے۔

(۲) عرجون : پوری لاٹھی کا آدھا۔

(۳) ممشوق : پتلی چھڑی شوخط درخت کی۔

کمان

(۱) شداد (۲) زوراء (۳) روحاء

(۴) صفراء (۵) بیضاء (۶) کتوم : جو جنگ اُحد میں ٹوٹ گئی۔

ترکش

(۱) جمع (۲) کافور

خود

(۱) موشح (۲) ذوالسبوع

زرہ

(۱) ذات الفضول : یہ وہی زرہ ہے جو گھر والوں نے کھانے کے لئے تیس صاع یعنی تقریباً ڈھائی من غلہ کے عوض ابوشحم یہودی کے پاس ایک سال رہن رہی تھی اور کہا جاتا ہے کہ جنگ حنین میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی کو زیب تن فرمایا تھا۔

(۲) ذات الوشاح (۳) ذات الحواشی

(۴) سعدیہ (۵) فضہ : یہ دونوں بنی قینقاع کے مال میں سے ملی تھیں۔
(۶) بترا (۷) خرنق

پڑکا چمڑے کا

اس میں چاندی کی تین کڑیاں تھیں۔

ڈھال

(۱) زلوق
(۲) فتق : ایک ڈھال پر کرگس کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر دست مبارک رکھا وہ فوراً مٹ گئی۔

جھنڈا

(۱) عقاب : ایک کا نام ''عقاب'' تھا۔ رنگ کالا باقی اور جھنڈے بھی ضرورت کے وقت بنتے رہے ہیں۔ جن کے مختلف رنگ تھے۔ عموماً جھنڈیاں سفید رنگ کی ہوتی تھیں۔

خیمہ

خیمہ ایک تھا۔

چارجامہ

چارجامہ ایک تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

کپڑے

جبے تین۔ حبری جامے دو۔ صحاری کرتہ ایک۔ صحاری جامے دو۔ یمنی جامہ ایک۔ سحول

کرتا ایک۔ چادر پھولدار یا دھاری دار ایک۔ سفید کمبل ایک۔ ٹوپیاں تین یا چار۔ عمامہ ایک۔ کالا کمبل ایک۔ لحاف ایک۔ چمڑے کا بستر جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

دو کپڑے جمعہ کی نماز کے لئے مخصوص رہا کرتے تھے۔ ایک رومال، دو سادہ موزے جن کو نجاشی بادشاہ نے ہدیہ میں پیش کیا تھا۔

برتن وغیرہ

لکڑی کا بڑا بادیہ : ایک جس میں تین جگہ چاندی کی پتریاں لگا کر مضبوط جوڑا گیا تھا۔

پتھر کا بادیہ : ایک جس سے وضو فرمایا کرتے تھے۔

پیتل کا یا کانسی کا کونڈا : ایک جس میں حنا اور وسمہ گھوٹا جاتا۔ حنا کو گرمی کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر مبارک پر رکھتے تھے۔

پیالہ شیشہ کا : ایک۔

پیتل کا بڑا کونڈا : ایک۔

اعزاء: ایک بڑا کونڈا جس میں چار کڑے لگے ہوئے تھے۔ اس کو چار آدمی اُٹھایا کرتے تھے۔

ایک لکڑی کا بادیہ: جو اندر رکھا رہتا تھا۔ ضرورت کے وقت رات کو اس میں پیشاب کرتے تھے۔

ایک تھیلہ : جس میں آئینہ، کنگھا، سرمہ دانی، قینچی اور مسواک رہتی تھی۔

ایک چارپائی : جس کے پائے سال کے تھے، جس کو حضرت اسعد رضی اللہ عنہ بن زرارہ نے پیش کیا تھا۔

ایک چاندی کی انگوٹھی : جس پر نقش تھا ''محمد رسول اللہ'' (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برائے مہربانی خصوصی توجہ فرمائیں

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ۝

''اور قرآن پاک کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ۔'' (سورۃ مزمل۔۴)

قرآن کریم کو صحیح تلفظ اور صحیح ادائیگی (تجوید ومخارج) کے ساتھ پڑھنا ہر مسلمان مرد وعورت دونوں پر لازم ہے۔ لیکن اس وقت اس پر توجہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ جس کے نتیجے میں تلاوت قرآن کریم کرنے کے باوجود اس کا صحیح حق ادا نہیں ہوتا بلکہ تلاوت کرتے وقت بیشمار ایسی غلطیاں بھی سرزد ہوجاتی ہیں جن پر اللہ ﷻ کی طرف سے سخت وعید آئی ہے۔

قرآن کریم، خواہ حفظ پڑھا جائے یا ناظرہ، تھوڑا پڑھا جائے یا زیادہ، مجمع میں پڑھا جائے یا تنہائی میں، نماز میں تلاوت کیا جائے یا خارج نماز۔ ہر حال میں حروف کی صحیح ادائیگی (تجوید ومخارج کے ساتھ) سخت ضروری ہے۔ ورنہ بعض مرتبہ معانی بھی بدل کر غلط ہو جاتے ہیں۔

مثلاً

۱۔ ح ــــ ھ: سورۃ الفاتحہ

الحمد ''ح'' سے ادائیگی کریں تو معنیٰ سب تعریفیں ہے۔ اور اگر ''ھ'' سے ادائیگی کریں تو سب موتیں/ اموات ہے۔ نعوذ باللہ

''الرحیم'' کے معنیٰ ترس فرمانے والا۔ مگر ''ھیم'' کے معنیٰ پیاسا اونٹ۔

۲۔ ق ــــ ک: سورۃ الاخلاص

سورۃ الاخلاص: اگر ''قل'' کو ''ق'' سے ادا کریں تو ٹھیک معنیٰ ''کہو'' اگر ''ک'' سے ادا کریں تو معنیٰ ''کھاؤ'' کے ہیں۔

''قلب'' اگر ''ق'' سے ادا کریں تو معنیٰ ''دل''

اور اگر "ک" سے "کلب" ادا کریں تو معنیٰ "کتا" ہے۔

اسی طرح قرآن پاک پڑھنے میں زیر، زبر، پیش کی بڑی اغلاط ہوتی ہیں اور لاعلمی میں کتنا بڑا گناہ سرزد ہوتا ہے۔

قرآن پاک کی صحیح تلاوت کے سلسلے میں لاپرواہی برتنا ایک جرم عظیم ہے۔ دلائل اور علماء کرام سے تحقیقاً یہ ثابت ہے کہ قرآن پاک میں ہر کلمہ صاف صاف اور صحیح ادا ہو۔ جیسا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ترتیل سے ادا فرمانا ثابت ہے۔

اگر ہم ایمان اور یقین کے ساتھ غور کریں تو لاپرواہی، غیر ذمہ داری سے قرآن پاک کی حق تلفی کر رہے ہیں۔ چنانچہ اگر ہم سورۃ فاتحہ (الحمد شریف) کسی اچھے قاری صاحب کے پاس بیٹھ کر یاد کرلیں تو کافی الفاظ کی ادائیگی صحیح ہو جائے گی۔ ساتھ ہی نماز بمعنیٰ پڑھنے کا بھی اللہ ﷻ شوق نصیب فرمادیں گے۔ نماز جنت کی کنجی ہے۔ (حدیث پاک) تو جتنی دلی لگن سے ہم نماز کے الفاظ کی ادائیگی سیکھیں گے اور معنیٰ سیکھیں گے اُتنی زیادہ برکات اور تسلی ہوگی اور ہم قرآن پاک صحیح تجوید ومخارج کے ساتھ سیکھ لیں گے اور معنیٰ سمجھ لیں گے، ان شاء اللہ

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ ﷻ اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کو اُسی طرح پڑھا جائے جس طرح وہ نازل ہوا ہے۔

چنانچہ علماء نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنی تلاوت میں تجوید کے قواعد کا خیال نہ رکھے وہ نافرمانی کی وجہ سے گناہگار ہوگا۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اپنی وسعت کے مطابق قرآن کریم کو تجوید اور اُس کے صحیح مخارج کے ساتھ پڑھنے کی کوشش کرنا ضروری ہے اور خصوصاً "لحن جلی" سے بچنا ضروری ہے۔

اللہ ﷻ سے رگڑ رگڑا کر معافی مانگیں اور دعا کریں کہ اللہ پاک ہمیں معاف فرمائے اور آئندہ سے پختہ ارادہ کریں کہ ہم قرآن کریم صحیح پڑھنے کی کوشش کریں گے۔ لہٰذا کسی قاری صاحب کے پاس بیٹھ کر سیکھیں بھی اور قرآن پاک کو صحیح پڑھنے کی اللہ ﷻ سے دعا بھی کریں۔ آمین

